علم لغت، اصول لغت
اور
لغات

رؤف پاریکھ

فضلی سنز

علمِ لغت، اصولِ لغت اور لغات

ڈاکٹر رؤف پاریکھ

انتساب

یارانِ عزیز

اجمل سراج

صبیح رحمانی

عبدالعزیز ساحر

اور

مبین مرزا

کے نام

بہت چھوٹے ہیں مجھ سے میرے دشمن
جو میرا دوست ہے مجھ سے بڑا ہے
(اطہر نفیس)

فہرست

ڈاکٹر رؤف پاریکھ کی دیگر کتابیں

(تصنیف، تالیف، تدوین، ترتیب، ترجمہ)

۳۱۔ لسانیاتی مباحث	فضلی سنز، کراچی	۲۰۱۵ء
۳۰۔ لغوی مباحث	مجلسِ ترقیٔ ادب، لاہور	۲۰۱۵ء
۲۹۔ اردو کی پانچویں کتاب (شریک مصنف)	سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو	۲۰۱۵ء
۲۸۔ لغت نویسی اور لغات (ترتیب وحواشی)	فضلی سنز، کراچی	۲۰۱۵ء
۲۷۔ انتخابِ کلام: ظفر علی خاں (ترتیب وتعارف)	اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس	۲۰۱۵ء
۲۶۔ اردو لغات: اصول اور تنقید (ترتیب وحواشی)	فضلی سنز، کراچی	۲۰۱۴ء
۲۵۔ انتخابِ کلام: مجید لاہوری (ترتیب وتعارف)	اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس	۲۰۱۴ء
۲۴۔ اردو میں لسانی تحقیق وتدوین: گزشتہ چند عشروں میں	اکادمی بازیافت، کراچی	۲۰۱۳ء
۲۳۔ اوکسفرڈ اردو انگریزی لغت (مدیرِ اعلیٰ)	اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس	۲۰۱۳ء
۲۲۔ اردو میں تحقیق وتدوین (ترتیب)	ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی	۲۰۱۳ء
۲۱۔ انتخابِ کلام: اسمٰعیل میرٹھی (ترتیب وتعارف)	اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس	۲۰۱۲ء
۲۰۔ سعادت حسن منٹو (شریک مرتب)	مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد	۲۰۱۱ء
۱۹۔ Iqbal by Atiya (مقدمہ، تدوین، حواشی)	اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس	۲۰۱۱ء
۱۸۔ انتخابِ کلام: حالی (ترتیب وتعارف)	اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس	۲۰۱۱ء
۱۷۔ امیر اللغات جلد سوم (مقدمہ، تدوین، حواشی)	پنجاب یونیورسٹی، لاہور	۲۰۱۰ء

۱۶۔ اردو لغت نویسی: تاریخ، مسائل اور مباحث (ترتیب و حواشی)	مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد	۲۰۱۰ء
۱۵۔ معیاری اردو قاعدہ (شریک مولف)	مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد	۲۰۱۰ء
۱۴۔ چمنِ اردو (شریک مولف) (۸ نصابی کتب)	شیخ شوکت علی اینڈ سنز، کراچی	۲۰۱۰ء
۱۳۔ Oxford Mini English-Urdu Dictionary	اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس	۲۰۰۹ء
۱۲۔ انتخاب کلام: اکبرالٰہ آبادی (ترتیب و تعارف)	اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس	۲۰۰۹ء
۱۱۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد ۲۱ (مدیر اعلیٰ)	اردو لغت بورڈ، کراچی	۲۰۰۷ء
۱۰۔ اولین اردو سلینگ لغت	فضلی سنز، کراچی	۲۰۰۶ء
۹۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد ۲۰ (مدیر اعلیٰ)	اردو لغت بورڈ، کراچی	۲۰۰۵ء
۸۔ عصری ادب اور سماجی رجحانات	اکادمی بازیافت، کراچی	۲۰۰۳ء
۷۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد ۱۹ (مدیر اعلیٰ)	اردو لغت بورڈ، کراچی	۲۰۰۳ء
۶۔ سرخاب کے پر (انگریزی مزاح کے تراجم)	اکادمی بازیافت، کراچی	۲۰۰۱ء
۵۔ اردو نثر میں مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پس منظر	انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی	۱۹۹۶ء
۴۔ نازک صاحب کا بکرا (بچوں کے لیے مزاحیہ کہانیاں)	ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی	۱۹۹۴ء
۳۔ نوائیاں (طنز و مزاح)	فرید پبلشرز، کراچی	۱۹۹۲ء
۲۔ پٹخوں کا ہنگامہ (بچوں کے لیے مزاحیہ کہانیاں)	مکتبہ اردو ڈائجسٹ، کراچی	۱۹۸۷ء
۱۔ خفیہ پیغام (بچوں کے لیے جاسوسی ناول)	فیروز سنز، لاہور	۱۹۷۸ء

drraufparekh@yahoo.com

تقدیم

لغت نویسی اور لغات کے موضوع پر لکھے گئے مضامین و مقالات پر مبنی راقم کی ایک کتاب بعنوان ''لغوی مباحث'' مجلس ترقیِ ادب (لاہور) سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اسی موضوع پر کچھ مزید تحریریں اس کتاب میں پیش ہیں۔

کوشش کی گئی ہے لغت نویسی، اصولِ لغت نویسی اور علمِ لغت نیز اردو کی اہم لغات کے ضمن میں کچھ نئے گوشے روشن ہو سکیں یا کم از کم کچھ دھند ہی کم ہو جائے کیونکہ لغات اور جدید لسانیات پر اردو میں کم ہی لکھا جاتا ہے اور ان موضوعات پر کچھ لکھنا گویا دشتِ پُر خار میں قدم رکھنا ہے۔ بعض اہم اردو لغات پر سرسری ہی لکھا گیا ہے اور بعض کا تو کہیں ذکر بھی نہیں ملتا۔ اگرچہ یارانِ سرِ پُل کی بے نیازی کا بھی وہی عالم ہے لیکن اس امید پر راقم اس کام کو جاری رکھے ہوئے کہ شاید نئی نسل کے کچھ نوجوان محقق ''حیات و خدمات'' جیسے گھسے پٹے موضوعات کو چھوڑ کر لغت کی طرف مائل ہو جائیں۔ بقول مرزا تقی ہوؔس:

تیز رکھیو سرِ ہر خار کو اے دشتِ جنوں
شاید آ جائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

ان مقالات میں یقیناً انگریزی منابع و مصادر سے بہت مدد لی گئی ہے کیونکہ ان موضوعات پر تمام تر تحقیق انگریزی میں وافر اور بآسانی دست یاب ہے۔ البتہ جہاں جہاں بھی استفادہ کیا گیا ہے خواہ انگریزی ہو یا اردو، حواشی میں اس کی نشان دہی کے ساتھ ماخذ کا حوالہ دینے کا اہتمام کیا گیا

ہے کیونکہ علمی و تحقیقی کاموں میں یہ ناگزیر ہوتا ہے۔

البتہ کتاب میں شامل مختلف مقالات میں حواشی و مآخذات کے اندراج کا انداز کچھ مختلف ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مختلف تحقیقی جرائد میں شائع ہوئے ہیں اور ان سب کا طریقِ اندراج مختلف ہے۔ کتابی صورت میں اشاعت کے وقت طریقِ اندراج میں تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔

ان مضامین و مقالات پر محترم محمد احسن خان صاحب سے وقتاً فوقتاً تبادلۂ خیال ہوتا رہا اور وہ حسبِ سابق مفید مشورے دیتے رہے۔ بعض مقامات، پر انھوں نے چند تسامحات کی بھی نشان دہی کی جن کو درست کر دیا گیا ہے۔ ان کی محبت اور خلوص کا شکریہ ادا کرنا رسمی سا لگتا ہے اور شکریہ ادا ہو بھی نہیں سکتا۔ لغت کے مسائل و مباحث پر جیسی احسن صاحب کی نظر ہے کم ہی لوگوں کی ہوگی۔

لغت نویسی، علم لغت، لغوی معنیات اور اصولِ لغت نویسی ایسے موضوعات ہیں جن پر اردو میں کام کرنے کی ضرورت بھی ہے اور گنجائش بھی، بلکہ ابھی بہت کام باقی ہے۔ بقولِ اقبال:

گماں مبر کہ بپایاں رسید کارِ مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

رؤف پاریکھ
شعبۂ اردو، جامعہ کراچی
۰۳۰۰۔۲۱۰ ۱۸۶۴
drraufparekh@yahoo.com

علمِ لغت، لغوی معنیات اور اردو لغت نویسی

لغات اور لغت نویسی سے متعلق بعض موضوعات اور مسائل ایسے ہیں جو اردو میں کم ہی زیر بحث آتے ہیں، بلکہ یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ لغت نویسی سے متعلق بعض مباحث اردو میں صورتِ عنقا ناپید ہیں۔ ان میں خاص طور پر علمِ لغت اور لغوی معنیات شامل ہیں۔ اس مقالے میں کوشش کی گئی ہے کہ ان دونوں موضوعات اور ان سے جڑے ہوئے مباحث اور اردو لغت نویسی کے عملی مسائل پر کچھ روشنی ڈالی جا سکے۔

دراصل اب لغت نویسی علمِ لغت کے علاوہ دیگر چند لسانیاتی علوم سے بھی جڑ گئی ہے اور یہ علوم (مثلاً تاریخی لسانیات، صوتیات، مارفیمیات، معنیات، لغوی معنیات، صرف ونحو، اشتقاقیات وغیرہ) لغت نویس کے لیے مفید ہی نہیں ضروری خیال کیے جاتے ہیں۔ ایک عرصے تک لغت نویس الگ تھلگ رہ کر اپنے طور پر کام کرتے رہے لیکن معروف ماہرِ لسانیات، ماہرِ علمِ لغت اور لغت نویس آر۔ آر۔ کے۔ ہارٹ مین (R.R.K.Hartmann) کی وجہ سے لغت نویسی کی دنیا میں یہ تبدیلی آئی کہ لغت نویس لسانیات کی مختلف نظری اور اطلاقی شاخوں سے اپنے کام میں مدد لینے لگے۔ ہارٹمین نے لغت نویسی اور لسانیات پر کئی کتابیں اور مقالات لکھے ہیں اور آج اطلاقی لسانیات، لغت نویسی اور علمِ لغت کی دنیا میں اس کا نام معروف ہے[1]۔

☆علمِ لغت (lexicology)

علمِ لغت دراصل عام لسانیات (linguistics) کی ایک شاخ ہے۔ لغت نویسی کے لیے علمِ لغت بنیاد کا کام کرتا ہے۔ علمِ لغت کے لیے انگریزی میں "لیکسیکولوجی" (lexicology) کا لفظ رائج ہے۔ یہ دراصل دو اجزا سے ترکیب پا کر بنا ہے: "لیکسیکو" (lexico) یعنی لفظ سے متعلق یا لفظ کا اور "لوجی" (logy) کا لفظ علم یا علم کی کسی شاخ کے معنی میں آتا ہے[2]۔

علمِ لغت کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ علمِ لغت کسی خاص زبان کے تمام الفاظ کا مطالعہ کرتا ہے۳۔ علمِ لغت کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ یہ الفاظ، معنی اور ان کے استعمال کا تکنیکی مطالعہ ہے ۴۔ الفاظ کے اس مطالعے کے کئی پہلو ہیں، مثلاً یہ مطالعہ الفاظ کے معنی سے متعلق بھی ہوسکتا ہے، الفاظ کے استعمال سے متعلق بھی اور الفاظ کے باہمی تعامل کے بارے میں بھی ہوسکتا ہے۔

لیکن ہارٹ مین نے علمِ لغت کی جو تعریف کی ہے وہ نسبتاً زیادہ جامع محسوس ہوتی ہے۔ ہارٹ مین کے بقول علمِ لغت ذخیرۂ الفاظ کی بنیادی اکائیوں (یعنی لیکسیم lexeme)، ان کی تشکیل، ساخت اور معنی سے متعلق ہے ("لیکسیم" یعنی لغویہ کی وضاحت آگے آرہی ہے)۔ علمِ لغت کا تعلق لغت نویسی سے ہے اور یہ وضاحت کرتا ہے کہ الفاظ اور مرکبات کیسے وجود میں آتے ہیں، کیسے جڑتے ہیں، ان میں ترمیم کیسے ہوتی ہے، اور ان کو زبان میں اور زبان کی مختلف سطحوں (مثلاً ڈائیلکٹ، رسمی زبان یا اصطلاحات) پر استعمال کیسے کیا جاتا ہے۵۔

گویا علمِ لغت کا تعلق بنیادی طور پر کسی خاص زبان کے الفاظ اور ان کے استعمال سے ہے اور یہ الفاظ کا مختلف سطحوں پر مطالعہ ہے۔ علمِ لغت کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ لغت نویسی کے لیے نظری بنیاد فراہم کرے۔ کیونکہ علمِ لغت کسی لفظ کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیتا ہے، اس کی قواعدی اور معنوی حیثیت کا تجزیہ بھی کرتا ہے اور ایک لفظ کا دوسرے الفاظ کے ساتھ باہمی ربط اور استعمال بھی اس کے پیشِ نظر ہوتا ہے۔

✶ علمِ لغت اور تین الفاظ

لپکا کے بقول lexicology یا علمِ لغت lexicon اور lexis کا مطالعہ ہے۶۔ ہارٹ جیکسن کے مطابق لغت کے سلسلے میں تین الفاظ vocabulary, lexicon, lexis استعمال ہوتے ہیں، تینوں کا مفہوم کم و بیش ایک ہی ہے یعنی ذخیرۂ الفاظ ہے۷ لیکن تینوں میں ذرا سا فرق بھی ہے۔ ان الفاظ پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے:

۱۔ vocabulary

کسی زبان کے تمام الفاظ یا اس میں موجود الفاظ کے پورے ذخیرے کو انگریزی میں vocabulary کہتے ہیں۔ یہ لفظ عام بول چال میں استعمال ہوتا ہے اور "ذخیرۂ الفاظ" کے معنی

میں آتا ہے۔اوکسفرڈ کی لغت کے مطابق کسی خاص زبان میں موجود الفاظ یا کسی خاص شعبۂ حیات میں مستعمل الفاظ کو vocabulary کہتے ہیں۔اسی طرح کسی فرد واحد کے اپنے علم میں جو الفاظ ہوتے ہیں اسے بھی یہی نام دیا جاتا ہے۸۔اردو میں اسے ذخیرۂ الفاظ کہا جا سکتا ہے۔

۲۔ lexicon

معنی تو اس کے بھی ذخیرۂ الفاظ ہی کے ہیں یعنی کسی زبان،شعبۂ حیات یا فرد کے دائرۂ علم کے تمام الفاظ۔البتہ تکنیکی اور علمی مباحث میں اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد ہے کسی زبان میں موجود الفاظ۔اوکسفرڈ کی لغت کے مطابق یہ ''لغت'' یعنی ڈکشنری (dictionary) کے معنی میں بھی آتا ہے۹۔ ہارٹ مین کے مطابق کسی زبان کے تمام الفاظ کو اگر کُلّیت میں دیکھا جائے،خواہ بحیثیت الفاظ کی فہرست کے خواہ ایک منظم اور ساخت یافتہ مجموعے (structured whole) کے،تو اسے lexicon کہا جاتا ہے۱۰۔اردو میں اسے ''لفظیات'' کہہ سکتے ہیں۔مثلاً اقبال نے اپنی شاعری میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں انھیں مجموعی طور پر شعری لفظیاتِ اقبال کہا جا سکتا ہے۔

۳۔ lexis

اصلاً یونانی زبان کا لفظ ہے۔اس کے لفظی معنی ہیں گفتگو یا بولنے کا انداز یا لفظ۔جیکسن کے مطابق یہ پہلے لفظ vocabulary کے مفہوم (یعنی عام بول چال) اور دوسرے لفظ lexicon کے مفہوم (یعنی تکنیکی اور علمی مفہوم) کے بین بین ہے۱۱۔اوکسفرڈ کی لغت کے مطابق اس کے معنی ہیں کسی زبان میں موجود تمام الفاظ کا ذخیرہ۱۲۔ہارٹ مین نے البتہ lexis کے معنی کے لیے lexicon ہی سے رجوع کرا دیا ہے۔اسے اردو میں سرمایۂ الفاظ یا مخزنِ الفاظ کہہ سکتے ہیں۔

دراصل ہمارے ہاں ان تینوں الفاظ میں سے صرف پہلا ہی یعنی vocabulary زیادہ تر مستعمل ہے اور اسی لیے باقی دو کے مترادفات بالعموم نہیں ملتے اور ہم نے یہ اردو مترادفات محض تجویز کے طور پر پیش کیے ہیں۔

جیکسن کے بقول اگرچہ یہ تینوں الفاظ کسی زبان میں موجود تمام الفاظ یعنی اس کے لفظوں کے مجموعی سرمائے کے لیے آتے ہیں لیکن لغت میں کسی زبان کے بہر حال منتخب الفاظ ہی ہو سکتے

ہیں ۱۳؎۔

جیکسن کی بات میں یہاں اتنا اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی لغت کسی زبان کے پورے ذخیرۂ الفاظ کو درج کرنے کا دعویٰ کرے تب بھی اس میں بہت سے الفاظ شامل ہونے سے رہ جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال ہمارے ہاں اردو لغت بورڈ کی بائیس (۲۲) جلدوں پر محیط لغت ہے۔ انگریزی میں اس کی مثال اوکسفرڈ انگلش ڈکشنری ہے جو ستر (۷۰) برسوں میں مکمل ہوئی اور جس کا پہلا ایڈیشن دس (۱۰) اور دوسرا ایڈیشن بیس (۲۰) جلدوں پر مشتمل ہے (پہلے ایڈیشن کی دس جلدیں تھیں لیکن ان کی تجلید بارہ میں ہوئی کیونکہ دو جلدیں بہت ضخیم تھیں) اور اس لغت کا دعویٰ تھا کہ اس میں انگریزی کا ہر لفظ شامل ہوگا۔ لیکن اس میں بھی بڑی تعداد میں الفاظ شامل ہونے سے رہ گئے تھے اور بعد میں اس کے ضمیمے طویل عرصے تک شائع ہوتے رہے ۱۴؎۔

بڑے اداروں کے تحت اور باقاعدہ منصوبہ بندی سے مرتب کی گئی ان لغات میں کئی الفاظ شامل نہ ہوسکنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انسانی کوششوں کی بہرحال ایک حد ہوتی ہے، ثانیاً زبان بدلتی رہتی ہے اور اس میں نئے نئے الفاظ بھی شامل ہوتے رہتے ہیں۔ پھر لفظ معنی بدلتے بھی ہیں اور کبھی کسی لفظ کے کوئی ایک معنی متروک ہوجاتے ہیں اور کبھی کسی لفظ کے نئے معنی وقت کے ساتھ ساتھ رائج ہوجاتے ہیں۔ آج کے دور میں زبان میں نئے الفاظ اتنی تیزی سے آرہے ہیں کہ لغت پریس سے باہر آتے ہی وقت سے پیچھے رہ جاتی ہے کیونکہ اس عرصے میں نئے الفاظ وجود میں آچکے ہوتے ہیں یا پرانے الفاظ میں سے کچھ کا نیا مفہوم رائج ہوجاتا ہے۔ مثلاً انگریزی لفظ ''سیلفی'' (selfie) (یعنی خود اپنے ہاتھ سے اپنی کھینچی ہوئی تصویر، بالخصوص کسی ''اسمارٹ فون'' یا کسی خودکار کیمرے سے) انگریزی کی بعض نئی لغات میں بھی نہیں ملے گا کیونکہ اس کو رائج ہوئے تھوڑا سا ہی عرصہ ہوا ہے۔ بلکہ زبان اتنی تیزی سے بدلتی ہے کہ یہ تک کہا جاتا ہے کہ اشاعت کے دس سال بعد لغت فرسودہ اور از کار رفتہ ہوجاتی ہے کیونکہ اس کے کئی الفاظ یا ان کے بعض معنی متروک (obsolete) ٹھہرتے ہیں۔ ہاں البتہ دورِ حاضر میں لغت نویسی میں کمپیوٹر کے استعمال سے یہ امید ہو چلی ہے کہ شاید اب کوئی ایسی لغت بنائی جاسکے جس میں کسی زبان کا پورا ذخیرۂ الفاظ بتمام و بکمال درج ہو، یعنی نئے الفاظ کے بننے یا کسی پرانے لفظ کے نئے معنی میں مستعمل ہونے

کے ساتھ ساتھ بنائی گئی لغت جس میں ہر وقت اضافہ اور ترمیم ہوتی رہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ یہ لغت برخط یعنی ''اون لائن'' (online) ہو اور اس میں تیزی سے تبدیلی کی جاتی ہو، بصورتِ دیگر نئے الفاظ یا نئے مفاہیم شامل کر کے لغت کے جدید ایڈیشن کی طباعت سے پہلے ہی زبان میں کچھ نہ کچھ تبدیلی آ چکی ہوگی (خواہ کتنی ہی معمولی سہی یا چند الفاظ ہی میں سہی) اور اس طرح کوئی بھی مطبوعہ لغت سو (۱۰۰) فی صد رائج یا مروجہ (current) نہیں کہی جا سکتی۔ اسی لیے لغت نویسوں میں یہ بات مشہور ہے کہ لغت چھپتے ہی فرسودہ اور متروک (obsolete) ہو جاتی ہے۔ اسی طرح لغت نویسوں میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ سو فی صد مکمل اور بے عیب لغت مرتب کرنا محض تصور ہی میں ممکن ہے، تاہم انسان کو حتی الامکان کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

جیسا کہ ذکر ہوا علمِ لغت الفاظ، تراکیب اور پیچیدہ قسم کے مرکبات سے بھی بحث کرتا ہے اور اس کام میں لسانیات کی مختلف شاخوں مثلاً مارفیمیات (morphology)، معنیات (semantics) اور اشتقاقیات (etymology) سے بھی مدد لیتا ہے[۱۵]۔ علمِ لغت سماجی لسانیات (sociolinguistics) سے بھی اس لحاظ سے مدد لیتا ہے کہ مخصوص سماجی حالات میں کسی لفظ کا مفہوم اور استعمال عام معنی سے ہٹ کر مخصوص معنی بھی دیتا ہے۔ اسی طرح لغوی معنیات (lexical semantics) کی بعض اصطلاحات کا لغت نویسی میں اہم استعمال ہے (اس کا ذکر آگے آ رہا ہے)۔

لیکن علمِ لغت کا شعبہ کچھ زیادہ قدیم نہیں ہے اور لیکسیکولوجی (lexicology) کی اصطلاح رائج ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔ لپکا کے مطابق تعجب کی بات یہ ہے کہ ۱۹۹۰ء کے لگ بھگ لکھی گئی درمیانی ضخامت کی بعض انگریزی لغات میں لفظ lexicology کا اندراج نہیں ملتا اور صرف lexicography کا لفظ درج ہے[۱۶]۔

☆ لغت نویسی (lexicography)

لغت نویسی یا لغت نگاری کو انگریزی میں لیکسیکوگرافی (lexicography) کہتے ہیں۔ لیکسیکو (lexico) کا اشتقاق سطورِ بالا میں علم لغت کی تعریف کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔ گرافی (graphy) اصلاً یونانی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں تحریر کے[۱]۔

لغت نویسی کی سادہ سی تعریف یہ ہے کہ لغت لکھنے کا نام لغت نویسی ہے۱۸۔ یہ اور بات ہے
کہ یہ کام اتنا آسان اور سادہ نہیں جتنا اس تعریف سے لگتا ہے۔ کیونکہ لغت کی ترتیب و تدوین کے
کئی مراحل ہوتے ہیں اور ان میں کئی عملی مسائل پیش آتے ہیں۔ البتہ اس کو زیادہ وسیع مفہوم میں
لیا جائے تو لغت نویسی کی تعریف میں لغت لکھنے کے عملی کام اور اس میں مہارت کے علاوہ لغت
لکھنے کا پیشہ بھی شامل ہو جاتا ہے، جیسا کہ لپکا نے لکھا ہے۱۹۔

لغت نویسی اور علم لغت کا گہرا تعلق ہے۔ علم لغت نظری مباحث سے متعلق ہے اور لغت نویسی
اس کی عملی صورت ہے۔ بلکہ علم لغت کی اطلاقی (applied) صورت لغت نویسی ہے۲۰۔
کہتے ہیں کہ ہر لغت نویس یا لیکسیکو گرافر (lexicographer) ماہر علم لغت یعنی لیکسیکو لوجسٹ
(lexicologist) ہوتا ہے مگر ماہر علم لغت جب تک لغت نہ مرتب کرے تب تک لغت نویس نہیں
کہلا سکتا۔ گویا علم لغت نظری (Thoeritical) علم ہے اور لغت نویسی اس کی عملی یا اطلاقی صورت
ہے۔ لیکن ہارٹ مین کا خیال ہے کہ علم لغت اور لغت نویسی کے تعلق کو صرف ''نظری'' اور ''عملی
'' تک محدود کرنا ٹھیک نہیں۔ اس کے بقول لغت نویسی محض علم لغت کی اطلاقی یا عملی صورت نہیں
ہے بلکہ یہ ایک خود مختار میدان ہے جس کا اپنا دائرہ کار ہے اور وہ ہے لغوی تحقیق، نیز اس کام میں
دیگر علوم کی دریافتوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا۲۱۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہارٹ مین علم
لغت کے مقابلے میں لغت نویسی کو زیادہ اہمیت دیتا ہے کیونکہ بقول اس کے علم لغت نے ایسے کئی
حقائق اپنے دائرے میں داخل کر لیے ہیں جو اس نے درحقیقت لغات ہی سے نچوڑے ہیں، مثلاً
عام بول چال کے الفاظ، تکنیکی اصطلاحات، قدیم الفاظ، نئے الفاظ اور علاقائی الفاظ جیسی
اصطلاحات وغیرہ اور ان کی تفہیم۲۲۔

حالیہ برسوں میں علم لغت اور لغت نویسی لسانیات کے تحت آ چکے ہیں۔ بالخصوص ایسے لغت
نویسوں کا لغت مرتب کرنا جو لسانیات سے کما حقہ واقف ہیں اور اس کی شاخوں سے مدد لیتے ہیں
نیز لغت نویسی میں معنیات، مارفیمیات اور لسانیات کی دیگر شاخوں کے علاوہ کورپس (corpus)
سے اور کورپس لسانیات (corpus linguistics) کی مدد لینے کا روز افزوں رجحان اس بات کا
ثبوت ہے کہ لغت نویسی لسانیات کے زیر اثر آ گئی ہے اور اب لغت نویسی بھی علم لغت کی طرح

لسانیات ہی کی شاخ ہے۲۳۔

☆ علم التسمیہ (onomasiology)

علمِ لسانیات اور علمِ لغت کی ایک ذیلی شاخ onomasiology ہے۔ اسے عربی میں علم التسمیہ کہتے ہیں۔ یہ نام اردو میں بھی اپنایا جا سکتا ہے۔ علم التسمیہ کی سادہ سی تعریف تو یہ ہے کہ یہ ناموں کا مطالعہ ہے۲۴۔

پی ایچ میتھیوز کے مطابق علم التسمیہ ایک طرح سے علم دلالتِ الفاظ (semasiology) کی ضد ہے۔ علم دلالتِ الفاظ میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی لفظ کے کیا معنی ہیں۔ جبکہ علم التسمیہ میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ معنی (جن کے ذریعے چیزوں اور تصورات کو پیش کیا جاتا ہے) کے لیے کیا لفظ ہیں۔ گویا علم التسمیہ ناموں یا الفاظ کے معنی کے حوالے سے مطالعے کا نام ہے۲۵۔

علم التسمیہ کا بنیادی کام کسی چیز کے بارے میں یہ طے کرنا ہے کہ اسے کیا کہتے ہیں۔ گویا پہلے سے معلوم کسی تصور، صفت، چیز، معنی یا سرگرمی کے بارے میں یہ علم سوال اٹھاتا ہے کہ اس کا کیا نام ہے۔ علم التسمیہ کا کام نام رکھنا ہے۲۶۔ اس علم کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ چیزوں کے نام بدلنے کی وجہ معلوم کرے کہ کوئی چیز نام کیوں بدلتی ہے اور یہ کہ نئی ایجادات اور دریافتوں سے کسی زبان کے ذخیرۂ الفاظ پر کیا اثر پڑتا ہے۔ یہ علم کسی زبان میں ہونے والی لغوی تبدیلیوں کی خبر دیتا ہے۲۷۔ ذخیرۂ الفاظ پر نظر رکھنے اور اس میں تبدیلی پر غور کرنے کی وجہ سے علم التسمیہ بھی گویا علم لغت کا حصہ بن گیا ہے۔

☆ لغوی معنیات (lexical semantics) اور لغویہ (lexeme)

علمِ لغت اور لغت نویسی میں لغوی معنیات کا کردار اہم ہے۔ یہاں لغوی معنیات کا ابتدائی تعارف ہی ممکن ہے کیونکہ یہ بذاتِ خود ایک الگ مقالے کا موضوع ہے۔

علمِ لسانیات کی ایک شاخ معنیات (semantics) ہے اور معنیات کی ایک ذیلی شاخ لغوی معنیات ہے۔ لغوی معنیات لغوی اکائیوں (lexical units) کا مطالعہ اور تجزیہ کرتی ہے۔ لغوی اکائی صرف لفظ (word) ہی نہیں ہے بلکہ لفظ سے بڑی اکائیاں مثلاً مرکبات (compounds) اور فقرے (phrases) بھی اس تجزیے میں شامل ہوتے ہیں اور لفظ سے چھوٹی اکائیاں مثلاً

سابقے (prefixes)، لاحقے (suffixes) بلکہ صرفیے یا مارفیم (morpheme) بھی اس مطالعے اور تجزیے میں شامل ہوتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کوئی لغویہ یا لیکسیم (lexeme) یا اس کا کوئی حصہ اس مطالعے اور تجزیے میں شامل ہو سکتا ہے۔ ان لغوی اکائیوں کے مفہوم، باہمی تعامل، ساخت اور استعمال کا تجزیہ لغوی معنیات کا اہم حصہ ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لغویہ یا لیکسیم کی بھی مختصراً وضاحت کر دی جائے تاکہ علم لغت اور لغوی معنیات کے بنیادی مباحث کو سمجھنے میں آسانی ہو۲۸۔

لغویہ یا لیکسیم (lexeme) بامعنی لفظ کو کہتے ہیں۔ یہ ایسا بامعنی لفظ ہوتا ہے جس کی کوئی تصریف (inflexion) نہ ہوئی ہو اور یہ اپنی انفرادی یا ابتدائی صورت میں ہو۔ مثلاً ''لڑکی'' ایک بامعنی لفظ ہے اور اس کی تصریفی صورتیں ''لڑکیاں'' اور ''لڑکیوں'' ہو سکتی ہیں۔ لیکن لغت میں صرف لفظ ''لڑکی'' کو بطور اندراج یا مفرد راس لفظ (headword) شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس بات کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر بامعنی لفظ لغت میں اندراج کے قابل نہیں ہوتا۔ مثلاً لفظ ''لڑکی'' تو لغت میں درج ہوگا لیکن ''لڑکیاں'' یا ''لڑکیوں'' لغت میں بطور اندراج نہیں آ سکتے حالانکہ یہ بہر حال بامعنی لفظ ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ الفاظ دراصل لفظ ''لڑکی'' کی تصریفی (inflexional) شکلیں ہیں۔ لہٰذا لڑکی تو لغویہ یعنی لیکسیم (lexeme) ہے اور اردو لغت میں اس کا اندراج ہوتا ہے لیکن ''لڑکیاں'' (یا ''لڑکیوں'') لغویہ نہیں ہے اور اس کا لغت میں کوئی کام نہیں اگرچہ یہ ایک بامعنی لفظ ہے۔ اردو سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ لفظ لڑکی کی جمع اور جمع کی محرف حالت کیا ہوتی ہے۔ ہاں اگر کسی لفظ کی جمع عام قاعدے کے خلاف بنتی ہے تو اس کا اندراج لغت میں کرنا پڑے گا۔ جیسے لفظ ''کتاب'' لغت میں بطور راس لفظ کے درج ہوگا اور اس کی تشریح کی جائے گی لیکن لفظ ''کتابیں'' لغت میں بطور اندراج لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ کتاب کی جمع بقاعدۂ اردو ہے۔ اس طرح ''کتابوں'' اس جمع کی محرف یا مغیرہ شکل ہے گویا دونوں اصل لفظ ''کتاب'' کی تصریفی حالتیں ہیں۔ البتہ ''کتب'' کو بطور ایک لفظ کے اردو لغت میں درج کرنا ہوگا کیونکہ یہ کتاب کی عربی جمع ہے اور اردو کے تصریفی قاعدوں یا جمع کے قاعدوں کے مطابق نہیں ہے۔ لفظ کتب کا استعمال اردو میں عام ہے اور کسی ناواقف کو اسے لغت میں دیکھنے کی

ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اس کی مثال یوں لے لیں کہ انگریزی میں لفظ boy تو بطور راس لغط لکھا جائے گا کہ یہ لغویہ ہے۔ لیکن boys نہیں لکھا جائے گا۔ لفظ index انگریزی لغت میں درج ہوگا البتہ اس کی جمع دو طرح سے بنتی ہے ایک indexes اور دوسری indices اور اس لیے یا تو indices کو بھی لغویہ مان کر اس کا الگ سے اندراج ہوگا یا کم از کم لفظ index کے آگے قوسین میں وضاحت کرنی پڑے گی کہ اس کی جمع خلافِ قاعدہ یوں بھی بنتی ہے کیونکہ یہ لاطینی زبان کا لفظ ہے، انگریزی میں لاطینی سے آیا اور لاطینی اور انگریزی میں اس کی جمع الگ الگ طریقوں سے بن سکتی ہے اور دونوں انگریزی میں رائج ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح ''کتاب'' عربی کا لفظ ہے اور اردو میں کی جمع کتب اور کتابیں دونوں رائج ہیں۔

اسی طرح بعض انگریزی لغات جو مبتدیوں کے لیے لکھی جاتی ہیں کسی لفظ کا اندراج کرکے معنی درج کرنے سے پہلے اس کی تصریفی حالتیں قوسین میں دے دیتی ہیں، بالخصوص جب یہ حالتیں عموی رواج یا قاعدے سے ہٹ کر ہوں جیسے formula (فارمولا) کی جمع formulae یا grind (بمعنی پیسنا) کا ماضی ground ۔ کنسائز اوکسفرڈ انگلش ڈکشنری نے grind کے اندراج کے بعد وضاحت کی ہے کہ اس کا ماضی ground ہے۔ پھر gournd کا اندراج دوبارہ کیا ہے، پہلے اس پر ایک نمبر لکھ کر اس کے معنی بطور اسم دیئے ہیں (یعنی میدان وغیرہ)، پھر اس کے دوسرے اندراج پر ۲ کا عدد لکھ کر بتایا ہے کہ یہ grind کا ماضی ہے۔ لیکن ایسے معاملات میں یہ بڑی حد تک لغت نویس پر منحصر ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ کے لیکسیم یا لغویہ نہ ہونے کے باوجود ان کے بارے میں کیا فیصلہ کرتا ہے یعنی ان کا الگ سے اندراج کیا جائے یا قوسین ہی میں وضاحت کافی ہے۔ ایسے مواقع پر احتیاطاً ان الفاظ کو بھی الگ راس لفظ کے طور پر درج کر دینا چاہیے کیونکہ لغت بالعموم وہی شخص دیکھتا ہے جسے رہنمائی درکار ہوتی ہے اور اگر وہ لفظ کی خلافِ قاعدہ تصریفی شکلوں (یا بسا اوقات مختلف املاؤں) سے واقف نہیں ہے تو اس کے لیے لغت میں لفظ تلاش کرنا ناممکن ہو جائے گا اور لغت اس لفظ کی حد تک تو اس کے لیے بے کار ہی ٹھہرے گی۔

جس لغویے یعنی لیکسیم کو بطور ''اندراج'' یا راس لفظ یا ہیڈ ورڈ (headword) لغت میں درج کیا جائے اسے انگریزی میں lemma بھی کہتے ہیں۔ اگرچہ ''لیما'' کا مطلب لغت میں کیا گیا

اندراج یا اینٹری (entry) یعنی راس لفظ (headword) ہی ہے لیکن جب کسی اندراج کے تحت میں کسی مرکب کو (یا ایک سے زیادہ الفاظ پر مبنی اندراج کو، مثلاً محاورہ یا مرکبِ توصیفی یا مرکبِ اضافی) ذیلی اندراج کے طور پر شامل کیا جاتا ہے تو اسے راس لفظ (headword) کہنا عجیب سا لگتا ہے کیونکہ وہ ایک لفظ نہیں ہوتا بلکہ ایک سے زیادہ الفاظ پر مبنی ہوتا ہے۲۹۔

الفاظ کے مفہوم میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ کسی لفظ کا جو مفہوم آج ہے ضروری نہیں کہ دوسو سال پہلے بھی یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہو۔ اسی طرح ممکن ہے اس کے معنی اگلے چند برسوں میں مزید بدل جائیں یا کوئی نیا مفہوم اس کا پیدا ہو جائے۔ یعنی لفظ معنی بدلتے رہتے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک لفظ کے کئی مفہوم ہوتے ہیں ان میں سے کچھ صدیوں بعد بھی رائج رہتے ہیں اور بعض مفہوم متروک ہو جاتے ہیں۔ لغت نویس کا کام ان تبدیلیوں کو ریکارڈ کرنا بھی ہے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو لغات پیچھے رہ جائیں اور زبان آگے بڑھ جائے اور رفتہ رفتہ پرانی تمام لغات ناکارہ ہو جائیں۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی علم یا فن کی کوئی اصطلاح عام ہو جاتی ہے مثلاً قانون یا طب کی اصطلاحیں لوگوں کی زبان پر چڑھ جاتی ہیں اور اخبارات، رسائل اور ادبی متون میں بھی آجاتی ہیں۔ ان کو ریکارڈ کرنا اور ان کے مفہوم کو بیان کرنا بھی لغت نویس کی ذمے داری ہے ورنہ زبان کے ذریعے خیالات کی بامعنی ترسیل ممکن نہ رہے۔ بقول رابرٹ ہیکس کے یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ لغت نویس معنوں میں ہونے والی ان تبدیلیوں کو اپنی لغات میں ریکارڈ کرتے رہے۳۰۔ سیموئیل جانسن نے اپنی لغت میں مختلف ادوار سے مثالیہ جملے دے کر معنی میں ہونے والی ان تبدیلیوں کو محفوظ کیا۔ اور اب انگریزی کی لغات کورپس (corpus) سے بنتی ہیں اور کورپس الفاظ کے حقیقی استعمال اور معنوں میں ہونے والی تبدیلیوں کو محفوظ کرتے رہتے ہیں۔ آج بھی انگریزی کی اہم ترین لغات مثلاً اوکسفرڈ انگلش ڈکشنری (Oxford English Dictionary) اور ویبسٹرز اَن ایبرجڈ ڈکشنری (Webster's Unabridged Dictionary) الفاظ کے زندگی میں حقیقی استعمال اور ان کے معنوں میں تبدیلی کی بنیاد پر استوار ہو رہی ہیں۳۱۔

حواشی

۱۔ گریگری جیمز، Lexicographers and their works,(Greogry James) ، ص viii۔

۲۔ ہاورڈ جیکسن، Words, meanings and vocabulary,(Howard jackson) ص ا۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ لیون ہارڈ لپکا، English lexicology ,(Leonhard Lipka) ، ص xvi

۵۔ Dictionary of lexicography، ص ۸۶۔

۶۔ لپکا، محولہ بالا۔

۷۔ تفصیلات: ہاورڈ جیکسن، محولہ بالا، ص ا۔

۸۔ Concise Oxford English Dictionary؛ نیز آر آر کے ہارٹ مین، Dictionary of lexicography (R.R.K.Hartmann)، ص ۱۵۴۔

۹۔ Concise Oxford English Dictionary

۱۰۔ ہارٹ مین Dictionary of lexicography، ص ۸۶۔

۱۱۔ جیکسن، محولہ بالا، ص ا۔

۱۲۔ Concise Oxford English Dictionary

۱۳۔ جیکسن، محولہ بالا، ص ا۔

۱۴۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: سائمن ونچسٹر، The meaning (Simon Winchester) of everything، باب ۵ اور ۶۔

۱۵۔ جیکسن، محولہ بالا، ص ۲۔

۱۶۔ لپکا، محولہ بالا، ص ۹۔

۱۷۔ Concise Oxford English Dictionary

۱۸۔ جیکسن، محولہ بالا، ص ۸۔

۱۹۔ لپکا، محولہ بالا، ص xvi

۲۰۔ جیکسن، محولہ بالا، ص ۸۔

۲۱۔ ہارٹ مین، محولہ بالا، ص ۸۶۔

۲۲۔ ایضاً۔

۲۳۔ جیکسن، محولہ بالا، ص ۸۔

۲۴۔ رامیو انتلا، (Ramio Anttila)، Historical and comparative linguistics، ص ۱۳۴۔

۲۵۔ P.H.Methews، Oxford concise dictionary of linguistics، ص ۲۵۶۔

۲۶۔ لیکا، محولہ بالا، ص x

۲۷۔ ڈرک جیرارٹس، (Dirk Geeraerts)، Diachronic prototype semantics، ص ۹۵۔۹۳۔

۲۸۔ لیکسیم یا لغویہ کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: میتھیوز، پی ایچ، Oxford concise dictionary of linguistics,(P.H.Methews)، ص ۲۰۴؛ ڈیوڈ کرسٹل، (DavidCrystal)، The Penguin dictionary of language، ص ۱۹۶؛ رابرٹ بیرڈ، (Robert Beard)، Lexeme-based morphology؛ نیز مارک ارنوف، (Mark Arnoff)، Morphology now

۲۹۔ لیما (lemma) سے متعلق مزید تفصیلات اور اس طرح کے اندراجات کے لیے ملاحظہ ہو: بو سونسن، (Bo Svensen)، A handbook of lexicography، پانچواں باب۔

۳۰۔ رابرٹ اے ہپکس، (Robert A. Hipkiss)، Semantics: defining the discipline، ص xii

۳۱۔ ایضاً۔

مآخذ:

۱۔ ایم اے کے ہالیڈے اور کولن یلپ (M.A.K.Halliday & Colin Yallop)، Lexicology: a short introduction، کنٹینیم، ۲۰۰۷ء، لندن

۲۔ بو سونسن، (Bo Svensen)، A handbook of lexicography: the theory and practice of dictionary-making، کیمبرج یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۹ء۔

۳۔ پی ایچ میتھیوز (P.H.Methews)، Oxford concise dictionary of

linguistics، اوکسفرڈ، ۱۹۹۷ء۔

۴۔ ڈرک جیرارٹس، (Dirk Geeraerts)، Diachronic prototype semantics: A contribution to historical lexicology، کلیرنڈن پریس، اوکسفرڈ، ۱۹۹۷ء۔

۵۔ ڈیوڈ کرسٹل، (David Crystal)، The Penguin dictionary of language، پینگوین، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۹۹ء۔

۶۔ رابرٹ اے ہپکس، (Robert A Hipkiss)، Semantics: defining the discipline، روٹلج، نیو یارک، ۱۹۹۵ء۔

۷۔ رابرٹ بیرڈ، (Robert Beard) Lexeme-Morpheme base morphology، نیو یارک، اسٹیٹ یونی ورسٹی اوف نیو یارک، ۱۹۹۵ء۔

۸۔ رامیو انٹلا، (Ramio Anttila)، Historical and comparative linguistics، جان بنجمن پبلشنگ، فلیڈیلفیا، ۱۹۸۹ء۔

۹۔ سائمن ونچسٹر، (Simon Winchestor)، The meaning of everything: اوکسفرڈ، ۲۰۰۳ء۔

۱۰۔ گریگری جیمز، (Gregory James)، Lexicographers and their works، یونیورسٹی اوف ایکسٹر (انگلستان)، ۱۹۸۹ء۔

۱۱۔ لیون ہارڈ لپکا، (Leonhard Lipka) English lexicology: lexical structures, word semantics and word formation، مطبوعہ گنٹر نار تبجن (جرمنی)، ۲۰۰۲ء۔

۱۲۔ ہاورڈ جیکسن، اور ایٹینے زے ایمویلا، (Howard & Etienne Zé Amvela)، Jackson، Words, meanings and vocabulary: an introduction to English lexicology، مطبوعہ کنٹینیم، لندن، طبع نو، ۲۰۰۴ء۔

حوالہ جاتی کتب

Concise Oxford English Dictionary، اوکسفرڈ، گیارھواں ایڈیشن، ۲۰۰۶ء۔

تاریخی لغت نویسی اور تاریخی اصول: پس منظر اور بنیاد

(اوکسفرڈ کی لغتِ کلاں اور اردو لغت بورڈ کی لغت کے تناظر میں)

اردو لغت بورڈ کی بائیس (۲۲) جلدوں پر مبنی "اردو لغت (تاریخی اصول پر)" کی تکمیل کے بعد ضروری ہے کہ اس پر تحقیق وتنقید کے ذریعے اس میں اضافے اور ترامیم کی جائیں تاکہ اس کے نئے ایڈیشن کو بہتر سے بہتر بنایا جاسکے۔

تاریخی اصولوں پر لکھی گئی لغت کے اصول اور مسائل پر کچھ عرض کرنے سے قبل اس امر کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ تاریخی اصولوں کی لغت نویسی ہے کیا۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اردو میں تاریخی لغت نویسی کے اصولوں کے بارے میں بہت ہی کم لکھا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اردو میں تاریخی اصولوں پر لکھی گئی واحد لغت، یعنی اردو لغت بورڈ کی لغت "اردو لغت (تاریخی اصول پر)"، پر جن اہلِ قلم واہلِ علم نے اظہارِ خیال کیا ہے (بلکہ اسے شدید نکتہ چینی کا نشانہ بنایا ہے) بصد ادب اور بصد معذرت عرض ہے کہ ان میں سے بھی بعض کو یہ علم نہیں ہے کہ تاریخی اصولوں کی لغت نویسی ہوتی کیا ہے اور اس کے اصول ہیں کیا۔ اس لاعلمی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اردو میں علمِ لغت (lexicology) کے موضوع پر شاید ہی کچھ لکھا گیا ہو اور لغت نویسی (lexicography) اور اصولِ لغت پر جو کچھ لکھا بھی گیا ہے اس میں سے بیشتر عمومی اور نظری ہے، اس میں تکنیکی یا عملی پہلو بہت کم ہیں۔ دوسرے یہ بھی ہے کہ اردو میں لغت نویسی اور اس کے متعلقات پر لکھنے والوں میں سے کم ہی ہیں جو خود لغت نویس ہوں اور باقاعدہ، عملی طور پر لغت نویسی کے کام سے منسلک رہے ہوں۔ لغت نویسی کے تاریخی اصول کی وضاحت کی زحمت بھی اردو لغت بورڈ کی لغت پر تنقید کرنے والے کسی نقاد نے نہیں کی۔ نتیجہ یہ کہ بورڈ کی لغت کے اصول سمجھے بغیر اس پر کی گئی تنقید کا

خاصا حصہ غلط اور غیر متعلق ہے۔

اس مقالے کا مقصد تاریخی لغات کی تعریف پیش کرنے کے ساتھ، تاریخی اصول کی لغت نویسی کی بنیادوں کی وضاحت اور اس اصول کی تشکیل کے پس منظر کا جائزہ لینا بھی ہے۔ اس مقالے میں اوکسفرڈ کی تاریخی اصولوں پر لکھی گئی شہرۂ آفاق لغتِ کلاں کا پس منظر بھی بیان کیا گیا ہے کیونکہ اردو لغت بورڈ کی لغت انہی خطوط پر مرتب کی گئی ہے جن پر اوکسفرڈ کی انگریزی لغتِ کلاں کی تدوین ہوئی۔ یہاں اسی ضمن میں کچھ انگریزی لغت نویسی کی تاریخ بھی بیان کی گئی ہے۔

تاریخی اصول کی وضاحت کے لیے اس مقالے میں لغت کی اقسام اور لغت کی ساخت کبیر اور ساختِ صغیر کا بھی کچھ ذکر ہے۔

☆لغت کی ساختِ کبیر اور ساختِ صغیر

لغت یا ڈکشنری (dictionary) کی ساخت کو بنیادی طور پر دو طرح دیکھا جاتا ہے، کبیر اور صغیر۔

لغت کی ساختِ کبیر یا میکرواسٹرکچر (macrostructure) سے مراد ہے لغت میں الفاظ کی تعداد اور ترتیب۔ یعنی یہ امر کہ لغت میں کتنے اور کون کون سے الفاظ کس ترتیب سے شامل ہیں اس کی ساختِ کبیر ہے [۱]۔ اس ساخت کی عمومی صورت الف بائی (alphabetical) ترتیب ہوتی ہے، اگرچہ یہ کسی اور طرح بھی ہوسکتی ہے، مثلاً یہ ممکن ہے کہ لغت کے اندراجات کو حروفِ تہجی کی ترتیب کی بجائے موضوعات کے لحاظ سے مرتب کیا جائے، یا تاریخی استعمال کے لحاظ سے (سن وار یا ادوار کے لحاظ سے) ترتیب دیا جائے یا استعمال کی کثرت کے لحاظ سے، جسے تعددِ استعمال (frequency) بھی کہا جاتا ہے [۲]۔

معجم یعنی تھیسارس (thesaurus) میں اور موضوعاتی لغات میں اندراجات بنیادی طور پر حروفِ تہجی کی ترتیب سے نہیں ہوتے بلکہ انھیں موضوعات کے لحاظ سے مرتب کیا جاتا ہے۔ یہ بنیادی ترتیب ہوتی ہے گو اس میں اور تھیسارس میں بھی بنیادی ترتیب کے بعد الفاظ الف بائی ترتیب ہی سے درج کیے جاتے ہیں۔ اس کی مثال میں ''اردو تھیسارس'' (مرتبہ رفیق خاور، مطبوعہ مقتدرہ قومی زبان) دیکھا جاسکتا ہے جو انگریزی کے مشہور تھیسارس Roget's thesaurus

کا ایک طرح سے ترجمہ ہے۔ اسی طرح لغت کے اندراجات کی تعداد بھی ساختِ کبیر کا حصہ سمجھی جاتی ہے۔ بعض لغات کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے اور وہ ایک لاکھ تک اندراجات پیش کرتی ہیں، بعض چھوٹی لغات (مثلاً طالب علموں کے لیے مرتب کی گئی لغات) کا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہوتا اور وہ بیس تیس ہزار الفاظ کے اندراج کو کافی خیال کرتی ہیں۔ یہ ترتیب اور یہ تعداد ہی ساختِ کبیر ہے۔

گویا لغت کا بنیادی یا مرکزی جزو جو الفاظ یا مرکبات کی فہرست پر مشتمل ہوتا ہے (اور جسے اندراجات یا راس الفاظ یعنی ہیڈ ورڈز (headwords) کی فہرست بھی کہا جاتا ہے) مجموعی طور پر لغت کی ساختِ کبیر کہلاتا ہے۔

جبکہ لغت کی ساختِ صغیر یا مائکرو اسٹرکچر (microstructure) سے مراد ہے لغت کے اندراجات کے بارے میں تفصیلی معلومات اور ان کو پیش کرنے کا انداز[۳]۔ یعنی لغت میں درج الفاظ و مرکبات وغیرہ کی تشریح، تلفظ، مختلف معنی اور ان کی شقیں، لفظ کے مختلف املے، قواعدی حیثیت، استعمال، مثالیہ جملے یا اشعار، اشتقاق، ماخذ زبان وغیرہ کی پیش کش۔ آیا یہ سب لغت میں ہوں گے یا ان میں سے کچھ ہوں گے، اور جو ہوں گے وہ کتنی تفصیل سے یا کس انداز سے ہوں گے (مثلاً بعض لغات اشتقاق یا ماخذ زبان کی نشان دہی نہیں کرتیں، بعض سرسری اور بعض تفصیل سے کرتی ہیں)، تلفظ کی وضاحت کس طرح ہوگی، ان تمام امور کا فیصلہ لغت کی ساختِ صغیر کو طے کرتا ہے۔ بوسیونسن کے مطابق بعض ماہرین نے بنیادی اندراج یا راس لفظ (headword) کو بھی ساختِ صغیر کی تعریف میں شامل کرلیا ہے لیکن اس کے بقول یہ تعریف زیادہ عام نہیں ہے۔ غالباً درست بھی نہیں ہے۔

بعض قاری لغت کی ساختِ صغیر کو آسانی سے نہیں سمجھ پاتے اور ان کی رہ نمائی کے لیے لغت کے آغاز میں مختلف جدول یا نقشے دیے جاتے ہیں جن میں وضاحت سے بتایا جاتا ہے کہ لغت کی ساختِ صغیر میں سے کون سے جزو کے بارے میں کتنی معلومات دی گئی ہیں اور ان تک رسائی کیسے ہوگی۔ مثلاً مخففات کی فہرست دی جاتی ہے، علامات اور اشارات کی وضاحت کی جاتی ہے اور انگریزی کی بعض لغات تو لغت کا ایک صفحہ نمونے کے طور پر آغاز میں دے کر اس پر مختلف عنوانات کی چیپیاں (labels) اور تیر کے رہ نما نشان اور لکیریں بنا کر قاری کے لیے سہولت پیدا کرتی ہیں کہ وہ لغت کی ساختِ صغیر کو سمجھنے میں آسانی محسوس کریں اور کسی مخصوص قسم کی معلومات کی تلاش فوری

طور پر کی جا سکے۔

گویا الفاظ کے اندراجات اور تعداد و ترتیب کا معاملہ ساختِ کبیر اور اس کے بعد لغت کا بقیہ حصہ یعنی الفاظ کی تشریح، تلفظ اور دیگر تفصیلات ساختِ صغیر میں شامل ہیں۔

☆لغت نویسی کی اقسام اور تاریخی لغت

لغت کی قِسمیات یعنی ٹائپولوجی (typology) کو دیکھا جائے تو لغات کی تقسیم وقت اور زمانے کے لحاظ سے بھی کی جاتی ہے۔ بو سیونسن (Bo Svensen) نے وقت کی بنیاد پر لغت کی قسمیں بیان کی ہیں۔ اس کے مطابق لغت یک زمانی (synchronic)، دوزمانی (diachronic)، تاریخی (historical) اور ہم عصر (contemporary) ہو سکتی ہے۔ یک زمانی لغت میں کسی مخصوص یا محدود مدت کے دوران میں کسی زبان کی حالت بیان کی جاتی ہے۔ دوزمانی لغت میں زبان کے مطالعے کی مدت طویل تر ہوتی ہے۔ تاریخی لغت کسی قدیم زمانے کی زبان کا حال بیان کرتی ہے۔ ہم عصر لغت میں معاصر اور زبان اور الفاظ کا احاطہ کیا جاتا ہے[۵]۔ بو سیونسن (Bo Svenson) نے ان اقسام کو ملا کر لغت کی مزید چار اقسام بیان کی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ یک زمانی تاریخی لغت (synchronic historical dictionary)

اس قسم کی لغت میں ماضی کے کسی خاص دور میں زبان کی حالت ریکارڈ کی جاتی ہے، مثلاً چودھویں صدی کے کسی ادیب کی زبان کی لغت[۶]۔ جیسے ہمارے ہاں بعض پرانے شعرا کے کلام کی فرہنگیں بنائی گئی ہیں، مثلاً فرہنگِ نظیر اکبر آبادی یا فرہنگِ کلامِ میر۔

۲۔ دوزمانی تاریخی لغت (diachronic historical dictionary)

اس لغت میں کسی وسیع تر یا طویل دور میں زبان کا ارتقا بیان ہوتا ہے، مثلاً قرونِ وسطیٰ سے حصۂ آخر کو ایک لسانی دور مان کر اس پورے دور کی زبان کی لغت[۷]۔ ہمارے ہاں اس طرح کی چند ایک لغات بنی ہیں، گو ان میں کچھ کمیاں ہیں، جیسے قدیم اردو کی لغت (از جمیل جالبی)، اردو کے خوابیدہ الفاظ (مرتبہ اردو سائنس بورڈ) اور اٹھارھویں صدی کی اردو شاعری کی فرہنگ (از ذکاالدین شایان)۔

۳۔ یک زمانی ہم عصر لغت (synchronic contemporary dictionary)

یہ اپنے دور کی زبان کا بیان کرتی ہے۔ یہ لغت کی سب سے عام قسم ہے اور جب ایک عام آدمی لفظ لغت یا ڈکشنری سنتا ہے تو اس کے ذہن میں جو مفہوم آتا ہے اس پر "یک زمانی ہم عصر لغت" ہی کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ عمومی یک زبانی لغات اسی قسم کے تحت آتی ہیں ۸۔ تاہم عملاً دیکھا جائے تو کوئی بھی عمومی یک زبانی لغت سو فی صد "یک زمانی ہم عصر لغت" نہیں ہوتی اور نہ ہوسکتی ہے کیونکہ کسی بھی زمانے میں لغت سے استفادہ کرنے والوں میں اس زبان کے جاننے والوں کی کم از کم تین نسلیں موجود ہوتی ہیں اور وہ سب مکمل طور پر "ہم عصر" نہیں ہوتے اور ان کی زبان، ذخیرۂ الفاظ اور محاورات میں بہر حال کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔ گویا ہر زمانے کی زبان میں دو تین زمانے جھلک رہے ہوتے ہیں، ثانیاً، عمومی لغات میں ان الفاظ کا اندراج بھی کرنا پڑتا ہے جو قدیم ادب میں استعمال ہوئے ہوں اور چاہے عام استعمال میں نہ ہوں لیکن بعض پڑھنے والے ان کے معنی جاننے کے متمنی رہتے ہیں ۹۔ لہٰذا کوئی بھی یک زمانی ہم عصر لغت قدیم زمانے کے الفاظ سے بے نیاز نہیں رہ سکتی۔ اس کی مثال میں ہمارے ہاں علمی اردو لغت، فیروز اللغات اور نسیم اللغات وغیرہ کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ دو زمانی تاریخی ہم عصر لغت (diachronic historical-contemporary dictionary)

اس لغت میں نہ صرف کسی زبان کا مختلف ادوار میں ارتقا دکھایا جاتا ہے بلکہ یہ اس ارتقا کو اپنے دور کی زبان تک لے آتی ہے۔ گویا یہ تاریخ کے ہر دور کی زبان کا بیان ہے اور خود اپنے زمانے کی زبان کا بھی۔ لہٰذا یہ تاریخی بھی ہے، دو زمانی بھی اور ہم عصر بھی۔ عرفِ عام میں اسی کو تاریخی لغت کہتے ہیں ۱۰۔ انگریزی میں اس کی مثال اوکسفرڈ کی بڑی لغت یا لغتِ کلاں یعنی اوکسفرڈ انگلش ڈکشنری (Oxford English Dictionary) ہے جو عرفِ عام میں مختصراً "او ای ڈی" (OED) کہلاتی ہے۔ اس میں انگریزی زبان کا ہر لفظ اور ہر دور کی انگریزی زبان کا لفظ ہے، چاہے متروک ہو یا رائج، شاذ ہو یا قدیم (کم از کم ہدف یہی تھا کہ اس میں انگریزی کا ہر لفظ ہوگا جیسا کہ اردو لغت بورڈ کی لغت کا بھی بنیادی مقصد یہی تھا کہ اس میں اردو کا ہر لفظ ہوگا)۔

جرمن زبان میں بھی ایک ایسی لغت ہے جس کا نام بو بیولسن نے یوں دیا ہے:

Grimm's Deutsche Worterbuch, Tresor de la langue francaise, etc. [۱۱]

اردو میں دوزمانی تاریخی ہم عصر لغت یا تاریخی لغت کی مثال اردو لغت بورڈ کی بائیس جلدوں پر محیط ''اردو لغت (تاریخی اصول پر)'' ہے۔

☆ تاریخی لغت نویسی (historical lexicography)

تاریخی لغت نویسی (historical lexicography) کا کام تاریخی اصولوں پر لغت کی تدوین ہے۔ تاریخی اصولوں پر لکھی گئی لغت کو ''تاریخی لغت'' (histroical dictionary) بھی کہتے ہیں [۱۲]۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا تاریخی لغت دراصل ''دوزمانی تاریخی ہم عصر لغت'' ہوتی ہے۔ تاریخی اصولوں پر لکھی گئی لغت میں کسی زبان کے ذخیرۂ الفاظ کو تمام تاریخی ادوار اور زمانی تناظر میں اور تسلسل میں دیکھا جاتا ہے۔ ایسی لغات کا بنیادی کام کسی لفظ کی تاریخ کو اس نظر سے دیکھنا ہوتا ہے کہ اس لفظ (یا مرکب) کا اولین استعمال زبان میں کب شروع ہوا، اس کے معنی میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں اور ممکنہ طور پر اس کے مختلف املا بھی مدنظر رکھے جاتے ہیں۔

تاریخی لغات کسی خاص زمانے میں زبان کا ارتقا بھی بیان کرتی ہیں، ان میں قدیم اور متروک الفاظ بھی درج کیے جاتے ہیں اور وہ ہر لفظ (جس کا اندراج بطور راس لفظ یعنی ہیڈ ورڈ (headword) ہوتا ہے) کی تاریخ کے بارے میں بھی معلومات فراہم کرتی ہیں [۱۳]۔ جبکہ یک زمانی ہم عصر لغات صرف الفاظ کی تشریح کرتی ہیں اور وہ بھی کسی خاص یا مقررہ زمانے کی حد تک۔ اور یہ زمانہ بالعموم عصر حاضر ہی ہوتا ہے اگرچہ انھیں پچھلے کچھ ادوار میں رائج الفاظ بھی درج کرنے پڑتے ہیں [۱۴]۔ لیکن شاید ہی کوئی ہم عصر یک زمانی لغت صحیح معنوں میں ''یک زمانی'' ہو سکتی ہے، مثلاً انھیں وہ الفاظ مع معنی بھی درج کرنے پڑتے ہیں جو معاشرے میں مقبول قدیم ادب میں پائے جاتے ہیں، جیسے شیکسپیئر کے ڈراموں کے کئی الفاظ آج کی انگریزی لغات میں موجود ہیں اگرچہ وہ سترھویں صدی عیسوی کے ہیں اور آج شاذ و نادر ہی استعمال کیے جاتے ہیں [۱۵]۔

عمومی لغات (general dictionaries) تاریخ کے لیے خاص قسم کی معلومات فراہم نہیں

ہیں اور قارئین کے کسی خاص حلقے کو ذہن میں رکھ کر مرتب کی جاتی ہیں، مثلاً ذخیرۂ الفاظ کی مخصوص حد بندی یا محدود تعداد (جیسے درسی لغت)، تلفظ کی وضاحت کا طریقہ، لفظوں کی اصل یا اشتقاق (etymology) وغیرہ کی تفصیل یا اختصار۔ عمومی لغات بالعموم یک لسانی ہوتی ہیں، گو یہ دو لسانی بھی ہو سکتی ہیں (جیسا کہ اوکسفرڈ کی عمومی لغت کنسائز انگلش ڈکشنری (Oxford Concise English Dictionry) کا ''ترجمہ'' شان الحق حقی صاحب نے اردو میں کیا)۔ عمومی لغات میں زیادہ زور لفظوں کے رائج معنوں پر ہوتا ہے اور اس میں ایسے الفاظ بالعموم درج نہیں کیے جاتے جو بالکل متروک یا بہت قدیم ہوں یا شاذ و نادر ہی استعمال ہوتے ہوں۔

لیکن تاریخی لغات (یعنی دوزمانی تاریخی ہم عصر لغات) میں بالکل متروک، بہت قدیم اور شاذ و نادر الفاظ بھی شامل ہوتے ہیں اور ان کے متروک معنی، شاذ معنی، تکنیکی یا اصطلاحی معنی، مختلف ادوار میں بدلتے ہوئے معنی اور جدید معنی بھی درج ہوتے ہیں۔ تاریخی لغات کی تدوین و ترتیب کا آغاز دراصل تقابلی اور تاریخی لسانیات کے زیرِ اثر ہوا اور ان میں لفظ کے معنوں میں تبدیلی کو بھی محفوظ کیا جاتا ہے۔ یہ ایک طرح سے ''لفظ کی سوانح عمری'' بھی ہوتی ہے کہ تاریخ کے کس دور میں کس لفظ کے کیا معنی رہے ہیں[۱۶]۔ تاریخی لغت دوزمانی بھی ہے اور ہم عصر بھی لہٰذا اس میں جدید الفاظ و اصطلاحات یا پرانے اور رائج الفاظ کے نئے معنی اور نئے محاورات بھی شامل ہوتے ہیں۔

تاریخی لغت نویسی ایک پیچیدہ عمل ہے۔ اس میں بنیادی طور پر تاریخی اصول کو مدِنظر رکھنا ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم پہلے دیکھتے ہیں کہ تاریخی اصول ہے کیا۔

☆ تاریخی اصول اور اوکسفرڈ کی لغتِ کلاں

''تاریخی اصول'' کو انگریزی میں historical principle کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کے لیے پہلے philological principle کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی تھی۔ اردو میں فلولوجی (philology) کا لفظ کسی زمانے میں لسانیات کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا اور اردو میں اس کا ترجمہ علم اللسان بھی کیا جاتا تھا۔ لیکن موجودہ دور میں فلولوجی ایک طرح سے لسانیات (linguistics) کی شاخ ہے جس کا تعلق تقابلی و تاریخی لسانیات سے ہے۔

تاریخی اصول سے کیا مراد ہے، اس کا آغاز کیسے اور کب ہوا اور کس نے کیا؟ چونکہ اوکسفرڈ کی

عظیم لغت تاریخی اصولوں پر مرتب کی گئی اور اس اصول کا اطلاق پہلے وہیں ہوا لہٰذا مختصراً یہ دیکھا جائے کہ اوکسفرڈ کی لغتِ کلاں کیا ہے، اس کا کیا پس منظر ہے اور یہ اصول کیسے بنا اور کیسے اس کا اطلاق ہوا۔ اس ضمن میں ایک اہم ماخذ سائمن ونچسٹر (Simon Winchester) کی کتاب The meaning of everything ہے۔ یہ دراصل اوکسفرڈ کی اس عظیم و ضخیم لغت کی تاریخ ہے۔ اوکسفرڈ کی چھوٹی بڑی دیگر لغات سے قطع نظر اس کی بڑی یا کلاں لغت ایک طویل عرصے کی محنت اور صرفے سے تیار ہوئی۔

اوکسفرڈ کی یہ بڑی لغت یا لغتِ کلاں نہ صرف دنیائے لغت نویسی میں ایک عظیم کارنامہ سمجھی جاتی ہے بلکہ اسی کو دیکھ کر اردو لغت بورڈ کی تاریخی اصولوں پر مبنی لغت کا ڈول ڈالا گیا۔ خود اوکسفرڈ کی لغت کے لیے معیار اس سے پہلے لکھی ہوئی بعض لغات بنیں، بالخصوص چارلس رچرڈسن (Charles Richardson) کی لغت، جن کا ذکر اس مقالے میں آگے آ رہا ہے۔

ونچسٹر نے انگریزی لغت نویسی کی تاریخ بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ مختلف لغت نویس انگریزی کے پورے ذخیرۂ الفاظ کو اپنی لغت میں مکمل طور پر سمونے کا خواب دیکھتے رہے۔ مختصراً یہ کہ ایک کے بعد ایک لغت آتی گئی جو پہلے سے زیادہ اندراجات پر مبنی ہوتی تھی ۱۷۔ لیکن یہ سیموئیل جانسن (Samuel Johnson) ہی تھا جس کی ۱۷۵۵ء میں شائع ہونے والی دو جلدوں پر مبنی تہلکہ خیز لغت A dictionary of the English language ایک گھریلو نام بن گئی اور جس نے اگلے ایک سو سال کے لیے، بلکہ بعض کے نزدیک ہمیشہ کے لیے، یہ طے کر دیا کہ انگریزی لغت کیسی ہونی چاہیے اور اس کا معیار کیا ہوگا ۱۸۔ جانسن کی لغت اگلے سو سال تک چھپتی رہی اور اس کے بے شمار ایڈیشن نکلے۔ انگریزی زبان کے تیزی بدلتے رنگ روپ اور غیر زبانوں سے الفاظ کو آسانی سے کو جذب کر لینے کی خوبی کی وجہ سے اسے حیرت انگیز ہی کہنا چاہیے کیونکہ عام طور پر لغت پیچھے رہ جاتی ہے اور زبان آگے بڑھ جاتی ہے (ویسے بھی زبان لغت کے پیچھے نہیں چلتی بلکہ لغت کو زبان کے پیچھے چلنا پڑتا ہے)۔ تیزی سے بدلتی زبان کی لغت اور بھی تیزی سے پیچھے رہ کر کار رفتہ ہو جاتی ہے۔ سو سال تو بڑی مدت ہے، اچھی سے اچھی لغت بھی دس بیس سال کے بعد متروک نہیں تو محدود سی لگنے لگتی ہے اور چالیس پچاس سال کے بعد تو اس میں بڑی کمیوں اور

احساس ہونے لگتا ہے۔

اٹھارھویں صدی کے ربع ثانی میں یہ خیال نہ صرف اہل علم و ادب بلکہ کتب فروشوں کے ذہن میں بھی جڑ پکڑ چکا تھا کہ انگریزی کی کسی ایسی لغت کی ترتیب ناگزیر ہو چکی ہے جسے مستند اور "معیاری" (standard) کہا جا سکے ۱۹۔ اس قسم کا کام اٹلی اور فرانس میں پہلے ہی ہو چکا تھا اور فرانسیسی اکادمی ساٹھ (۶۰) برس کی مدت میں فرانسیسی کی مستند لغت تیار کر چکی تھی ۲۰۔ لیکن انگلستان میں ایسی کوئی اکادمی نہ تھی۔ البتہ انگریزی کے معروف ادیب الیکزنڈر پوپ (Alexander Pope) نے ایک معیاری انگریزی لغت کی تیاری کا فیصلہ کر لیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس نے انگریزی کے ایسے معروف و معتبر لکھنے والوں کی فہرست بھی تیار کر لی تھی جن کی تحریروں سے اس لغت میں سند لی جانی تھی ۲۱ لیکن اس سے پہلے کہ اس منصوبے پر کچھ کام ہوتا ۱۷۴۴ء میں الیکزنڈر پوپ چل بسا اور یہ کام آخر کار سیموئیل جانسن کو کرنا پڑا۔

ایک خبط اُس زمانے کے انگریزی لغت نویسوں کو یہ تھا کہ انگریزی زبان کو "پاک، پوتر اور خالص" رکھا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں تھا۔ دنیا کی ہر زبان بدلتی رہتی ہے اور اس زبان کی لغت کو ان تبدیلیوں کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔ جانسن کو اس حقیقت کا احساس تھا کہ لغت نویس کا کام زبان کی "تخلیق" نہیں بلکہ محض اس کو ریکارڈ کرنا ہے ۲۲۔ اس سے پہلے عام خیال یہ تھا کہ لغت کو تجویزی (prescriptive) ہونا چاہیے یعنی وہ بتائے کہ زبان کو "کیسا ہونا چاہیے"۔ پہلے تو سیموئیل جانسن بھی اسی بات کا قائل تھا لیکن بعد میں اس نے اپنے ایک پیش رو بنجمن مارٹن (Benjamin Martin) کی اس بات سے اتفاق کر لیا کسی زبان کے بارے میں یہ حکم لگانا کہ اسے کیسا ہونا چاہیے نامناسب بات ہے اور یہ ممکن بھی نہیں کہ کسی زبان کے تمام مسائل اور معیارات کو طے کر دیا جائے ۲۳۔ اور اگر ایسا ممکن ہو بھی تو زبان ہر وقت بدلتی رہتی ہے۔ بہر حال، مختصراً یہ کہ جانسن قائل ہو گیا کہ لغت کو تجویزی نہیں بلکہ وصفی یا تشریحی (descriptive) ہونا چاہیے ۲۴۔ یعنی وہ یہ بتائے کہ زبان "کیسی ہے"، نہ کہ یہ طے کرے کہ اسے "کیسا ہونا چاہیے"۔

اس مسئلے کو طے کرنے کے بعد کہ اسے اپنی لغت میں یہ نہیں بتانا کہ زبان کو کیسا ہونا چاہیے بلکہ یہ بتانا ہے کہ زبان کیسی ہے اور کس طرح استعمال کی جا رہی ہے، جانسن نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ زبان

کو "ریکارڈ" کرے گا یعنی دیکھے گا کہ مختلف ادوار میں کسی لفظ کو کیسے کیسے استعمال کیا گیا ۲۵۔ نو سال تک جانسن نے نامساعد حالات میں تنِ تنہا ہزاروں کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان سے اسناد نکالیں تاکہ یہ دیکھے کہ ادیبوں اور شاعروں نے الفاظ کو کس طرح استعمال کیا ہے اور اس بنیاد پر یہ فیصلہ کر سکے کہ کس لفظ کے کیا معنی ہیں۔ یعنی لغت نویس یہ حکم نہیں لگا سکتا کہ فلاں لفظ کے معنی یہ ہیں یا فلاں لفظ غلط ہے اور فلاں صحیح ہے۔ وہ صرف یہ بتانے کا مکلف ہے کہ زبان میں کوئی لفظ کس طرح اور کن معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے۔ ونچسٹر کے مطابق یہ وہ سوچ تھی جس نے زبان کے بارے میں تصورات اور لغت نویسی دونوں کا رخ ہی بدل دیا۔ جانسن نے یہ دیکھنا شروع کیا کہ انگریزی کے اہلِ قلم نے کسی لفظ کو کس طرح اور کن کن معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس نے مختلف لفظوں کے استعمال کو انگریزی ادب کی تاریخ کے آئینے میں دیکھا کہ کس زمانے میں کس ادیب نے کس لفظ کو کن معنوں میں استعمال کیا، کس طرح مختلف صدیوں میں اہلِ قلم نے ان کو نئے اور الگ معنی میں استعمال کر لیا اور کس طرح لفظوں کے معنی وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے گئے۔ اور سچی بات یہ ہے کہ کسی زبان کی تاریخ کو ریکارڈ کرنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کوئی ہے بھی نہیں ۲۶۔

کسی نئی لغت میں جن الفاظ کا اندراج ہوتا ہے ان کے ماٰخذ تین (۳) ہو سکتے ہیں۔ ایک، موجودہ لغات میں موجود الفاظ؛ دوسرے، گفتگو میں سنے جانے والے الفاظ؛ تیسرے، ادبی متون میں پائے جانے والے الفاظ ۲۷۔ جانسن نے اس تیسرے ماخذ پر زیادہ انحصار کیا اور اپنا وقت اور پیسہ بچانے کے لیے طے کیا کہ وہ ۱۵۸۶ء، یعنی وہ سال جس میں سر فلپ سڈنی (Philip Sidney) کا انتقال ہوا، سے پہلے چھپی ہوئی کسی کتاب سے سند نہیں لے گا۔ اس طرح اس نے جیفرے چاسر (Geoffrey Chaucer) کی کینٹربری ٹیلز (The Canterbury Tales) سے بھی سند نہیں لی ۲۸۔ حالانکہ قدیم انگریزی ادب اور زبان میں چاسر کا بڑا درجہ سمجھا جاتا ہے۔ جانسن کی لغت میں تینتالیس ہزار پانچ سو (۴۳،۵۰۰) اندراجات ہیں اور اس کے لیے اس نے ایک لاکھ اٹھارہ ہزار (۱۱۸،۰۰۰) اسناد دی ہیں ۲۹۔

بقول ونچسٹر کے یہ انگریزی کے ساتھ انصاف نہیں تھا کیونکہ اس زبان کا ذخیرۂ الفاظ کہیں

زیادہ وسیع ہے اور جانسن کے بعد لکھی گئی لغات میں بھی یہ تعداد ستر ای ہزار سے زیادہ نہیں تھی، مثلاً اگلی صدی میں ویبسٹر (Webster) کی لغت (مطبوعہ ۱۸۲۸ء) میں بھی ستر ہزار کے قریب اندراجات تھے ۳۰۔ ویبسٹر کی لغت بنیادی طور پر امریکی انگریزی کی لغت تھی اور وہ بھی اتنی ہی مقبول ہوئی اور اتنی ہی بڑی تعداد میں چھپی جتنی جانسن کی لغت، لیکن ایک تو ویبسٹر کی لغت میں اندراجات کی تعداد زیادہ تھی۔ دوسرے جانسن نے اپنی لغت میں نہیں کہیں اپنی حس مزاح اور نرالے پن کا کچھ زیادہ ہی اظہار کیا ہے اور اس کی لغت میں بعض اندراجات کی تشریح درحقیقت طنزیہ ہے یا مزاحیہ۔ مثلاً اس نے لفظ lexicographer (یعنی لغت نویس) کی تشریح کرتے ہوئے اپنی لغت میں لکھا ہے:

"a writer of dicionaries, a harmless drudge . . ."

اس کا ترجمہ تو نہیں لیکن مفہوم کچھ یوں بیان ہوسکتا ہے: ''لغت لکھنے والا، بے ضرر شخص جو کان دبا کر چپ چاپ مشقت کا کام کرے''۔

یہ درست ہے کہ اسے اپنی لغت کی تدوین میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور اسے اس کا معقول معاوضہ بھی نہیں ملا لہٰذا یہ اس کے دلی جذبات کا اظہار تھا۔ لیکن لغت میں اس طرح کی جذباتی یا طنزیہ تعریفات کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس کے مقابلے میں ویبسٹر خشکی کی حد تک سنجیدہ انسان تھا اور اس کی لغت بھی جانسن کی لغت ہی کی طرح آنے والے دور کے لغت نویسوں کے لیے ایک معیار اور کسوٹی بن گئی۔

بعد کے زمانے میں سیموئیل جانسن اور ویبسٹر کی انگریزی لغات کی حریف اگر کوئی لغت تھی تو وہ چارلس رچرڈسن (Charles Richardson) کی لغت A new dictionary of the Englsih language تھی جو ۱۸۳۷ء میں شائع ہوئی۔ رچرڈسن کے ہاں یہ جدت تھی کہ اس نے لفظوں کے معنی لکھتے وقت تشریح کو چھوڑ کر ادب سے لیے گئے مثالیہ جملوں پر زیادہ زور دیا اور یہ دکھایا کہ الفاظ کس کس طرح اور کن کن معنوں میں استعمال کیے گئے ہیں ۳۱۔

گو الفاظ کے استعمال کی ادب سے اسناد سیموئیل جانسن نے بھی دیں اور بڑی تعداد میں دیں لیکن چارلس رچرڈسن ہی صحیح معنوں میں لغت نویسی کے تاریخی اصول کا بانی تھا اور اسی نے

سب سے پہلے تاریخی اصولوں پر مبنی لغت تالیف کی۔ اس کے لیے اس نے طے کیا کہ انگریزی زبان کے مختلف تاریخی ادوار ہیں اور ہر لفظ جو لغت میں لکھا جائے اس کے استعمال کی سند ہر تاریخی دور کے اہل قلم سے دینی ضروری ہے۔ اس طرح لفظ کا خاص مفہوم اور اس مفہوم کے استعمال میں تسلسل ثابت ہو جاتا ہے۔ قواعد اور معنیات کے ماہرین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ لفظ کا استعمال ہی مفہوم کو طے کرتا ہے، ورنہ کسی لفظ کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ اور کسی لفظ کے جو معنی ہوتے ہیں وہ محض استعمال ہی کی وجہ سے ٹھہرائے گئے ہیں ورنہ وہ لفظ محض آوازوں کا مجموعہ ہے۔[۳۲]

رچرڈسن نے طے کیا کہ انگریزی زبان کے ارتقا کے چار مختلف ادوار ہیں[۳۳]:

۔ پہلا دور، ۱۳۰۰ء سے لے کر ملکہ الزبتھ اول کی تخت نشینی یعنی ۱۵۵۸ء تک۔

۔ دوسرا دور، ۱۵۵۸ء سے انگلستان میں بادشاہت کی بحالی یعنی ۱۶۶۰ء تک۔

۔ تیسرا دور، ۱۶۶۰ء سے جارج اول کی بادشاہت کے خاتمے یعنی ۱۷۱۴ء تک (یہ سب سے مختصر دور ہے)۔

۔ چوتھا دور، ۱۷۱۴ء سے انیسویں صدی بلکہ ۱۸۱۸ء تک (جب رچرڈسن کی لغت شائع ہونا شروع ہوئی)۔

یہاں ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ یہی اصول دنیا کی دوسری زبانوں کے لیے بھی کارآمد ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ ہر زبان کا اپنا آغاز وارتقا ہے اور اس زبان کی اور اس کے ادب کی تاریخ کے اپنے مختلف ادوار ہیں۔ لہٰذا اگر کسی زبان کے ادوار طے کر لیے جائیں اور الفاظ کے مخصوص مفہوم میں استعمال کی اسناد ان ادوار کے ادب سے دے دی جائیں تو گویا یہ اس زبان کے الفاظ کی تاریخ اور اس زبان کی تاریخی لغت نویسی کی بنیاد ہوگی۔ اردو لغت بورڈ کی لغت میں بھی یہی تاریخی اصول کارفرما ہے۔

ہارٹ مین اور گریگری جیمز کے بقول تاریخی لغت لفظ کی ''سوانح عمری'' ہوتی ہے[۳۴]۔ رچرڈسن نے کوشش کی کہ اس کی لغت میں درج کیے گئے ہر لفظ کی سند ہر اس دور سے دے جس جس دور میں وہ لفظ وجود رکھتا تھا۔ اس طرح اس لفظ کی ''سوانح عمری'' سامنے آجائے گی اور اس

طریقے سے لغت کا قاری اس بات سے بجا طور پر واقف ہو سکے گا کہ کہ اس لفظ کے استعمال کا بہترین انداز کیا ہے ۳۵۔ اس کا خیال تھا کہ لغت میں تشریح درج کرنا "تجویزی" (prescriptive) اور "غیر متعلقہ" (irrelevant) ہوتا ہے اور بہتر یہی ہے کہ لغت میں یہ دکھایا جائے کہ اب تک مختلف ادوار میں اس لفظ کو کس طرح اور کن معنوں میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اسی سے یہ طے ہو سکتا ہے کہ آئندہ اس لفظ کو کس طرح استعمال کرنا ہے۔ یہی اصول عام طور پر "تاریخی اصول" کہلایا اور اسی نے رچرڈسن کو دنیائے لغت نویسی میں شہرتِ عام اور بقائے دوام عطا کی ہے ۳۶۔

لیکن یہ احساس بڑھ رہا تھا کہ انگریزی کا ذخیرۂ الفاظ بہت زیادہ وسیع ہے مگر نہ جانسن نہ رچرڈسن اور نہ ویبسٹر ہی نے اس کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ ایک عام خیال یہ تھا کہ ایسی کوئی لغت وجود نہیں رکھتی جس میں انگریزی کے ذخیرۂ الفاظ کو مکمل طور پر سمیٹ لیا گیا ہو۔ اس احساس کا باقاعدہ اظہار ۱۸۴۲ء میں ہوا جب انگلستان میں مجلسِ لسان یا فلولوجیکل سوسائٹی (Philological Society) بنائی گئی۔ ابتدا میں اس مجلس کا رجحان تمام زبانوں کی طرف تھا لیکن بعد میں یہ انگریزی زبان کی طرف زیادہ راغب ہوگئی۔ ۱۸۵۷ء میں مجلس کے کچھ ارکان جن میں پادری رچرڈ چینویکس ٹرینچ (Richard Chenevix Trench) بھی شامل تھا، اس نتیجے پر پہنچے کہ انگریزی کی مروجہ لغات اطمینان بخش حد تک اچھی نہیں ہیں اور اس مسئلے کا کچھ حل نکالنا چاہیے ۳۷۔ یہ پادری ٹرینچ وہی صاحب ہیں جن کی لفظوں کی اصل سے متعلق کتاب The study of words بہت مشہور ہوئی تھی اور اسی سے متاثر ہو کر احمد دین نے اپنی مشہور اردو کتاب "سرگزشتِ الفاظ" لکھی (اور اس میں اپنی جانب سے بہت کچھ لکھنے کے ساتھ بہت کچھ ٹرینچ کی اصل کتاب سے بھی لے لیا، اگرچہ دیباچے میں اس کا اعتراف کیا ہے)۔ بہر حال، مجلس نے اپنی ایک ذیلی مجلس یا کمیٹی بنائی جس کا کام یہ دیکھنا تھا کہ انگریزی کے کون کون سے الفاظ انگریزی کی لغات میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں۔ اس کمیٹی کا نام unregistered words committee رکھا گیا اور اس کے ارکان نے کتابوں، اخبارات اور رسائل کے علاوہ گفتگو میں آنے والے ان الفاظ کا جائزہ لینا شروع کیا جو انگریزی کی لغات میں درج نہیں تھے ۳۸۔

کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں انگریزی لغات کی کئی خامیاں بیان کیں، مثلاً متروک الفاظ

لغات میں نہیں تھے، الفاظ کی اصل اور ان کی تاریخ ناکافی تھی، اہم معنی غائب تھے، مترادفات کے فرق کو نظر انداز کر دیا گیا تھا اور اہم بات یہ کہ اسناد کے طور مثالیہ جملے دیتے وقت بڑی تعداد میں اہم مآخذات کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا طے کیا گیا کہ ایک نئی مستند اور ضخیم انگریزی لغت کی اشد ضرورت ہے لیکن یہ لغت نہ تو پرانی لغات کا چربہ ہوگی، نہ ان کا بہتر ایڈیشن ہوگی اور نہ ان کا ضمیمہ ہوگی۔ بلکہ ایک بالکل نئی اور الگ لغت ہوگی جس میں ''ہر چیز'' (everything) کے معنی درج ہوں گے۔ اس میں پوری انگریزی زبان کا احاطہ کیا جائے گا، اس میں انگریزی کا ہر لفظ ہوگا اور ہر لفظ کے ہر معنی کی وضاحت ہوگی ۳۹۔ نیز یہ کہ اس میں ہر لفظ کا صحیح تلفظ اور اشتقاق ہوگا۔ ایک اور اہم بات یہ تھی کہ اس میں رچرڈ سن کے ''تاریخی اصول'' کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر لفظ کی ''سوانح عمری'' یعنی ہر دور میں اس کے معنی اور استعمال کی مثالیں بھی ہوں گی، یہ بھی درج ہوگا کہ یہ لفظ کب سے انگریزی زبان میں مستعمل ہے اور کس طرح ہر دور میں اس کے معنی بدلتے گئے ۴۰۔

ظاہر ہے کہ یہ بہت بڑا منصوبہ تھا لیکن ٹرنچ نے فلولوجیکل سوسائٹی کے ارکان کو اس بات پہ قائل کر لیا کہ ایک ایسی نئی عظیم انگریزی لغت بنائی جانی ضروری ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہو اور اس میں ہر چیز ہو اور جو انگریز قوم کی عظمت کے شایانِ شان ہو ۴۱۔ ٹرنچ کی تقریر کے ایک سال بعد سوسائٹی نے باضابطہ طور پر اس ضمن میں ایک قرارداد منظور کی۔ ۱۸۶۰ء میں اس لغت کی تیاری کے اصول اور رہنما خطوط پر مبنی ایک کتابچہ شائع کیا گیا جس میں اس لغت کی تیاری کے لیے تفصیلات اور ہدایات موجود تھیں ۴۲۔ جیمز مرے (James Murray) کے مطابق فلولوجیکل سوسائٹی نے ایک جامع، ضخیم اور مستند لغت، جس کا نام A new Englsih dictionary on historical principles رکھا گیا تھا، کے لیے جو مواد جمع اور تیار کیا تھا اسی پر اوکسفرڈ کی بڑی لغت اوکسفرڈ انگلش ڈکشنری کی بنیاد رکھی گئی ۴۳۔

ارکانِ مجلس کو احساس تھا کہ یہ ایک طویل منصوبہ ہے اور اس میں دس سال لگ سکتے ہیں۔ لیکن اس لغت کی تکمیل ۱۹۲۸ء میں ہو سکی جب اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔ گویا اس کام میں اڑسٹھ (۶۸) برس لگ گئے ۴۴۔ (ہمارے ہاں اسی طرح کی لغت یعنی اردو لغت بورڈ کی لغت باوجود وسائل کی قلت کے باون (۵۲) برس میں تیار کر لی گئی)۔ کہنا آسان ہے، لیکن کوئی اڑسٹھ سال یا

باون برس کسی منصوبے پر عمل کرنے بیٹھے اور مختلف قسم کی مشکلات کا سامنا کرے تب معلوم ہو کہ کرنا کتنا مشکل ہے اور کہنا کتنا آسان ہے۔ سائمن ونچسٹر نے اس لغت کی اڑسٹھ سال میں تکمیل کا قصہ بڑے دل چسپ انداز میں سنایا ہے لیکن ظاہر ہے کہ ہم یہاں اس تفصیل کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ مختصراً یہ کہ ۱۸۸۲ء میں اس کی طباعت کا آغاز ہوا، کئی مدیران آئے اور چلے گئے یا چل بسے، کئی اختلافات ہوئے، کئی بار لگا کہ کام ٹھپ ہوگیا ہے، کئی بار عملہ مایوس ہوا کہ شاید یہ کام ناممکن ہے، مخالفین اور معترضین نے ناطقہ بند کردیا، کئی بار عملے کے ارکان اور مدیران بالکل ہمت چھوڑ بیٹھے، مخالفتوں اور رکاوٹوں کی وجہ سے منصوبہ بالکل بند ہوتے ہوتے بھی بچا، لیکن آخر کار ہر طرح کی مشکلات پر قابو پالیا گیا۔ اس کی طباعت کراسوں کی شکل میں شروع ہوئی اور پہلا کراسہ جنوری ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا جس میں حرف اے (A) سے شروع ہونے والے آٹھ ہزار تین سو پینسٹھ (۸،۳۶۵) اندراجات تھے۔ یہ کام پادری ٹرنچ کی تقریر کے ستائیس (۲۷) برس بعد ہوا۔ اور اپریل ۱۹۲۸ء میں اس خواب کی مکمل تعبیر آئی جو ٹرنچ اور اس کے ساتھیوں نے ستر (۷۰) سال قبل دیکھا تھا[۴۵]۔

اس لغت کی تیاری میں جیمز مرے کا تو خیر بڑا ہاتھ تھا ہی کہ اس نے ایک طویل عرصے تک اس لغت کی ادارت کی اور کئی مخالفتوں اور مشکلات کا مقابلہ کیا۔ لیکن اس کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی تھا کہ جو اصول اس نے ابتدا میں وضع کیے تھے وہ آخر تک کام آئے۔ یہاں تک کہ جب ۱۹۳۳ء میں لغت کے ضمیمے شائع ہونے شروع ہوئے (لغت میں جو کمی رہ گئی تھی اور جو الفاظ درج ہونے سے رہ گئے تھے یہ ضمیمے ان کے اضافے کے لیے تھے) تب بھی جیمز مرے کے اصول اور معیار برقرار تھے[۴۶]۔ ضمیموں اور اضافوں کی بات ہو رہی ہے تو یہ بھی بتا دیا جائے کہ رابرٹ برک فیلڈ (Robert Burchfield) نے اس لغت کے ضمیمے چار جلدوں میں تیار کیے جو ۱۹۷۲ء اور ۱۹۸۶ء کے درمیان چھپتے رہے اور اس نے پچاس ہزار اندراجات کا اس میں اضافہ کیا[۴۷]۔

بہرحال، یہ عظیم منصوبہ تقریباً ستر سال میں تکمیل سے ہم کنار ہوا اور اس میں باقاعدہ ملازمین کے علاوہ کئی رضا کاروں نے بھی کام کیا اور بالخصوص اسناد کی فراہمی کے لیے۔ ان میں سے ایک شخص ڈاکٹر ولیم چیسٹر مائنر (William Chester Miner) بھی تھا جو جیل سے اسناد بھیجا کرتا

تھا۔ یہ سرجن تھا اور جیمز مرے کا خیال تھا کہ شاید یہ جیل کا ڈاکٹر ہوگا۔ ڈاکٹر تو وہ تھا لیکن نفسیاتی مریض بھی تھا اور وہاں قتل کے جرم میں سزا کاٹ رہا تھا۔ اس نے جیل سے اکیس سال تک نہایت قیمتی اسناد فراہم کیں اور بعض الفاظ کی سند صرف اسی نے مہیا کی ۴۸۔ ایک اور صاحب نے بھی طویل عرصے تک اسناد فراہم کیں جن کا نام فزڈورڈ ہال (Fitzedward Hall) تھا۔ یہ عجیب و غریب شخص کئی مشرقی و مغربی زبانوں کا ماہر تھا اور کنگز کالج میں سنسکرت کا پروفیسر تھا۔ لیکن ایک علمی تنازع کی وجہ سے اسے اس کے عہدے سے ہٹا دیا گیا اور وہ شہر چھوڑ کر ایک دور دراز مقام پر واقع ایک گاؤں میں رہنے چلا گیا اور پھر اس کے اہل خانہ بھی اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ اس نے زندگی کے بقیہ بتیس سال اسی تنہائی میں بتا دیے اور وہ بھی اس طرح کہ اپنے چھوٹے سے مکان سے شاذ و نادر ہی باہر آتا تھا۔ وہ برسوں تک لغت کے لیے اسناد، تجاویز اور تراشے بھیجتا رہا۔ لغت کے پروف انتہائی باریک بینی اور جاں فشانی سے پڑھتا اور تقریباً روزانہ جیمز مرے کو خط لکھتا۔ لیکن اس کی اور لغت کے مدیر جیمز مرے کی کبھی ملاقات نہ ہوئی۔ ۴۹۔

اب ذرا ایک جھلک ملاحظہ کیجیے کہ ستر سال میں مکمل ہونے والے اس منصوبے کو انگریز قوم نے کتنی اہمیت دی (اور پھر یہ بھی یاد کر لیجیے گا کہ اسی طرح کا کارنامہ جب اردو لغت بورڈ (کراچی) نے انجام دیا تو کیسی سرد مہری کا مظاہرہ کیا گیا)۔ انگریز ادیبوں اور صحافیوں نے اس کی جو پذیرائی کی اور تعریفی مضامین لکھے ان کی تفصیل اور دیگر تفصیلات میں جائے بغیر عرض ہے کہ اس موقعے پر باقاعدہ تقریب ۶ جون ۱۹۲۸ء کو لندن میں منعقد کی گئی اور سرکاری عشائیہ دیا گیا تھا۔ اس میں صرف ڈیڑھ سو مہمانوں کو مدعو کیا گیا تھا اور یہ تمام نمایاں شخصیات تھیں۔ مدعوئین میں ادیب، شیوخ الجامعات، سائنس دان، صحافی، تاریخ نویس اور برطانوی امرا کے علاوہ برطانوی وزیر اعظم اسٹینلے بالڈون اور لغت کے مدیران اور عملہ شامل تھا۔ اس موقعے پر لغت کی تکمیل کا باقاعدہ اعلان کیا گیا اور صرف دو سیٹ اعزازی طور پر پیش کرنے کا اعلان کیا گیا، ایک انگلستان کے بادشاہ جارج پنجم کو اور دوسرا امریکی صدر کو ۵۰۔ گویا باقی شائقین کو لغت خریدنی پڑی۔ (راقم کا ذاتی تجربہ ہے کہ بڑے بڑے لوگ اردو لغت بورڈ کی لغت کی جلدیں اعزازی طور پر مانگتے تھے اور بار بار مانگتے تھے۔ کسی کی جلد کھو گئی تو دوبارہ مفت لینے آ گیا)۔

یہ لغت دس جلدوں پر مبنی تھی لیکن اس کی تجلید بارہ جلدوں میں کی گئی کیونکہ دو جلدیں ایسی تھیں کہ بہت زیادہ ضخیم ہو جاتیں لہٰذا انھیں دو حصوں میں چھاپا گیا، اس کی پہلی نو جلدیں اس کے پرانے نام سے چھپیں یعنی A new English dictioanry کے نام سے، بعد میں اس کا نام Oxford English Dictionary کر دیا گیا۵۱۔

مکمل ہونے پر پہلے ایڈیشن میں پندرہ ہزار چار سو نوے (۱۵،۴۹۰) صفحات تھے جن میں چار لاکھ چودہ ہزار آٹھ سو پچیس (۴۱۴،۸۲۵) اندراجات تھے، ان میں اٹھارہ لاکھ ستائیس ہزار تین سو چھ (۱،۸۲۷،۳۰۶) مختصر مثالیہ اقتباسات بطور اسناد پیش کیے گئے تھے۔ ان اقتباسات کا انتخاب ایسے پچاس لاکھ اقتباسات سے کیا گیا تھا جو لغت کے دفتر میں محفوظ اور مرتب کیے گئے تھے۔ ان اقتباسات کی مدد سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ کسی لفظ کا استعمال انگریزی میں کب شروع ہوا ،ان کو کن معنوں میں استعمال کیا گیا، ان میں کب کب کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں اور گویا انگریزی زبان کیسے کیسے روپ بدلتی گئی۵۲۔ ونچسٹر کا خیال ہے کہ یہ دنیا کی عظیم ترین لغت ہے اور شاید آئندہ بھی رہے گی کیونکہ یہ جس زبان کی لغت ہے وہ دنیا کی اہم ترین زبان ہے۵۳۔

یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ اوکسفرڈ انگلش ڈکشنری کا کام ۱۹۲۸ء میں ختم ہو گیا کیونکہ لغت کا کام کبھی ختم نہیں ہوتا۔ زبان بدلتی رہتی ہے، الفاظ معنی بدل لیتے ہیں، نئے الفاظ وجود میں آ جاتے ہیں اور زبان کا انداز و اسلوب بھی بدل جاتا ہے، کبھی کبھی قواعد میں بھی کچھ معمولی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں، ان سب تبدیلیوں کو ''ریکارڈ'' کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ تو طے ہے کہ لغت کو تجویزی نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے زبان کے پیچھے چلنا چاہیے اور زبان میں ہونے والی تبدیلیوں کو محفوظ کرنا چاہیے۔ اس طرح سماجی ،تہذیبی ،سائنسی ،فنی ،ادبی اور لسانی تبدیلیاں بھی محفوظ ہو جاتی ہیں کیونکہ ان تبدیلیوں کو ظاہر کرنے والے الفاظ لغت میں یا اس کے نئے ایڈیشن میں شامل ہو جاتے ہیں یا ان کی تعریف و تشریح بدل جاتی ہے۔

اوکسفرڈ کی بڑی لغت کا دوسرا اضافہ و ترمیم شدہ ایڈیشن ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔ اس کی بیس جلدیں ہیں جن کے اکیس ہزار سات سو تیس صفحات ہیں جن میں چھ لاکھ پندرہ ہزار (۶۱۵،۰۰۰) اندراجات ہیں اور چوبیس لاکھ چھتیس ہزار چھ سو (۲،۴۳۶،۶۰۰) مثالیہ اقتباسات ہیں۔ اس

کے تیسرے ایڈیشن کی تیاری کا کام جاری ہے اور پچھلے ایڈیشنوں کی طرح وثوق سے کہنا مشکل ہے کہ یہ کب مکمل ہوگا ۵۴۔

☆لغوی معنیات اور تاریخی لغت نویسی

لغت نویسی کے علاوہ معنیات اور قواعد کا بھی بنیادی اصول یہ ہے کہ کسی لفظ کے کوئی معنی نہیں جب تک وہ کسی مرکب یا جملے میں استعمال نہ ہو۔ نیز ایک لفظ کے جو مختلف معنی ہو سکتے ہیں وہ بھی جملے یا مرکب میں استعمال اور اس استعمال میں تسلسل ہی سے واضح ہوتے ہیں۔ مثلاً اردو میں ''آب'' کے معنی پانی بھی ہیں، چمک بھی۔ لہٰذا جب تک لفظ ''آب'' کسی جملے یا مرکب میں نہ آئے اس کے مخصوص معنی اور قواعدی حیثیت (کہ مذکر ہے یا مونث، واحد ہے یا جمع، اسم ہے یا فعل) کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، جیسے اردو میں ''آب'' اگر پانی کے معنوں میں ہے تو مذکر ہے اور چمک کے معنوں میں ہے تو مونث ہے۔ اسی طرح بعض اوقات لفظ کی ظاہری شکل ایک ہی ہوتی ہے لیکن وہ مصدر بھی ہوسکتا ہے اور اسم بھی۔ جیسے ''پالنا'' اردو میں مصدر بھی ہے (مثلاً: بچوں کو پالنا آسان نہیں) اور اسم بھی (مثلاً: بچے کا پالنا ٹوٹ گیا)۔ اسی طرح بعض الفاظ جمع ہونے کے باوجود اردو میں واحد کے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں مثلاً ''سلطان'' بادشاہ کے معنوں میں آتا ہے اور اس کی جمع ''سلاطین'' ہے لیکن ''سلاطین'' اردو میں ''مقید شہزادے'' کو بھی کہتے تھے اور اس کی جمع سلاطینوں بھی استعمال ہوتی تھی (گو ناواقف اسے غلط ہی قرار دے گا)۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے جہاں دارشاہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی ابتدائی تعلیم محصور سلاطین کے طور پر ہوئی تھی، پھر حواشی میں لکھا ہے کہ ''اصطلاح میں سلاطین ان شہزادے کو کہتے تھے جو قلعۂ معلّٰی میں نظر بند ہوتا تھا (اس کی جمع ''سلاطینوں'' ہے)۵۵۔ گویا یہاں سلاطین کا لفظ بادشاہ کی جمع کے طور پر نہیں آیا بلکہ ایک اور مفہوم میں بطور واحد آیا ہے اور یہ معنی استعمال سے واضح ہوتے ہیں۔

ایسے اور بھی کئی الفاظ ہیں جو بظاہر جمع ہیں اور اردو میں واحد کے معنی میں بھی مستعمل ہیں۔ مثال کے طور پر ''افواہ'' دراصل عربی لفظ ''فوہ'' بمعنی ''منھ'' کی جمع ہے۔ لیکن اردو میں واحد (جیسے: ایک نئی افواہ پھیل گئی ہے) کے طور پر بھی آتا ہے۔ یہ بات استعمال ہی سے واضح ہوتی

ہے۔ اسی طرح لفظ کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ جیسے لفظ ''اجنہ'' جا ہے عربی میں ''جنین'' کی جمع ہو، اردو میں ''جن'' کی جمع کے طور پر نیز واحد کے طور پر بھی آتا ہے ۵۶۔

بسا اوقات کوئی لفظ بالکل مختلف مفہوم میں استعمال ہوتا ہے گو اس کا شاذ و نادر ہی استعمال ہو، مثلاً لفظ ''حضرت'' کو شہر کے لیے استعمال کرنا۔ تحسین فراقی صاحب نے نکلسن کے کشف المحجوب کے انگریزی ترجمے پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فارسی اور اردو کی کلاسیکی روایات میں سلطنت کے پایۂ تخت کے نام سے قبل ''حضرت'' لکھتے تھے، جیسے حضرتِ دہلی یا حضرت بغداد۔ گویا حضرت کا لفظ دارالسلطنت یا پایۂ تخت کے معنی میں بھی آتا ہے ۵۷۔ یہ بہت اہم بات ہے اور لغت میں لفظ حضرت کے ان معنوں کا اندراج ان لوگوں کے لیے بالخصوص مفید ہو سکتا ہے جن کا کلاسیکی ادب کا مطالعہ کم ہے، جیسے طالب علم، یا وہ لوگ جنھیں مخصوص حالات یا کام میں اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے اور لغت میں معنی کی اس شق کی عدم موجودگی سے انھیں الجھن ہو سکتی ہے، جیسے مترجمین یا غیر ملکی۔

نیز یہ کہ بعض الفاظ بعض علاقوں میں رائج ہوتے ہیں لیکن اسی زبان کے بولنے والے لوگوں کے دوسرے علاقے میں غیر معیاری یا گنوارو سمجھے جاتے ہیں۔ علاقائی تحتی بولیوں یا ڈائلکٹ (dialect) کے الفاظ اسی ذیل میں آتے ہیں۔ فیلن نے اپنی لغت میں ایسے کئی الفاظ اور مرکبات درج کر کے وضاحت بھی کی ہے کہ مثلاً یہ لفظ بھوج پوری کا ہے۔ یہی حال دکنی اردو کے بعض الفاظ کا بھی ہے۔ اور یہ سب استعمال ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ لفظ کے معنی اس کے استعمال میں تسلسل سے ملے ہوتے ہیں۔ کوئی لفظ کسی زمانے میں رائج تھا اور کچھ عرصے بعد اس کا استعمال نہیں ملتا تو گویا اب وہ متروک ہے۔ اسی طرح لفظ معنی بدل لیتے ہیں، مثال کے طور پر اردو میں لفظ ''رنڈی'' اور ''مجرا'' پہلے برے معنوں میں رائج نہیں تھے اور باغ و بہار میں لفظ رنڈی ''عورت'' (عام عورت) کے معنی میں آیا ہے۔ اسی طرح مجرا پہلے ''سلام'' کے معنی میں رائج تھا ۵۸۔ اردو لغت بورڈ کی لغت میں بعض الفاظ مختلف املاسے ساتھ لکھے گئے ہیں، جس پر بعض نقادوں نے سوچے سمجھے بغیر شدید اعتراض بھی اٹھائے ہیں۔ مثلاً منہ یا منھ کو موں، مؤ اور مونہہ وغیرہ بھی لکھا گیا ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ یہ سارے املا کسی

نہ کسی دور کے لحاظ سے درست ہیں چاہے آج جس املا کو بھی درست مانا جائے۔ ان سارے مختلف املوں کی اسناد مختلف ادوار میں ملتی ہیں اور تاریخی لغت میں ان سب کو ریکارڈ کیا جانا ضروری تھا۔ یہ تمام امور تاریخی لغت کے مرتب یا مدیر کے لیے انتہائی دل چسپی اور اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ اسے ان سب کو تاریخی لغت میں سمونا اور دوسرے لفظوں میں الفاظ اور زبان کی تاریخ کو ریکارڈ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن بعض نقاد جنھیں یہ علم ہی نہیں کہ تاریخی اصول کیا ہے املا کے معاملے میں بورڈ کی لغت پر طنز کے تیر برساتے رہے۔

کسی زبان کا کوئی لفظ کب سے استعمال ہوتا چلا آرہا ہے، کس طرح اور کن معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے، اور کب کس طرح معنی بدلتا رہا ہے، کب رائج ہوا، کب متروک ہوا، کب نئے معنی میں آگیا، کب ایک معنی متروک ہوگئے اور دوسرے رائج ہوگئے، کب کیسے لفظ نے ہجے بدل لیے، نیا املا کب سے رائج ہوا، ان سب باتوں کو دیکھنا گویا اس لفظ کی تاریخ کو مختلف ادوار میں دیکھنا ہے۔ یہی تاریخی اصول ہے۔ گویا کسی لفظ کو پوری تاریخ میں اور مختلف تاریخی ادوار میں اس طرح دیکھنا کہ اس کے اولین استعمال، اس کے معنوں میں تبدیلی یا اس کے متروک ہوجانے نیز اس کے ہجے اور املا میں تبدیلی کا مطالعہ کیا جائے اور اس کا ثبوت استعمال سے اسناد کے ذریعے پیش کیا جائے تاریخی اصول کہلاتا ہے۔

تاریخی اصولوں پر مرتب کی گئی لغت میں یہ بتانا ہوتا ہے کہ کسی لفظ کا استعمال اس زبان میں کب سے شروع ہوا، کس کس زمانے میں کن کن معنوں میں رائج رہا اور کب کن معنوں میں متروک ہوگیا۔ چونکہ لفظ کے معنی اس کے ستعمال سے طے ہوتے ہیں لہٰذا تاریخی اصولوں کی لغت میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ ہر لفظ کے ہر معنی کے استعمال کا ثبوت پیش کیا جائے۔ اور یہ ثبوت کسی مستند نثر نگار یا شاعر کی تحریر سے دیا جاتا ہے جسے مثالیہ شعر یا مثالیہ جملہ کہنا چاہیے۔ اسی کو سند کہتے ہیں۔ گویا ہر لفظ اور اس کے ہر ہر مختلف معنی میں استعمال کی سند دینی لازمی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر سیموئیل جانسن کی لغت اور دیگر انگریزی لغات میں بھی دیکھا اور بورڈ کی لغت میں بھی یہی اصول کارفرما ہے۔

گویا اصول یہ طے ہوا کہ اگر کسی لفظ کے استعمال کی سند اس زبان کے اہل قلم کے ہاں ہر دور

میں ملتی ہے تو گویا وہ لفظ ہر دور میں رائج رہا ہے، کبھی متروک نہیں ہوا۔ لیکن اگر کسی لفظ کے استعمال کی یا اس کے کسی مخصوص مفہوم میں استعمال کی سند کسی خاص دور کے بعد نہیں ملتی تو وہ لفظ کم از کم اس مفہوم میں تو متروک ہی ٹھہرے گا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر لفظ رنڈی اور بجرا کی مثال میں دیکھا۔

تاریخی لغت لفظ کے صرف مروجہ معنی نہیں دیتی بلکہ وہ بتاتی ہے کہ لفظ کا ارتقا کیسے ہوا اور اس کے وہ تمام معنی اسناد کے ساتھ درج کرتی ہے جن میں وہ لفظ مختلف تاریخی ادوار میں رائج رہا ہے۔ اس کے لیے وہ ان معنی کو بھی درج کرتی ہے جن معنی میں وہ لفظ سب سے پہلے رائج رہا ہے، خواہ وہ معنی اب رائج ہوں یا نہ ہوں۔ مختلف معنوں میں لفظ کے اندراج کے ساتھ ساتھ تاریخی لغت ہر معنی کی ہر دور سے سند بھی دیتی جاتی ہے اور اس میں قدیم ترین سند یہ بتاتی ہے کہ اس لفظ کا ان معنوں میں سب سے پہلے استعمال کب ہوا۔ اسی لیے ہر سند کے ساتھ سال درج کیا جاتا ہے۔ اس سال کے اندراج پر بھی نقادوں نے بورڈ کو نشانہ طنز و تعریض بنایا، یہ جانے بغیر کہ کسی سند کے ساتھ سال درج کرنے کے کیا اصول اور معیار بورڈ نے طے کیے ہیں اور یہ کیوں ضروری ہیں۔

☆ تاریخی لغت کی ساخت کبیر و صغیر

تاریخی لغت کی ساختِ کبیر اور ساختِ صغیر دیگر عام لغات سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ تاریخی لغت کی ساختِ کبیر کی سب سے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ اس میں ہر لفظ شامل کرنا ہوتا ہے، چاہے وہ قدیم اور متروک ہونے کے ساتھ ساتھ قدیم املا ہی کا حامل کیوں نہ ہو۔ تاریخی لغت کی ساختِ صغیر، جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، نہ صرف مختلف معنی، مختلف تلفظ، مختلف قواعدی حیثیت کی اسناد کے ساتھ وضاحت سے مشروط ہے بلکہ اس میں مختلف اسناد کے ساتھ وہ سال بھی درج کرنا ہوتا ہے جس میں وہ سند پہلی بار شائع ہوئی تھی۔

☆ بورڈ کی لغت پر کیے گئے اعتراضات

گو اردو لغت بورڈ کی لغت میں اعتراضات کی خاصی گنجائش ہے لیکن ان کی درست نشان دہی بہت کم کی گئی ہے۔ اردو لغت بورڈ نے اسناد اور سال کے اندراج کے لیے کیا اصول بنائے، املا، تہجی مرکبات اور ساختِ کبیر و صغیر سے متعلق دیگر کیا اصول و معیار طے کیے، ان کی غرض و غایت اور اسباب کیا تھے انھیں مناسب طور پر جانے بغیر بعض نقادوں اور محققین نے کس طرح

ٹھوکریں کھائیں اور کس طرح غلط اور بے بنیاد اعتراضات تاریخی اصول سے ناواقفیت کی بنا پر کیے، یہ ایک الگ مقالے کا موضوع ہے۔

حواشی

۱۔ آر۔ آر۔ کے ہارٹ مین اور گریگری جیمز، (R R.K.Hartmann and Gregory James) Dictionary of lexicography (لندن: روٹلج، ۱۹۸۸ء)، ص ۹۲۔۹۱: نیز لغت کی ساختِ صغیر پر مختلف آرا کے لیے ملاحظہ ہو علی احمد، A study of the microstructure of monolingual Urdu dictionaries مشمولہ دراساتِ اردو (Annual of Urdu studies)، میڈیسن: وسکانسن یونی ورسٹی، شمارہ ۲۴، (۲۰۰۹ء)، ص ۷۰۔۵۴

۲۔ بوسیونسن، (Bo Svensen)، A handbook of lexicography، (کیمرج: کیمرج یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۹ء)، ص ۳۷۸۔۳۶۸

۳۔ ہارٹ مین اور گریگری جیمز، بحولہ بالا، ص ۹۴۔

۴۔ بوسیونسن بحولہ بالا، ص ۳۴۴۔

۵۔ ایضاً، ص ۲۳۔

۶۔ ایضاً۔

۷۔ ایضاً۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ ایضاً۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ ہارٹ مین اور گریگری جیمز بحولہ بالا، ص ۶۸۔

۱۳۔ ہنری بجوئنٹ (Henry Bejoint)، Modern lexicography: an introduction، (اوکسفرڈ: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۰ء)، ص ۳۴۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ ایضاً۔

۱۶۔ ہارٹ مین اور گریگری جیمز، محولہ بالا، ص ۶۸۔

۱۷۔ سائمن ونچسٹر، (Simon Winchester)، The meaning of everything،

(نیو یارک: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۳ء)، ص ۲۶۔۱۸

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۷۔

۱۹۔ جیمز مرے، (James Murray)، The evolution of English lexicography،

(لندن: سی ایس آئی پی پبلشنگ پلیٹ فارم، ۲۰۱۴ء)، ص ۲۲۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۳۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ سائمن ونچسٹر، محولہ بالا، ص ۳۰۔

۲۳۔ ایضاً۔

۲۴۔ لغت کے تجویزی اور تشریحی ہونے کے مسئلے پر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: رؤف پاریکھ، لغوی

مباحث (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۵ء)، ص ۱۹۴۔۱۸۹

۲۵۔ سائمن ونچسٹر، محولہ بالا، ص ۳۰

۲۶۔ ایضاً، ص ۳۱، ۳۰۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۳۱۔

۲۸۔ ایضاً، ص ۳۲

۲۹۔ ایضاً، ص ۳۲۔

۳۰۔ ایضاً، ص ۳۶۔۳۵

۳۱۔ ایضاً، ص ۳۵۔

۳۲۔ اس ضمن میں لفظ و معنی کے مباحث کے لیے ملاحظہ ہو: رؤف پاریکھ، لسانیاتی مباحث، (کراچی:

فضلی سنز، ۲۰۱۵ء)، ص ۱۵۳۔۱۳۶

۳۳۔ ان ادوار کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: سائمن ونچسٹر، محولہ بالا، ص ۳۵۔

۳۴۔ Dictionary of lexicography، ص ۶۸۔

۳۵۔ سائمن ونچسٹر، محولہ بالا، ص ۳۵۔۳۶

۳۶۔ ایضاً، ص ۳۶۔

۳۷۔ ایضاً، ص ۳۹۔۴۱

۳۸۔ جیمز مرے، محولہ بالا، ص ۲۷۔۲۸؛ نیز سائمن ونچسٹر، محولہ بالا، ص ۳۶۔۳۹

۳۹۔ سائمن ونچسٹر، محولہ بالا، ص ۴۱۔

۴۰۔ ایضاً۔

۴۱۔ ایضاً، ص ۴۵۔۴۲

۴۲۔ ایضاً، ص ۴۵۔

۴۳۔ The evolution of English lexicography، ص ۲۸۔

۴۴۔ ایضاً، ص ۴۵۔

۴۵۔ سائمن ونچسٹر، محولہ بالا، ۱۴۰۔۱۳۹

۴۶۔ ایضاً، ص ۲۳۹۔۲۳۸۔

۴۷۔ ایضاً، ص ۲۴۵۔

۴۸۔ ایضاً، ص ۱۹۷۔۱۹۴

۴۹۔ ایضاً، ص ۱۹۴۔۱۹۰

۵۰۔ سائمن ونچسٹر، محولہ بالا، ملاحظہ ہو: پیش لفظ۔

۵۱۔ ایضاً، ص ۲۳۲، ۲۳۵

۵۲۔ ایضاً، ص ۲۳۴، نیز پیش لفظ۔

۵۳۔ سائمن ونچسٹر، محولہ بالا، دیکھیے: پیش لفظ۔

۵۴۔ ایضاً، ص ۲۴۹۔۲۴۸

۵۵۔ مقالاتِ تحقیق، (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۸ء)، ص ۱۳۸۔

۵۶۔ رؤف پاریکھ، لفظ جن کی جمع کیا ہے؟ مشمولہ ماہنامہ اخبارِ اردو، اسلام آباد (نومبر ۲۰۰۴ء)، ص ۴۴۔۴۳

۵۷۔ ملاحظہ ہو فراقی صاحب کا مقالہ بعنوان ''انگریزی ترجمہ ''کشف المحجوب'' (نکلسن) پر ایک نظر

مشمولہ سہ ماہی نئی کتاب، دہلی، شمارہ ۲۲۔۲۱ (اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء)، ص ۸۱۔

۸۔ رؤف پاریکھ، لغوی مباحث، ص ۱۷۲، ۱۷۱۔

فہرستِ اسناد

احمد، علی، (Ahmed , Ali)، A study of the microstructure of monolingual Urdu dictionaries مشمولہ دراساتِ اردو (Annual of Urdu studies)، میڈیسن: وسکانسن یونی ورسٹی (امریکا)، شمارہ ۲۴، ۲۰۰۹ء، ص ۷۰۔۵۴

بیجوئنٹ، ہنری (Henry Bejoint)، Modern lexicography: an introduction، نیویارک: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۰ء، [اشاعت، اول ۱۹۹۴ء]۔

پاریکھ، رؤف، لسانیاتی مباحث، کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۵ء۔

ــــــــ، لغوی مباحث، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۵ء۔

ــــــــ، لفظ جن کی جمع کیا ہے؟ مشمولہ ماہنامہ اخبار اردو، اسلام آباد، (نومبر ۲۰۰۴ء)

سوینسن، بو، (Svensen, Bo)، A handbook of lexicography، کیمرج، کیمرج یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۹ء۔

فراقی، تحسین، انگریزی ترجمہ ''کشف المحجوب'' (نکلسن) پر ایک نظر، مشمولہ سہ ماہی نئی کتاب، دہلی، شمارہ ۲۲۔۲۱ (اپریل تا ستمبر ۲۰۱۲ء)، ص ۸۲۔۶۳

قریشی، وحید، مقالاتِ تحقیق، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۸۸ء۔

مرے، جیمز (Murray, James)، The evolution of English lexicography، (لندن: سی ایس آئی پی پبلشنگ پلیٹ فارم، ۲۰۱۴ء [اشاعت اول ۱۹۰۰ء]۔

ونچسٹر، سائمن، (Winchester, Simon)، The meaning of everything: The story of Oxford English Dictionary، نیویارک: اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۳ء۔

ہارٹ مین اور گریگری جیمز، (R.R.K Hartmann and Gregory James)، Dictionary of lexicography، لندن: روٹلج، ۱۹۹۸ء۔

خصوصی لغت نویسی اور اردو کی چند نادر اور کم یاب خصوصی لغات

اردو میں عمومی لغات کے علاوہ کچھ خصوصی لغات بھی تالیف کی گئی ہیں۔ اس مقالے میں اردو کی کچھ ایسی خصوصی لغات کا ذکر کیا گیا ہے جو نادر اور کم یاب ہیں۔ چونکہ اردو میں خصوصی لغات کے بارے میں بہت کم مواد دست یاب ہے لہٰذا اس مقالے میں خصوصی لغت نویسی اور خصوصی لغات پر بھی کچھ روشنی ڈالی جارہی ہے۔

☆ خصوصی لغت (specialised dictionary)

عمومی لغات میں کسی زبان کے تمام یا وسیع ذخیرۂ الفاظ کو عام قاری کے لیے مع معنی بترتیب حروف تہجی پیش کیا جاتا ہے۔ جبکہ خصوصی لغت (specialised dictionary) کی اصطلاح ایسی حوالہ جاتی کتب یا فہرستِ الفاظ کے لیے استعمال کی جاتی ہے جن میں عمومی لغات کے برعکس مخصوص اور محدود دائرے کی معلومات دینے والے الفاظ و مرکبات مع معنی درج کیے جاتے ہیں۔ گویا خصوصی لغت سے مراد ایسی لغت ہے جو کسی خاص موضوع یا زبان کے کسی خاص پہلو یا کسی خاص فن سے متعلق الفاظ، محاورات، اصطلاحات اور تراکیب وغیرہ مع معنی درج کرے۔

خصوصی لغت کئی طرح کی ہو سکتی ہے، مثلاً: ۲

۔ مترادفات کی لغت

۔ اضداد کی لغت

۔ کسی خاص علم یا فن کے اصطلاحات کی لغت (مثلاً جہاز رانی کی اصطلاحات یا علمِ موسمیات کی اصطلاحات)

۔ تلفظ کی لغت

۔ محاورات کی لغت

۔ کہاوتوں کی لغت

۔ اشتقاق یا لفظوں کی اصل کی لغت

۔ مترادف الفاظ کی لغت

۔ کسی خاص طبقے میں مستعمل الفاظ کی لغت (مثلاً عورتوں کے زیرِ استعمال یا کرخنداروں کے زیرِ استعمال الفاظ)

۔ کسی زبان کی کسی خاص بولی یا خاص علاقے میں مستعمل الفاظ کی لغت (مثلاً بھوج پوری کی لغت)

۔ خاص طرح کے الفاظ کی لغت (مثلاً غیر منقوط الفاظ یا کثیر معنی رکھنے والے الفاظ)

۔ کسی ایک مصنف یا شاعر کے استعمال کردہ الفاظ کی لغت (مثلاً فرہنگِ اقبال)

وغیرہ، غرضے کہ خصوصی لغات کئی طرح کی ہو سکتی ہیں۔ البتہ ان کا دائرہ عمومی لغات کے مقابلے میں محدود ہوتا ہے اور ان کی ضخامت بھی زیادہ نہیں ہوتی۔ ایسی لغات کو اردو میں اکثر ''فرہنگ'' کہا جاتا ہے، مثلاً ''فرہنگِ اصطلاحاتِ نفسیات''۔ فارسی میں لفظ ''فرہنگ'' کے معنی سے قطع نظر، اردو میں علمی و فنی اصطلاحات کے الفاظ و معنی پر مبنی کتابوں اور خصوصی لغات کو ''فرہنگ'' بھی کہتے ہیں اور کبھی لغت بھی کہہ دیتے ہیں۔ انگریزی میں ایسی کتابوں کو ڈکشنری (dictionary) کہا جاتا ہے۔ مثلاً Dictionary of literary terms۔ لیکن اگر اصطلاحات پر مبنی کتاب مختصر ہو یا اصطلاحات کی محض ایک فہرست ہی ہو (جو بالعموم کسی کتاب کے آخر میں ہوتی ہے) تو اسے انگریزی میں گلوسری (glossary) اور اردو میں فرہنگ کہتے ہیں۔ کسی خاص متن (مثلاً کسی شاعر یا ادیب کے ذخیرۂ الفاظ کی فہرست) پر مبنی لغت کو بھی گلوسری کہتے ہیں۔ اردو میں ایسے موقعے پر بھی ''فرہنگ'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جیسے فرہنگِ نظیر (اکبر آبادی) یا فرہنگِ کلامِ میر۔ اردو کی مشہور اور معتبر لغت ''فرہنگِ آصفیہ'' اصل میں لغت یا ڈکشنری ہی ہے اور یہاں فرہنگ کا لفظ لغت کے معنی میں آیا ہے۔ گو اب اردو میں ''فرہنگ'' کا لفظ لغت کے معنی میں بہت کم استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ خصوصی لغت نویسی (specialised lexicography)

خصوصی لغات کی تدوین کے لیے انگریزی میں ایک اصطلاح استعمال کی جاتی ہے: specialised lexicography اس اصطلاح کا کوئی مرادف یا مترادف اردو میں رائج نہیں ہے، اسے ہم خصوصی لغت نویسی کہہ سکتے ہیں۔ ''خصوصی لغت نویسی'' کی تعریف بعض انگریزی کتب میں ملتی ہے جو کچھ یوں ہے:

''ایسی سرگرمیاں جو خصوصی لغات کی تیاری، تدوین اور تنقید و تجزیے سے متعلق ہوں۔''[۳]

خصوصی لغت نویسی کا دائرہ خاصا وسیع ہے اور اس دائرے میں مختصر فہرستِ الفاظ (گلوسری یا فرہنگ) سے لے کر عام قاری کے لیے کسی فن یا علم کی باقاعدہ اصطلاحات پر مبنی لغت جسے تکنیکی لغت (technical dictionary) کہنا چاہیے بھی شامل ہے[۴]۔

عمومی لغات کی طرح خصوصی لغات کی تیاری سے پہلے بھی کچھ امور طے کرنے پڑتے ہیں، مثلاً یہ کہ لغت یک زبانی ہوگی یا دو زبانی، اگر یہ دو زبانی ہے تو آیا یک طرفہ (unidirectional) ہوگی یا دو طرفہ (bidirectional)[۵]۔ یک طرفہ لغت سے مراد ہے اس میں صرف ایک زبان سے دوسری زبان میں الفاظ اور معنی ہوں گے (مثلاً صرف اردو سے انگریزی یا صرف انگریزی سے اردو) جبکہ دو طرفہ لغت سے مراد ہے دونوں زبانوں میں ایک دوسرے کے الفاظ معنی دیے ہوں گے (یعنی ایک ہی جلد میں مثلاً پہلے اردو سے انگریزی اور پھر انگریزی سے اردو)۔ اسی طرح یہ بھی طے کرنا ہوگا کہ اس کی ضخامت کیا ہوگی نیز یہ کہ کن لوگوں کے لیے مرتب کی جارہی ہے یعنی اس کے قاری کون ہوں گے؟ عام قاری، طالب علم یا ماہرین؟[۶]

☆ اصطلاحاتی لغت نویسی (terminography)

فرہنگِ اصطلاحات بھی خصوصی لغات کی ایک قسم ہے۔ تکنیکی لغت یا علمی اصطلاحات پر مبنی لغت یعنی فرہنگِ اصطلاحات (terminological dictionary) کی تیاری اور تدوین و ترتیب کے عمل کے لیے انگریزی میں ایک اصطلاح ٹرمنوگرافی (terminography) استعمال ہوتی ہے۔ اس کا مترادف بھی اردو میں رائج نہیں ہے۔ اب اس اصطلاح نے انگریزی میں اتنی قبولیت

پائی ہے کہ اس نے پہلے مستعمل اصطلاح یعنی terminological lexicography کی جگہ لینی شروع کردی ہے۔ ان دونوں باہم مترادف اصطلاحات کو اردو میں اصطلاحاتی لغت نویسی کہا جاسکتا ہے۔

☆ اردو کی چند نادر خصوصی لغات

اردو میں لکھی گئی خصوصی لغات کی خاصی بڑی تعداد ہے۔ ان میں سے بعض بہت مختلف اور مفید بھی ہیں اور معروف ومقبول بھی۔ لیکن اردو لغت نویسی کی طویل تاریخ میں ہمیں بعض ایسی خصوصی لغات کا بھی سراغ ملتا ہے جو قبول عام کا درجہ حاصل نہ کرسکیں اور بالعموم غیر معروف رہیں۔ بعض کا صرف ذکر ملتا ہے اور ان سے متعلق کوئی تفصیل کہیں نہیں ملتی۔ اردو کی بعض خصوصی لغات کا تو ذکر بھی کہیں نہیں ملتا۔ ایسی ہی کچھ غیر معروف، کم یاب اور نادر لغات کے بارے میں یہاں کچھ معلومات پیش کی جارہی ہیں۔

☆ فرہنگِ عثمانیہ

اس لغت کا پورا نام جو اس پر درج ہے کچھ یوں ہے: ''فرہنگِ عثمانیہ المعروف بہ اصطلاحاتِ دفتری''۔ اس کے مولف ''ابوالمعارف میر لطف علی عارف ابوالعلائی'' ہیں۔ یہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی۔ سالِ اشاعت درج نہیں لیکن مولف کے دیباچے بعنوان ''تمہید'' پر ''۱۱ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ شریف'' کی تاریخ پڑی ہے۔ آخر میں قطعہ تاریخ ہے جس سے سال ۱۹۲۹ء برآمد ہوتا ہے۔ یہ دکن میں مستعمل دفتری اصطلاحات کی لغت ہے۔

تمہید کے زیرِ عنوان لکھا ہے کہ (مولف نے اصطلاح کا لفظ ہر جگہ بطور مذکر استعمال کیا ہے اور لفظ معلومات کو بھی بطور مذکر اور جمع استعمال کیا ہے) ''علوم وفنون کے اصطلاحات کی تحقیق تو لغاتِ متداولہ میں مل جاتی ہے لیکن اسنادی اور دفتری کاروبار کے اصطلاحات کی دریافت کے لیے ایسی کتابیں دست یاب نہیں ہوسکتیں جس سے معلومات بہم پہنچائے جاسکیں'' (ص ۲)۔ بقول مولف اس لغت میں دفتری اصطلاحات مع معنی درج ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ''میری تمنا تھی کہ کوئی ایسی جامع کتاب تالیف کروں جو دکن اور ہندوستان کے دفتری اصطلاحات پر حاوی ہو'' (ص ۲)۔ مزید لکھتے ہیں کہ اس میں الفاظ کی تذکیر وتانیث کے علاوہ ''معنی درج کرنے کے بعد اصطلاح

اسنادی کو درج کیا ہے" (ص۲)۔لیکن مولف نے کہیں یہ نہیں بتایا کہ "اسنادی" سے کیا مراد ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس سے مراد سرکاری کاغذات، دستاویزات، سند (ڈگری) اور تصدیق ناموں (سرٹیفکیٹ) میں استعمال ہونے والی اصطلاحات ہیں۔

اس کے کل ۳۱۸ صفحات ہیں۔لفظ کی اصل یا ماخذ زبان (عربی رفارسی رہندی) ظاہر کرنے کے لیے مخففات (ع رف ره) استعمال کیے ہیں۔اگرچہ یہ کام مفید ہے، اس میں بعض اصطلاحات کے مختلف معنی بھی ملتے ہیں، اس میں خاصی تحقیق سے کام لیا گیا ہے اور الفاظ کے عام معنی بھی درج کیے گئے ہیں (جو اکثر ایک سے زیادہ ہیں) لیکن بعض اصطلاحات کی تشریح میں غیر ضروری تفصیل اور تطویل سے کام لیا گیا ہے جس میں لغت کا معتد بہ حصہ صرف ہو گیا ہے۔ غیر ضروری تطویل اور تفصیل کے ضمن میں چند مثالیں پیش ہیں:

ایک اندراج "آب کاری" کا ہے۔اس کے مختلف معنی میں "سیندھی بیچنے والا" بھی شامل کیا ہے، جو درست ہے۔لیکن اس کے بعد چھے (۶) صفحات میں تفصیل دی ہے کہ سیندھی کے نشے کی کیا خصوصیات ہیں، کاشت کے علاقے کون سے ہیں، سیندھی کا محصول کس طرح کا ہے اور اس ضمن میں حکومت کو کیا کرنا چاہیے۔ نیز یہ کہ "تاڑی" اور "گلمہورہ" (جو بقول مولف ایک درخت ہے جس کے پھل کا نام "پرکا" ہے اور جسے سڑا کر شراب بنائی جاتی ہے) پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ نشے کے موضوع پر قرآنی آیات دی ہیں اور شراب کے نقصانات بتانے کے بعد اس پر محصول کے ضمن میں کچھ تجاویز پیش کی ہیں۔ظاہر ہے کہ لغت سے ان تفصیلات کا کوئی تعلق نہیں۔ لفظ "آگ" کی تشریح میں ہندوؤں میں آگ کی پوجا کا ذکر کر کے اس ضمن میں رامائن کا ایک قصہ تین (۳) صفحات میں بیان کیا ہے حالانکہ دفتری اصطلاحات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ لفظ "القاب" کے تحت تقریباً پچانوے (۹۵) صفحات میں تمام القابات اور ان کے پانے والوں کے نام دیے ہیں کیونکہ "شاہانِ دکن و شاہانِ ہند وغیرہ نے لکھ لکھ کر ہر ایک شخص کو مفتخر اور ممتاز فرمایا ہے" (ص۴۴)۔لفظ "بادشاہ" کے تحت پچاس (۵۰) سے زائد صفحات میں "ہندوستان اور متفرق ملکوں" (ص۱۸۶) کے بادشاہوں کے نام اور ان کا حال لکھا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ مولف کے ذہن میں لغت کی تالیف سے زیادہ دکن کے حاکموں کی خوشنودی کا خیال تھا۔

اس ساری تفصیل اور اطناب کا نتیجہ یہ نکلا کہ تین سو سترہ (۳۱۷) صفحات تک لغت حرف ''ب'' تک ہی پہنچ سکی اور آخر میں لکھ دیا گیا ''حصہ اول ختم شد''، حالانکہ ابتدا میں کہیں حصوں کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن اس تفصیل کا بہر حال کچھ نہ کچھ فائدہ بھی ہے۔ ایک تو بعض اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ثانیاً بعض الفاظ و اصطلاحات کی اہم تفصیلات بھی مل جاتی ہیں، مثلاً ''بیگہ'' کی قسمیں، ان کی پیمائشیں اور مختلف تاریخی ادوار میں رائج بیگوں (بیگھوں) کی تفصیلات اور ان میں ہونے والی تبدیلیاں۔ اسی طرح ''آل تمغا'' میں تمغوں سے مختلف تاریخی ادوار کی معلومات مل جاتی ہیں۔

یہ لغت اصطلاحات سے زیادہ دائرۃ المعارف یا ''انسائیکلو پیڈک ڈکشنری'' معلوم ہوتی ہے۔ مولف ایک قابل آدمی تھے اور ان کی ایک اور لغت ''دکنی لغت'' کے نام سے ہے۔ اگر جم کر لغت کا کام کرتے اور دکن کے حاکمِ وقت کی خوشنودی کے حصول سے زیادہ علمی کام کی فکر کرتے تو بہت اہم کام کر جاتے۔ بعض الفاظ اور اصطلاحات کے سلسلے میں خاصی تحقیق کی ہے اور ایسے معنی دیے ہیں جو نہ صرف دکن میں رائج تھے بلکہ باقی ہندوستان میں بھی دفاتر میں مروج تھے مگر کسی لغت میں ان کا اندراج نہیں ملتا۔ ایک ایسا ہی اندراج ''اخلاص نامہ'' کا ہے جس کے مختلف معنی درج کیے ہیں۔

لغاتِ نادرہ

اس لغت کا ذکر لغت نویسی پر لکھی گئی تحقیقی و تنقیدی کتابوں اور مقالات میں نہیں ملتا۔ صرف محترم ابو سلمان شاہ جہاں پوری صاحب نے اس کا ذکر اپنی ''کتابیاتِ لغاتِ اردو'' میں کیا ہے۔[8] البتہ اس کا نام کتابت کی غلطی سے لغاتِ نادرہ کی بجائے نادری لکھا گیا ہے۔ صحیح نام لغاتِ نادرہ ہے۔ اس کے مولف کا نام ابو سلمان صاحب نے نادر حسین لکھا ہے لیکن یہ نام نامکمل ہے۔ مولف کا پورا نام نادر حسین عزیز بلگرامی ہے۔ کتاب کا نام تاریخی ہے اور اس سے ۱۳۱۴ (ہجری) کا سال برآمد ہوتا ہے۔

یہ لغت پہلی بار ۱۸۹۶ء میں مطبع نامی، لکھنؤ، سے شائع ہوئی تھی۔ غالباً دوبارہ نہیں چھپی۔ کل صفحات چوراسی (۸۴) ہیں اور آخری صفحے پر ''خاتمۃ الطبع'' کے زیرِ عنوان ترقیمہ ہے جس میں مولف کا نام نہیں دیا گیا لیکن ناشر نے اپنا نام دیا ہے اور لکھا ہے کہ ''اول بار ماہِ محرم الحرام

۱۳۱۴ ہجری مطابق ماہِ جون ۱۸۹۶ء مطبعِ نامی لکھنؤ میں طبع ہو کے مطبوعِ طبعِ منشیانِ جادو نگار و مقبولِ خاطرِ جادو نگارانِ عالی اذکار ہوئی''۔

یہ لغت خصوصی کہلانے کی یوں مستحق ہے کہ اس میں ''خاص'' قسم کے الفاظ درج ہیں اور اسی مناسبت سے اس کا نام بھی رکھا گیا ہے۔ کتاب کی وجہِ تالیف ابتدا میں ایک صفحے کے دیباچے میں یوں بیان کی ہے کہ عرصے سے شکایت سنی جاتی تھی کہ اختلافِ حرکات سے لغات [یعنی با معنی لفظ] کے معنی بدل جاتے ہیں جس سے تکلیف ہوتی ہے اور اس شکایت کے رفع کرنے کے خیال سے یہ لغت لکھی گئی ہے۔ گویا اس میں وہ الفاظ درج ہیں جن کے ابتدائی حروف میں حرکات کے بدل جانے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ اس ضمن میں مولف نے فتحہ (زبر) کے لیے ''ف''، کسرہ (زیر) کے لیے ''ک'' اور ضمہ (پیش) کے لیے ''ض'' کی علامت مقرر کی ہے۔ مثلاً پہلا اندراج ''ابدال'' کا ہے۔ اس کے ساتھ ''ف'' لکھ کر (اَبدال کے) معنی دیے ہیں: ''اولیاء اللہ کے ایک گروہ کا نام ہے''۔ پھر ''ک'' لکھ کر (اِبدال) کے معنی لکھے ہیں: ''بدل کرنا، بدل دینا'' (ص ۳)۔ آخری اندراج ''یمنہ'' کا ہے۔ فتحہ کے ساتھ معنی درج ہیں: ''داہنی طرف'' اور ضمے کے ساتھ معنی لکھے ہیں: ''مبارک، خجستہ'' (ص ۸۴)۔

دیباچے میں ان لغات کے نام بھی درج ہیں جن سے مولف نے استناد کیا ہے۔ اس فہرست میں عربی و فارسی کی لغات مثلاً تاج المصادر، صراح، قاموس، منتہی الارب، بہارِ عجم، غیاث اللغات، مصطلحاتِ وارستہ، برہانِ قاطع وغیرہ کے ساتھ اردو کی بعض لغات کے بھی نام درج ہیں، مثال کے طور پر لغاتِ فیروزی، لغاتِ کشوری۔ بعض مقامات پر ترتیب حروفِ تہجی غلط ہے، مثلاً ''رخ'' کا اندراج پہلے اور ''رخ'' کا بعد میں ہے۔

کتاب چھوٹی تقطیع پر چھپی ہے اور ہر صفحے پر دو کالم ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس مختصر سی لغت میں ایسے تمام الفاظ نہیں سما سکتے جن کے اعراب میں ذرا سے فرق سے معنی بدل جاتے ہیں لیکن بہر حال مفید کام ہے۔

☆ دکن کی زبان

اس کے مولف بھی میر لطف علی عارف ابوالعلائی ہیں۔ لغت میں ان کے نام کے ساتھ

''قاضی پرگنہ ہتنورہ'' بھی درج ہے۔ یہ حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی لیکن سالِ اشاعت درج نہیں۔ البتہ مولف کے دیباچے پر ۲۱ر رمضان ۱۳۵۴ھ [۱۹۳۵ء] کی تاریخ پڑی ہے۔ ابتدا میں ''سید علی اکبر اکبر حیدرآبادی، ناملی، ادبیہ'' (ناملی حیدرآباد کا علاقہ ہے) کی جانب سے ایک عبارت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ''اس کتاب میں ایک لاکھ سے زائد محاورے اور روزمرہ درج ہیں'' نیز یہ کہ ''یہ کتاب ۳۰ر اقساط میں شائع ہو رہی ہے''۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ دیگر حصوں راقساط کی طباعت یا تالیف نہیں ہوسکی اور غالباً ایک ہی حصہ شائع ہو کر رہ گیا۔

اس لغت کی بعض خصوصیات مولف ہی کے الفاظ میں پیش کرنا بہتر ہوگا۔ مولف نے دیباچے میں لکھا ہے کہ:

> ''اس کتاب میں دکن کی قدیم زبان ِ اردو کے فصیح اور غیر فصیح ہونے کے اصول صحیح معیار پر بیان کیے گئے ہیں اور اس کی ترتیب اس طرح دی گئی ہے [کذا] پہلے دکن کی روزمرہ بول چال اور محاورات کو بلحاظِ حروف تہجی لغت قرار دیا ہے [یہاں لغت سے مراد ہے بامعنی لفظ جس کی تشریح کی جائے] پھر اس کا ترجمہ [کذا: غالباً تشریح مراد ہے] اور اس کی نظیر میں کوئی شعر نہ ملنے کی صورت میں فقرے لکھ دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد فصیح یا غیر فصیح کا بھی اظہار کر دیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ اس لغت میں ہم نے جہاں کہیں کوئی محاورہ خاص دکن کی زبان سے متعلق ہے [کذا: غالباً ''درج کیا'' کے الفاظ سہوِ کاتب سے رہ گئے ہیں] تو اس کی صراحت کر دی ہے جس کی علامت ''دکن'' ہے۔ جہاں اس امر کی کوئی صراحت نہیں ہے تو یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ مشترکہ زبان اور محاورے ہیں جو دکن اور لکھنؤ اور دہلی میں قدیم سے مستعمل ہیں۔ دکن کے شعرا کا کلام پیش کیا گیا ہے اس میں دکھنی سے مراد ۱۲۰۰ ہجری تک کے شعرا ہیں اور حیدرآبادی سے ۱۲۰۰ ہجری کے شعرا مراد ہیں [کذا: ۱۲۰۰ ہجری'' کے بعد'' چاہیے]۔ اس تالیف سے ہمارا منشا یہ ہے کہ فصحائے لکھنؤ، دہلی اور

حیدر آباد کی زبان ایک تھی اور عوام کی یہ غلط فہمیاں کہ دکن کی قدیم زبانِ اردو غیر فصیح ہے دور ہو جائیں''۔ (ص ۴)

اس کے بعد چار صفحات میں ''فصحاے حال نے جو اصول قرار دیے ہیں'' وہ بیان کیے ہیں۔ اڑتالیس صفحات کی اس لغت میں ہر صفحے پر دو کالم ہیں۔ محاورات اور فقرے بھی درج کیے ہیں۔ اندراجات کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ تشریحات مختصر ہیں، مترادفات بھی دیے ہیں لیکن کم ہیں۔ لغت اگر مکمل ہو جاتی تو بالخصوص دکنی الفاظ و محاورات کے ضمن میں بہت مفید ثابت ہوتی۔

☆ دکنی لغت

شعار ہاشمی کی مولفہ یہ لغت اتنی چھوٹی تقطیع پر چھپی تھی کہ اسے جیبی لغت ہی کہنا چاہیے۔ دیباچے، تقریظ، متن اور ضمیمے کے کُل ایک سو ستائیس (۶+۱۰۴+۱۷) صفحات پر محیط اس لغت میں ایک صفحے پر اوسطاً دس گیارہ اندراجات ہیں۔ گویا اندراجات کی تعداد بھی کم ہے اور ضمیمے میں دیے گئے الفاظ کو ملا کر یہ بارہ سو (۱۲۰۰) کے قریب ہوں گے۔ علامہ عبداللہ عمادی (متوفی ۱۹۴۷ء) نے اپنی تقریظ میں لکھا ہے کہ ''پانچ صدیوں سے دکنی زبان نہ صرف بولی جاتی ہے بلکہ اس کے کئی کئی دواوین و کتبِ ادبیہ بھی مرتب و مدون ہیں، با ایں ہمہ اب تک کسی نے اس زبان کے متعلق کوئی چھوٹا یا بڑا لغت مدون نہیں کیا کہ قدیم شعراء و ادباءِ دکن کے کلام کا مفہوم پوری طرح سمجھ میں آ سکتا''۔ مکتبۂ ابراہیمیہ، حیدر آباد دکن، سے شائع شدہ اس لغت پر کوئی سالِ تصنیف یا سالِ طباعت نہیں ہے۔ البتہ اس سے قبل دکنی کی بعض لغات یا فرہنگیں شائع ہو چکی تھیں۔

لیکن اس لغت کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں دکن میں بولی جانے والی اردو (جس کو مولف نے اپنے دیباچے بعنوان ''تمہید'' میں ''ایک قدیم اور مستقل زبان'' قرار دیا ہے) کے بعض دلچسپ اور مختلف الفاظ یا عام الفاظ کے مختلف معنی درج کیے ہیں۔ مثال کے طور پر ''اپن'' (یعنی ہم) تو عام ہے لیکن اس لغت میں ''اپن تپن'' (یعنی ہم تم) بھی درج ہے جو ذرا کم ہی ملتا ہے۔ اسی طرح ''باج'' (بغیر، بن)، ''بھڑو'' (یعنی کھیل کا ساتھی جو ایک ہی ٹیم میں ہو)، ''پھٹنا'' (یعنی ادا ہونا، بے باق ہونا)، ''توڑی'' (یعنی تک، تلک)، ''جاستی'' (یعنی زیادتی)، ''چلر'' (ریزگاری)، ''رام پھل'' (ایک قسم کا بڑا شریفہ)، ''سچی مچی'' (سچ مچ)، ''مکھون'' (کھٹمل)، ''ویتے''

(مصیبت، آفت)، ''منجھ'' (مجھ)، ''کوچ'' (کو ہی، جیسے اس کوچ یعنی اس کو ہی، اسی کو)، ''میچ'' (میں ہی)۔

فت میں کہیں کہیں اعراب لگائے گئے ہیں لیکن اعراب کا کوئی باقاعدہ اور مکمل نظام نہیں ہے۔

☆ مطالبِ غرا

فت کا یہ نام تاریخی ہے اور اس سے ۱۲۸۳ کے اعداد نکلتے ہیں جو اس کا سالِ تالیف ہے۔ مطبع مظہر العجائب، مدراس، سے شائع ہوئی۔ ترقیمے میں قطعاتِ تاریخ سے بھی ۱۲۸۳ ہجری (۱۸۶۳ء) کا سال نکل رہا ہے اور کاتب نے ''تمت'' لکھ کر ۱۲۸۵ کے عدد لکھے ہیں، گویا تالیف وراشاعت [یا کتابت؟] میں دو سال کا فصل ہے۔ سرورق پر کی عبارت کچھ یوں ہے:

''بفضلہٖ تعالیٰ شانہٗ کتابِ لاجواب نسخۂ کثیر الفوائد

مجموعۂ خطیر النفائد دستور العمل شعرا موسوم بہ

مطالبِ غرا

۱۲۸۳

از مولفاتِ شاعرِ شیریں بیانِ نکتہ سنج ومحاورہ دانِ جادو سخن

رنگیں کلام نقش تخلص مولوی محمد نصیر الدین سلمہٗ السلام باہتمام سید جمال الدین صاحب

در مطبع مظہر العجائب واقع مدراس مطبوع گردید''

جیسا کہ منقولہ بالا عبارت سے ظاہر ہے محمد نصیر الدین المتخلص بہ نقش اس کے مولف ہیں جو بقول خود ان کے ''ساکنِ بلدۂ فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن'' تھے (ص ۱)۔ ابتدا میں لکھتے ہیں کہ:

''نفس اللغہ مرتبہ میر علی اوسط رشک لکھنوی، اصل قلمی میر مذکور کی دستخطی اور مخزن الفوائد [کذا: درست نام مخزنِ فوائد ہے] مطبوع نیاز علی بیگ نکہت شاہجہاں آبادی کی مطالعے میں رہیں۔ جب جو الفاظ ذو معنیین و معانی زبان پر آئے وہ ان اوراق میں قلم بند کیے گئے اور اشعار اور نظائر بھی لکھ دیے گئے''۔ (ص ۲)

اس عبارت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ دو یا زیادہ معنی رکھنے والے یہ الفاظ اور ان کی اسناد

مذکورہ بالا لغات میں موجود نہیں۔ یہ لغت بہت مفید ہوتی مگر اس کی ضخامت بہت کم ہے۔ یہ صرف پچاس (۵۰) صفحات پر مبنی ہے اس لحاظ سے اس کی افادیت بھی محدود ہے پہلا اندراج ''آبِ رواں'' کا ہے اور اس کے دو معنی دیے ہیں یعنی ''آبِ جاری'' اور پھر اس کی سند خود اپنے شعر سے دی ہے۔ پھر دوسرے معنی درج کیے ہیں ''ایک قسم پارچہ کی'' اور رشک کا شعر سند میں دیا ہے۔ کئی اسناد معروف شعرا کی بھی ہیں مثلاً میر تقی میر، آتش، نسیم، ناسخ، قلق، مومن، میر درد، انشا، ذوق، جرأت، جان صاحب وغیرہ۔

کاتب نے اکثر مقامات پر یائے معروف اور یائے مجہول میں فرق روا نہیں رکھا۔

حواشی

۱۔ آر آر کے ہارٹ مین (R.R.K Hartmann) اور گریگری جیمز (Gregory James)، Dictionary of lexicography، ص ۱۲۹۔

۲۔ خصوصی لغات کی تفصیلات کے لیے: آر آر کے ہارٹ مین (R.R.K. Hartmann) اور گریگری جیمز (Gregory James)، Dictionary of lexicography، ص ۱۲۹؛ نیز سڈنی آئی لینڈو (Sydney I. Landau)، Dictionaries: the art and craft of lexicography، ۲۲-۳۰؛ گیان چند، عام لسانیات، ص ۵۶۱-۵۵۶۔

۳۔ آر آر کے ہارٹ مین اور گریگری جیمز، محولہ بالا، ص ۱۲۹۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ بی ٹی اٹکنس (B.T. Atkins) اور مائیکل رنڈل (Michael Rundell)، The Oxford guide to practical lexicography، ص ۲۴ نیز حاشیہ ص ۲۴۔

۶۔ ایضاً، ص ۲۹-۲۴

۷۔ آر آر کے ہارٹ مین اور گریگری جیمز، محولہ بالا، ص ۱۳۹۔

۸۔ ص ۶۹۔

مآخذ

۱۔ ابو سلمان شاہ جہاں پوری، کتابیاتِ لغاتِ اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء۔

۲۔ آر آر کے ہارٹ مین (R.R.K. Hartmann) اور گریگری جیمز (Gregory James)، Dictionary of lexicography، روٹلیج، لندن، ۱۹۹۸ء۔

۳۔ بی ٹی اٹکنس (B.T. Atkins) اور مائیکل رنڈل (Michael Rundell)، The Oxford guide to practical lexicography، اوکسفرڈ، ۲۰۰۸ء۔

۴۔ سڈنی آئی لینڈو (Sydney I. Landau)، Dictionaries: the art and craft of lexicography، چارلس اسکربنرز سنز، نیو یارک، ۱۹۸۴ء۔

۵۔ گیان چند، عام لسانیات، ترقی اردو بیورو، دہلی، ۱۹۸۵ء۔

جان ٹی پلیٹس، اس کی اردو بہ انگریزی لغت، اس کے پیش رو اور مقلد

عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ برعظیم پاک و ہند کی زبانوں اور ادب پر کام کرنے والے مستشرقین کے بنیادی مقاصد استعماریت کے ماتحت تھے اور لغت نویسی یا زبان و ادب پر ان کی تحقیق کا مقصد بھی ہندوستان پر برطانوی سامراج کی گرفت کو مضبوط کرنے میں مدد دینا تھا۔ لیکن بقول شان الحق حقی یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ انگریز لغت نگار صرف سیاسی و انتظامی مصلحتوں کی بنا پر لغت نویسی سے دل چسپی رکھتے تھے۔ بقول ان کے انگریزوں کے علمی شغف اور زبان سے سچی دل چسپی کا اعتراف کرنا چاہیے[1]۔

حقیقت یہ ہے کہ بعض مستشرقین کی لغت نویسی کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی مقامی زبانوں سے دل چسپی لسانی اور مذہبی وجوہ سے تھی لیکن اس کے پسِ پشت سیاسی بھی مقاصد کارفرما تھے[2]۔ جان گلکرسٹ کے بارے میں بھی خیال ہے کہ اس نے ذاتی ترقی کے علاوہ انگریزی سامراج کے قیام اور بقا کے لیے مقامی زبانیں سیکھنے اور سکھانے پر زور دیا[3]۔ گلکرسٹ نے بھانپ لیا تھا کہ ہندوستان کا بوڑھا جاگیردارانہ نظام اس کے اپنے ملک کے تجارتی سامراج کے آگے ٹک نہ سکے گا اور اس کا خیال تھا انگریزی سامراج کے قیام اور بقا کے علاوہ تجارتی مصلحتوں کے تحت بھی سامراج کے بدیشی اہل کاروں کو ایک ایسی زبان سیکھنا پڑے گی جو ملک گیر ہو[4] اور ایسی زبان اس وقت اردو ہی تھی جسے یورپی ماہرین نے مختلف نام (بشمول ہندوستانی) دیے۔ ہندی کا وجود اس وقت تک الگ زبان کی حیثیت سے تھا بھی تو اس میں ناگری رسم الخط میں کتابوں کی تعداد بہت کم تھی بقول گیان چند جیسا آدمی بھی تسلیم کرتا ہے کہ اس وقت "برج بھاشا اور

کھڑی بولی ہندی'' میں ''دس دس گیارہ گیارہ'' کتابیں ہی وجود رکھتی تھیں ۵۔

☆ پلیٹس کا تعارف

لیکن اس میں شک نہیں کہ ان انگریز لغت نویسوں اور قواعد نویسوں کے اردو زبان پر اور اردو لغت نویسی پر بڑے احسانات ہیں جنھوں نے اردو بہ انگریزی لغات اور اردو قواعد کے ابتدائی کام کیے۔ کیونکہ ایک تو اس سے اردو کے ذخیرۂ الفاظ اور متعلقاتِ زبان کا بہت بڑا ذخیرہ محفوظ ہو گیا، قواعد منضبط ہونے لگی اور دوسرے انہی مستشرقین کے اثر سے اردو میں صحیح معنوں میں لغت نویسی کا آغاز ہوا اور جامع و ضخیم اردو بہ اردو لغات کی تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ گو ''دیگر'' مقاصد کی موجودگی سے یکسر انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اردو لغت نویسی جن مستشرقین کی احسان مند رہے گی ان میں ایک جان ٹی پلیٹس (John T Platts) بھی ہے۔ پلیٹس نے اپنی لغت کی تالیف میں جس تحقیق و تدقیق اور جگر کاوی سے کام لیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے مقاصد سیاسی یا تبلیغی نہیں بلکہ علمی، تعلیمی اور لسانی تھے ۶۔ درحقیقت پلیٹس کی لغت نہ صرف اپنے پیش رووں کی لغات سے کہیں بہتر ہے بلکہ اس کے بعد بھی اردو بہ انگریزی لغات کے مرتبین میں سے کوئی بھی اس کے درجے کو نہیں پہنچ سکا۔ اس کے پیش رووں میں سے بھی صرف ایس ڈبلیو فیلن (S W. Fallon) (۱۸۸۰ء۔۱۸۱۷ء) ہی ہے جس نے ماقبل کی اردو بہ انگریزی لغات میں بہت کچھ اضافہ اور ترمیم کر کے اردو لغت نویسی کو نئی راہ دکھائی ۷۔

پلیٹس کے حالاتِ زندگی کے بارے میں اردو میں کم ہی معلومات دست یاب ہیں اور جو دست یاب ہیں وہ بھی بیشتر سی۔ ای۔ بک لینڈ (C. E.Buckland) کی کتاب ڈکشنری اوف انڈین بایوگرافی (Dictionary of Indian Biography) سے ماخوذ ہیں ۸۔ البتہ برطانوی سوانحی لغت ڈکشنری اوف نیشنل بایوگرافی (Dictionary of National Biography) کے ضمیمہ ۱۹۱۲ء میں شامل جارج رینکنگ (George Ranking) (۱۹۳۴ء۔۱۸۵۲ء) کے محررہ مضمون میں پلیٹس کے بارے میں خاصی معلومات ملتی ہیں ۹۔ چونکہ اردو میں پلیٹس کے بارے میں معلومات کی کمی ہے لہٰذا ان دونوں ماخذوں، بالخصوص رینکنگ کے مضمون، میں دی گئی

معلومات کا حاصل یہاں پیش کیا جا رہا ہے:

پلیٹس کا پورا نام جان تھامسن پلیٹس John Thompson Platts تھا۔ وہ یکم اگست ۱۸۳۰ء کو کلکتے میں پیدا ہوا۔ اس کے والد کا نام رابرٹ پلیٹس تھا اور وہ اس کا دوسرا بیٹا تھا۔ والد چل بسے اور پیچھے ایک بیوہ، بڑا خاندان اور نامساعد حالات چھوڑ گئے۔ جان پلیٹس انگلستان چلا گیا اور بظاہر یہ لگتا ہے کہ اس نے بیڈفورڈ میں تعلیم نجی طور پر حاصل کی۔ نوجوانی کے عالم میں واپس ہندوستان آ گیا۔ بک لینڈ کے مطابق پلیٹس ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران میں سی پی (سنٹرل پروونس) میں انسپکٹر اوف اسکولز تھا اور بنارس کالج کا ہیڈ ماسٹر بھی رہا۔ لیکن ریننگ کے مطابق ۵۹۔۱۸۵۸ء میں پلیٹس بنارس کالج میں ریاضی کا استاد تھا۔ اسے ۱۸۵۹ء میں ساگر اسکول (Saugor School) کا انچارج بنایا گیا جہاں وہ ۱۸۶۱ء تک رہا (ساگر اب مدھیا پردیش کا حصہ ہے اور ضلع ہے، پہلے ضلع جبل پور میں شامل تھا۔ اس کے نام کے برطانوی دور کے انگریزی ہجے یعنی Saugor بدل کر Sagar کر دیے گئے ہیں)۔ ۱۸۶۱ء میں اسے ریاضی کا پروفیسر اور بنارس کالج کا ہیڈ ماسٹر بنایا گیا۔ ۱۸۶۴ء میں پلیٹس کا تبادلہ بطور اسسٹنٹ انسپکٹر اوف اسکولز شمال مغربی صوبجات ہو گیا اور ۱۸۶۸ء میں اسے قائم مقام انسپکٹر اوف اسکولز بنایا گیا۔ ۱۷؍ مارچ ۱۸۷۲ء کو اس نے خرابیٔ صحت کی بنا پر سبک دوشی (ریٹائرمنٹ) لے لی، انگلستان چلا گیا، ایلنگ (Ealing) میں جا بسا اور اردو اور فارسی پڑھانے لگا (اس زمانے میں ایلنگ لندن کے مضافات میں ایک "برا" (Borough) یعنی ایسا شہر تھا جس کی اپنی میونسپلٹی اور پارلیمنٹ میں نمائندگی ہو)۔ ۲؍ جون ۱۸۸۰ء کو پلیٹس اوکسفرڈ یونی ورسٹی میں فارسی کا استاد ہو گیا۔ ۲۱؍ ستمبر ۱۹۰۴ء کو پلیٹس اچانک چل بسا اور ۲۶؍ ستمبر کو اس کی اوکسفرڈ کے قریب وول ورکوٹ (Wolvercote) کے قبرستان میں تدفین ہوئی۔

پلیٹس نے دو شادیاں کیں۔ پہلی شادی لاہور میں ۱۸۵۶ء میں ایلس جین کنین (Alice Jane Kanyon) سے کی جو ۱۸۷۴ء میں راہیٔ ملکِ عدم ہوئی۔ اس سے پلیٹس کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں۔ پلیٹس نے دوسری شادی ۱۸۷۶ء میں میری الزبتھ (Mary Elizabeth) نامی ایک آسٹریلوی بیوہ سے کی جس سے اس کے ایک بیٹا ہوا۔ اسی خاتون کو ۱۹۰۵ء میں پلیٹس کی

پنشن ملی۔

☆☆ پلیٹس کی تصنیفات و تالیفات

جان ٹی پلیٹس کی مصنفہ و مولفہ کتابوں کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

۱۔ A companion to Wrigley's collection of examples and problems

یہ کتاب پلیٹس نے الفریڈ رگلی کے ساتھ مل کر لکھی تھی۔ یہ ریاضی کے طلبہ کے لیے ہے اور ۱۸۶۱ء میں لندن سے شائع ہوئی۔

۲۔ The Gulistan of Shaikh Muslihu-Ddin Sa'adi of Shiraz

یہ دراصل سعدی شیرازی کی معروف کتاب "گلستان" کا محقق متن ہے۔ فارسی متن کے ساتھ فارسی بہ انگریزی فرہنگ ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ ایک میں گلستان کا مکمل فارسی متن ہے جو ایک سو بہتر (۱۷۲) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی لوح کی عبارت یہ ہے:

گلستانِ

شیخ مصلح الدین سعدی

بتصحیح جے ٹی پلاٹس صاحب

در دار الحکومت لنڈن

مطبع ولیم ایچ الن انڈ کمپنی نمبر ۱۳ واٹرلو پیلس طبع آرائش یافت

سن ۱۸۷۰ عیسوی

یہاں یہ وضاحت کر دی جائے کہ چونکہ فارسی میں "ٹ" اور "ڈ" وجود نہیں رکھتے لہٰذا اس لوح میں ان حروف پر طرزِ قدیم کے مطابق چار چار نقطے ڈالے گئے ہیں۔ نیز پلیٹس کے نام میں "جے" کو "جی" لکھا گیا ہے یعنی اس میں یاے مجہول کی بجائے یاے معروف لکھی گئی ہے۔ انگریزی کی لوح پر البتہ سالِ اشاعت ۱۸۷۰ء کی بجائے ۱۸۷۱ء درج ہے اور پلیٹس کے مقدمے پر بھی ۲۲ رمارچ ۱۸۷۱ء کی تاریخ پڑی ہے۔ انگریزی لوح پر کتاب کے نام اور مولف کے نام کے بعد لکھا ہے:

A new edition

carefully collated with original MSS

with a full vocabulary

لفظ new سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے قبل بھی اس کا کوئی ایڈیشن شائع ہو چکا تھا۔

مختصر انگریزی مقدمے میں پلیٹس نے بتایا ہے کہ اس نے کئی قلمی نسخوں، بشمول نسخۂ جانسن اور نسخۂ اسپرنگر، سے اس متن کی تیاری میں مدد لی ہے بالخصوص اسپرنگر کے نسخے کو ترجیح دی ہے اور اس کی وجہ اس کی صحت بیان کی ہے۔ اسپرنگر نے گلستانِ سعدی کا ترجمہ ۱۸۵۱ء میں کیا تھا۔[۱۰] پلیٹس کے مطابق اس کا ارادہ تفصیلی مقدمہ اور سعدی کی حیات لکھنے کا بھی تھا مگر اشاعت میں تاخیر کے خیال سے اسے پھر کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھا (شاید فارسی لوح پر سال ۱۸۷۰ء لکھے جانے کی وجہ بھی یہی ہو کہ وہ حصہ پریس کے لیے پہلے تیار ہو گیا ہوگا)۔ دوسرا حصہ یعنی فارسی بہ انگریزی فرہنگ ایک سو چھبیس (۱۲۶) صفحات پر مشتمل ہے اور ایک صفحے کا صحت نامہ بھی ہے۔ اس نے فرہنگ میں عربی فقرے اور تراکیب بھی لے لی ہیں جس سے فرہنگ کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

اطلاع ہے کہ پلیٹس نے بعد میں اس کا ایک اور ایڈیشن بھی تیار کیا تھا جس میں اس نے ضروری وضاحتیں بھی دی تھیں۔ یہ ایڈیشن مع حواشی و سوانحِ شاعر ۱۸۷۳ء میں شائع ہوا۔ لیکن افسوس کہ راقم کی اس تک رسائی نہ ہو سکی۔ البتہ ریننگ نے پلیٹس کی ایک کتاب کا ذکر The Gulistan of Sa'adi کے نام سے کیا ہے۔ اس کے مطابق یہ گلستان کا انگریزی ترجمہ ہے اور اس کا سالِ اشاعت ۱۸۷۶ء بتایا ہے۔ ریننگ نے پلیٹس کی کتابوں میں Sa'di (Shaikh Muslihuddin Shirazi) کو بھی شامل کیا ہے۔

۳۔ A grammar of the Hindustani or Urdu language

یہ پہلی بار ۱۸۷۴ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ اس کی چوتھی طباعت (لندن، ۱۹۰۴ء) کا ایک نسخہ انجمن ترقیٔ اردو (کراچی) کے کتب خانے میں موجود ہے اور راقم کو اسے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ اس کے کل ۳۹۹ صفحات ہیں اور دیباچے کے علاوہ بارہ (۱۲) ابواب ہیں۔ ایک ضمیمہ بھی

ہے جس میں اسلامی اور ہندی تقویم دی ہے، مہینوں اور دنوں کے نام درج کیے ہیں۔

یہ ایک تفصیلی قواعد ہے اور صرف اور نحو پر الگ الگ بحث کی ہے۔ ابتدائی باب میں اردو املا، حروفِ تہجی، مصوتوں اور اعراب وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ پلیٹس کو اردو زبان پر عبور حاصل تھا۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ اس کی چھٹی طباعت لندن سے ۱۹۲۰ء میں عمل میں آئی (جس کا ایک نسخہ اردو لغت بورڈ، کراچی، کے کتب خانے میں موجود ہے اور راقم کو اسے وہاں دیکھنے کا موقع ملا)۔ کچھ عرصے قبل ایک ایڈیشن ہندوستان سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ (کتاب کے نام میں ''ہندوستانی یا اردو'' کے الفاظ اس حقیقت کا ثبوت ہیں کہ پہلے ''ہندوستانی'' دراصل اردو ہی کا نام تھا۔)

۴۔ Ikhwanus-Safa

یہ مولوی اکرام علی کی ''اخوان الصفا'' کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اخوان الصفا اصلاً عربی زبان میں چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) میں عراق میں لکھی گئی تھی اور باون (۵۲) رسائل (بعض روایات کے مطابق اکیاون (۵۱) رسائل) پر مشتمل تھی۔ اس کا موضوع معرفت اور فلسفہ ہے۔ اس کی طوالت، تکرار، پیچیدہ زبان اور موعظانہ انداز کے باوجود بعض حلقوں میں اس نے انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت اختیار کر لی [۱۱]۔ یاد رہے کہ اخوان الصفا کا ایک ترجمہ معروف لغت نویس اور مستشرق ڈنکن فوربس (Duncan Forbes) (۱۷۹۸ء۔۱۸۶۸ء) نے بھی کیا تھا اور فوربس کے ترجمے میں کتاب کے نام میں ابتدا میں لفظ The بھی لکھا گیا تھا۔ افسوس پلیٹس کے اس ترجمے کی مزید تفصیلات دست یاب نہ ہو سکیں، صرف یہ معلوم ہو سکا کہ یہ ۱۸۷۵ء میں شائع ہوا تھا۔

۵۔ The Baital Pachchisi

سنسکرت کی مشہور داستان ''ویتال پنچو م شتی'' ہندی میں ''بیتال پچیسی'' کے نام سے ہے۔ ڈاکٹر آغا افتخار حسین کے مطابق پلیٹس نے ڈنکن فوربس کے ساتھ مل کر بیتال پچیسی کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو ۱۸۷۱ء میں لندن سے شائع ہوا [۱۲]۔ لیکن ہماری نظر سے بیتال پچیسی کا جو انگریزی ترجمہ نظر سے گزرا ہے اس کی لوح کچھ یوں ہے:

The Baital Pachchisi

or the

Twenty-five tales of a spirite

translated from the Hindi text of

Dr Duncan Forbes

by

John Platts

گویا یہ ڈنکن فوربس کے ہندی ترجمے کا انگریزی ترجمہ ہے اور یہ لندن سے ۱۸۷۱ء میں ایچ ایلن اینڈ کمپنی نے شائع کیا تھا۔ اس کے کل دو سو چار صفحات ہیں۔ ''دیباچۂ مترجم'' کے عنوان سے پلیٹس نے انگریزی دیباچے میں لکھا ہے کہ یہ ترجمہ بے حد اصرار پر کیا جارہا ہے اور اس ترجمے کا مقصد طالب علموں کو اصل متن کے مطالعے میں مدد اور سہولت فراہم کرنا ہے۔ اسی لیے، بقول پلیٹس، جہاں تک ممکن ہو سکا انگریزی محاورے کو مجروح کیے بغیر اسے اصل سے قریب تر رکھا گیا ہے۔ پلیٹس نے پاورقی وضاحتی حواشی بھی لکھے ہیں اور کئی الفاظ وتراکیب کا حواشی میں لفظی ترجمہ کر کے وضاحت بھی کی ہے۔ مثلاً صفحہ ۲۴ پر وہ پاورقی حاشیے میں لکھتا ہے کہ ''بھید چترائی میرے نزدیک مرکب ہے۔ دیگر مترجمین نے اس کا ترجمہ the secrets of your cleverness کیا ہے جو قواعد کے لحاظ سے بھی ٹھیک نہیں ہے اور مفہوم بھی ادا نہیں کرتا''۔ خود پلیٹس نے اس کا ترجمہ skill in reading secrets کیا ہے۔

ممکن ہے آغا افتخار صاحب نے اسی کتاب کا ذکر کیا ہو۔ لیکن بیتال پچیسی کے کئی زبانوں میں تراجم ہوئے ہیں۔ انگریزی میں بھی اس کے مختلف ترجمے کیے گئے اور ڈنکن فوربس نے اس کا ایک ترجمہ انگریزی میں Baital Pachchisi: tewnty-five tales of a demon کے نام سے کیا تھا۔

۶۔ ڈنکن فوربس کی کتابوں کی ترتیب وتدوین

پلیٹس نے ڈنکن فاربس کی مرتبہ بعض کتابوں کی ترتیب وتدوین بھی کی اور ان کتابوں کے

نئے ایڈیشن چھپے تو ان پر فاربس کے ساتھ پلیٹس کا بھی نام تھا، مثلاً A grammar of the Persian language کے نام سے ڈنکن فوربس کی ایک کتاب ہے۔ اس کا ایک ایڈیشن جس پر پلیٹس کا بھی نام لکھا ہے، ۱۸۹۴ء میں لندن سے چھپا۔

۷۔ A Hindustani-English dictionary

اس لغت کا ذکر جارج رینکنگ نے کیا ہے۔ رینکنگ کے مطابق یہ لغت ۱۸۸۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ لیکن اس نام سے ڈنکن فاربس کی بھی ایک لغت شائع ہوئی تھی اور ایسا لگتا ہے کہ ڈنکن فاربس کی لغت کی ترتیبِ نو میں پلیٹس نے کچھ کام کیا ہوگا۔ افسوس راقم کی رسائی اس کتاب تک نہ ہوسکی لہٰذا حتمی طور پر کچھ کہنا ممکن نہیں۔

۸۔ A dictionary of Urdu, classical Hindi and English

یہی وہ کتاب ہے جس نے پلیٹس کو شہرتِ عام اور بقاے دوام عطا کی ہے۔ ہم اسی پر کچھ تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ یہ لغت پہلی بار ۱۸۸۴ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ اس کے کئی ایڈیشن آزادی سے قبل بھی شائع ہوئے اور آزادی کے بعد بھی پاکستان اور ہندوستان کے مختلف ناشرین نے اس کا عکس لے کر ایڈیشن شائع کیے ہیں۔

☆ پلیٹس کی لغت کا تعارف

پلیٹس کی ''اے ڈکشنری اوف اردو، کلاسیکل ہندی اینڈ انگلش'' (۱۸۸۴ء) بارہ سو چون (۱۲۵۴) صفحات پر محیط ہے۔ اس کے علاوہ اس میں پانچ صفحات کا صحت نامہ شامل ہے اور اس طرح اس کے کُل بارہ سوانسٹھ (۱۲۵۹) صفحات ہیں۔ خاصا تفصیلی کام ہے اور اسی لیے اسے بڑے مسطر اور باریک حروف میں شائع کیا گیا۔ اس کے لیے خصوصی ٹائپ بنوایا گیا جو قابلِ تحسین ہے ورنہ اس کی ضخامت کہیں زیادہ ہوتی [۱۳]۔ پلیٹس کی لغت صرف وسعت اور ضخامت ہی کے لحاظ سے نہیں بلکہ صحتِ طباعت کے لحاظ سے بھی مثالی ہے[۱۴]۔

☆ ذخیرۂ الفاظ

پلیٹس کی اس لغت کی ایک بڑی خوبی اس کا وسیع ذخیرۂ الفاظ ہے۔ خاص کر بنیادی مفرد لفظ یا ''راس لفظ'' (headword) کے اندراج کے بعد وہ جو تحتی یا ذیلی مرکبات، محاورات، کہاوتیں

اور اصطلاحات درج کرتا ہے وہ بہت متنوع اور کثیر ہیں اور ان میں خاصی تعداد ایسے تحتی مرکبات کی ہے جو اردو کی بعض مستند و متداول لغات میں بھی نہیں ملتے۔ گو مولوی عبدالحق کی یہ بات بھی درست ہے کہ پلیٹس نے اردو کے علاوہ ٹھیٹھ ہندی اور سنسکرت کے بھی ایسے الفاظ بہت بڑی تعداد میں لے لیے ہیں جو اردو میں مروج نہیں ہیں ۱۵۔ لیکن راقم یہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہے کہ یہ الفاظ پلیٹس نے اردو کے ضمن میں نہیں بلکہ کلاسیکی ہندی کے ضمن میں درج کیے ہیں، جیسا کہ لغت کے نام سے بھی ظاہر ہے کہ یہ صرف اردو کی لغت نہیں ہے۔ البتہ بعد کے لغت نویسوں، بالخصوص صاحبِ جامع اللغات اور اردو لغت بورڈ کے کار پردازان، کا پلیٹس کو بنیاد بنا کر ایسے ٹھیٹھ ہندی یا سنسکرت الفاظ کا اپنی اردو لغت میں اندھا دھند اندراج بالکل غلط ہے جو اردو میں رائج نہیں ہیں اور ان کے استعمال کی کوئی سند بھی اردو سے پیش نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اگر اس طرح لغت بنائی جائے تو عربی، فارسی اور ہندی / سنسکرت کی پوری پوری لغات اردو میں نقل کرلی جائیں گی لیکن ظاہر ہے کہ یہ طریقہ بالکل غلط ہے اور لغت نویسی میں استعمال کی سند بہت ضروری ہے۔ جدید لغت نویسی میں کورپس (corpus) کی مدد سے استعمال کو مدِ نظر رکھ کر مفہوم کے تعین کا عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ بہر حال، پلیٹس کی لغت سے اگر ان سنسکرت اور ٹھیٹھ ہندی الفاظ کو نکال بھی دیا جائے جو اردو میں مستعمل نہیں ہیں تو بھی اس میں الفاظ اور ذیلی مرکبات کی خاصی تعداد ایسی ہے جن کا اندراج بہت کم اردو لغات میں ملتا ہے یا بالکل نہیں ملتا (اور اس میں ٹھیٹھ ہندی کے بھی بعض ایسے الفاظ و تراکیب شامل ہیں جو اردو میں مستعمل ہیں)۔

پلیٹس نے سابقہ انگریز لغت نویسوں، جن میں جان شیکسپیر (۱۸۵۸ء-۱۷۷۴ء)، ڈنکن فاربس اور ایس ڈبلیو فیلن جیسے لوگ شامل ہیں، کے کام سے استفادہ ضرور کیا لیکن بقول خود اس کے اس نے ان کی اندھا دھند تقلید نہیں کی۔ اس نے بے شک گزشتہ اردو بہ انگریزی لغات میں کئی لحاظ سے قابلِ قدر اضافہ کیا ہے اور اس میں ذخیرۂ الفاظ بھی شامل ہے، جیسا کہ وہ خود بھی اپنے انگریزی دیباچے میں کہتا ہے:

> ''میرا یہ کام محض گزشتہ لغت نویسوں کے کام کی تدوین نہیں ہے بلکہ میں نے اردو اور ہندی کتب اور اخبارات کے مطالعے کے ذریعے اس کے

لیے الفاظ و مرکبات جمع کیے اور اس طرح نہ صرف جان شیکسپیر اور اپنے
دیگر پیش رو لغت نویسوں کی لغات میں دیے گئے الفاظ کی تصدیق کرنے
کے قابل ہو سکا بلکہ ان میں ہزاروں الفاظ و فقرات اور معانی کا اضافہ بھی
کر سکا۔ مزید برآں ہندوستان میں میرے طویل قیام نے مجھے اس زندہ
روزمرے سے آگاہی بخشی جو [اردو انگریزی] لغات میں نہیں پایا جاتا اور
جس کو میں بڑی احتیاط سے یادداشت میں درج کرتا رہا۔"[۱۶]

اس لحاظ سے پلیٹس کی لغت کے راس الفاظ اور تحتی مرکبات کی بڑی اہمیت ہے۔ پلیٹس کی لغت میں شامل الفاظ کی تعداد کا صحیح اندازہ لگانا بہت دشوار ہے کیونکہ تحتی مرکبات بہت باریک ٹائپ میں اور بہت بڑی تعداد میں ہیں۔ لغت دو کالمی ہے اور اگر تحتی اندراجات کسی صفحے پر زیادہ تو کہیں کم ہیں۔ بعض الفاظ کے تحت مرکبات کئی کالموں پر محیط ہیں، مثلاً "نا" کے تحتی مرکبات تین کالموں تک چلے گئے ہیں۔ راقم کا اندازہ ہے کہ اگر تحتی اندراجات کو بھی شمار کیا جائے تو پلیٹس نے ایک لاکھ کے قریب الفاظ، مرکبات، محاورات، فقرات اور ضرب الامثال وغیرہ دیے ہیں، گو ان میں سے سب اردو میں مستعمل نہیں ہیں۔ پلیٹس نے بعض اندراجات کے تحت جو محاورات اور مرکبات لکھے ہیں ان میں کمال کر دیا ہے اور ایسے ایسے محاورات اور مجازی معنی لکھے ہیں جو اردو کی کم ہی لغات میں ملتے ہیں، مثلاً لفظ "منھ"، "دل" اور "ہاتھ" کے تحتی اندراجات دیکھ کر پلیٹس کی لگن، محنت اور اردو زبان پر اس کی نظر کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

پلیٹس نے اپنے دیباچے میں فیلن کی لغت پر اعتراض کیا ہے کہ اس میں صرف مخصوص الفاظ اور مرکبات ہی پیش کیے گئے ہیں۔ بقولِ پلیٹس فیلن نے ایسے سینکڑوں الفاظ کو اپنی لغت میں جگہ دینا مناسب نہ سمجھا جو فیلن کے خیال میں "پُر تکلف" یا "کتابی" ہیں اور فنی معلومات جھاڑنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ پلیٹس نے یہاں لفظ pedantic استعمال کیا ہے اور غالباً اس سے اس کی مراد ادبی اور فنی الفاظ و اصطلاحات ہیں۔ بقول اس کے اس طرح طالب علموں کے لیے لغت کی افادیت کا دائرہ محدود ہو گیا۔ گو پلیٹس نے اپنی دانست میں اس کوتاہی کی تلافی کرنی چاہی لیکن اس کی اپنی ادبی تفہیم کی صلاحیت پر اعتراض کیا گیا۔ جیسا کہ جابر علی سید لکھتے ہیں کہ فیلن

کے اس رویے کے خلاف پلیٹس کا احتجاج بجا ہے لیکن خود پلیٹس ادبی اصطلاحات کا صحیح مفہوم سمجھانے سے قاصر رہا۔ اس کی مثالیں انھوں نے ترجیع بند، تعمیہ، حکایت اور ٹیپ جیسے الفاظ و تراکیب کا محاکمہ کرتے ہوئے دی ہیں ۱۷۔ ادبی الفاظ اور اصطلاحات کی غلط یا ناکافی تشریح بہر حال پلیٹس کی لغت کا ایک کمزور پہلو ہے۔

ایک آدھ مقام پر ایسا بھی ہوا ہے کہ پلیٹس نے کسی لفظ کو اس کے متبادل املا سے رجوع کرایا ہے مگر اس کا متبادل املا درج ہونے سے سہواً رہ گیا ہے۔ مثال کے طور پر لفظ ''پیچ'' کو اس نے ''پچو'' سے رجوع کرایا ہے لیکن لغت میں ''پچو'' کا اندراج نہیں ہے۔

☆ املا

پلیٹس کی لغت کا ایک بڑا عیب اس کا املا ہے۔ وہ یاے مجہول کی بجاے یاے معروف لکھتا ہے۔ جابر علی سید نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ ''یہ امر اچنبھے کا ہے کہ ۱۸۸۴ء میں کوئی مصنف خصوصاً کوئی فرہنگ نویس یاے مجہول کی بجاے یاے معروف لکھے اور معنوی امتیازات کو مندوش کرے'' ۱۸۔ اگرچہ پلیٹس نے کافی الفاظ کو یاے مجہول سے بھی لکھا ہے، لیکن وہ ان کی تخفیف شدہ شکل کو پھر یاے معروف سے لکھ دیتا ہے۔ مثلاً لفظ ''گاہے'' اس نے یاے مجہول ہی سے دیا ہے لیکن اس کی مختصر صورت ''گہے'' کو اس نے ''گہی'' لکھا ہے ۱۹۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ پلیٹس کے ہاں کتابت کی اغلاط بہت کم ہیں۔ اس نے ایک صحت نامہ بھی دیا ہے لیکن کچھ الفاظ اس صحت نامے میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں۔ جابر علی سید نے ٹائپ / پروف کی چند اغلاط کی نشان دہی کی ہے۔ لیکن ان اغلاط کے علاوہ بھی کتابت یا پروف خوانی کی چند ایک اغلاط موجود ہیں، مثلاً ''سمرو'' کے ایک معنی یعنی ''تسبیح کے دانوں میں سے بڑا اور درمیانی دانہ'' دینے کے بعد اس کے مترادف یعنی ''امام'' (imam) کو غلطی سے ''انام'' (inam) لکھا گیا ہے۔ لفظ ''پھسکنا'' کے ناگری املا میں ایک حرف (جو ہندی میں حرف ''س'' کی آواز دیتا ہے) لکھنے سے رہ گیا ہے۔ لفظ ''دوڑ'' میں ''ڑ'' (جسے لغت میں ہر جگہ ''ر'' پر چار نقطے لگا کر ظاہر کیا گیا ہے) نقطے لگنے سے رہ گئے ہیں جس کی وجہ سے یہ ''ڑ'' کی بجاے ''ر'' یعنی دوڑ کی بجاے دور پڑھا جاتا ہے۔

لیکن املا کے ضمن میں پلیٹس کی خوبی یہ ہے کہ وہ لفظ کے مختلف املا درج کرتا ہے اور ان کو دو طرفہ حوالوں (cross references) سے واضح کر کے اس کا اندراج کرتا ہے۔ بسا اوقات وہ ایک ہی اندراج میں لفظ کے مختلف املا دے دیتا ہے۔ چونکہ اردو املا شروع ہی سے انتشار کا شکار رہا ہے اور قدیم اردو متون میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی املا ملتے ہیں لہٰذا مختلف اور متبادل املائی شکلوں کا یہ اندراج تاریخی اصولوں پر لغت کی تدوین کرنے والوں اور قدیم متون کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے بہت مددگار ثابت ہوتا ہے۔

پلیٹس کے ہاں ہائے مخلوط یا ہائے دو چشمی (ھ) کا اہتمام ملتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ایک آدھ جگہ پر کتابت / پروف کی غلطی کے سبب ہائے مخلوط نہیں لکھی جا سکی، مثلاً ''کھونٹا'' کو ''کہونٹا'' لکھا گیا ہے حالانکہ اس سے پہلے ''کھونٹ'' کا اندراج ہائے مخلوط ہی سے ہے۔ اسی طرح باقی ہر جگہ بھی ہائے مخلوط کا استعمال ہے۔

☆ ترتیبِ اندراجات اور تحتی اندراجات

پلیٹس نے اردو کے ساتھ سنسکرت اور ہندی کے الفاظ ضرور اس لغت میں درج کیے ہیں لیکن بنیادی طور پر یہ اردو ہی کی لغت ہے کیونکہ اس نے لغت کے اندراجات کی ترتیب اردو کے حروفِ تہجی پر قائم کی ہے۔ اردو لغت نویس کے سامنے ایک بڑا مسئلہ حروفِ تہجی کی تعداد اور ترتیب کا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس ترتیب کا فیصلہ کیے بغیر لغت میں الفاظ کے اندراج کی ترتیب طے نہیں کی جا سکتی اور اردو املا کا انتشار آج بھی کچھ کم نہیں ہوا بلکہ ذرائع ابلاغ کی بے احتیاطی سے اس میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ قدیم لغات میں ہائیہ یا ہکاری آوازوں (aspirated sounds) کو الگ حرف شمار نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کی اکثر قدیم لغات میں ''پہل'' اور ''پھل'' (اور اسی طرح کے دیگر الفاظ) ایک ساتھ لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ درحقیقت ہائیہ آوازوں (بھ، پھ، تھ وغیرہ) کو الگ حرفِ تہجی مان کر لغت میں ان کی الگ تقطیع قائم کرنا مولوی عبدالحق کا اجتہادی کارنامہ ہے۔ اس پر صحیح معنوں میں عمل اردو لغت بورڈ (کراچی) کی لغت میں کیا گیا ہے۔ پلیٹس نے بھی ہائیہ آوازوں والے الفاظ کو قدیم انداز پر درج کیا ہے۔ اسی لیے اس نے بہرا اور بھر، پہرا اور پھرا ایک ساتھ درج کیے ہیں۔ لغت بورڈ نے ہائیہ حروف کی الگ تقطیع قائم کی ہے اور ترتیب میں ان کو بعد

میں رکھا ہے یعنی ب سے شروع ہونے والے الفاظ کے بعد بھ سے شروع ہونے والے الفاظ دیے ہیں، وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ البتہ پلیٹس نے یہ اہتمام ضرور کیا ہے کہ ہائیہ آوازوں کو ہائے مخلوط (ھ) ہی سے لکھا ہے جس سے ان کا تلفظ کرنا آسان ہو گیا ہے۔ جبکہ بعض اردو لغات جو پلیٹس کے بعد چھپی ہیں، مثلاً اشرف اللغات (۱۸۹۰) اور قرار اللغات (۱۹۱۰ء)، ان میں بھی ہائے مخلوط کا اہتمام بالعموم نہیں ملتا اور ان میں غالب کے املا کی طرح ''بہانا'' اور ''بھانا'' کو ایک ہی طرح لکھا گیا ہے[۲۰]۔

پلیٹس کے ہاں ترتیبِ اندراجات میں کہیں کہیں غلطی بھی پائی جاتی ہے، مثلاً ''سئیس'' اور ''سئیی'' کا اندراج اس نے ''سیہون'' اور ''سیہی'' کے بعد کیا ہے، حالانکہ الف بائی ترتیب کے لحاظ سے ہمزہ کو ''ی'' سے پہلے آنا چاہیے۔ اسی طرح لفظ ''کائنات'' کو اس نے ''کایک'' کے بعد درج کیا ہے جبکہ اسے ''کائی'' کے بعد ہونا چاہیے تھا، گو ''کائی'' کا اندراج درست جگہ پر ہے۔ لیکن پلیٹس کے ہاں ''کائی'' اور ''کائنات'' کے درمیان کاف سے شروع ہونے والے دس (۱۰) ر اس الفاظ درج ہیں جن میں کاف اور الف کے بعد ''ی'' آتا ہے۔ یہ ترتیب قطعی غلط ہے۔ نیز اس نے پہلے ''گھتنا'' کا اندراج کیا ہے اور اس کے بعد ''گھتاؤ'' کا۔ یہ ترتیب بھی غلط ہے۔ اسی طرح رئیس اور رئیسہ ترتیب کے لحاظ سے غلط مقام پر درج ہو گئے ہیں۔ ''مترا'' کے فوراً بعد ''مترائی'' کا اندراج ہے اور پھر ''مترادف''، ''مترا کم'' اور ''مترانا'' کا۔ یہ ترتیب بھی غلط ہے۔ بقیہ مقامات پر الفاظ کے درست ترتیب میں اندراج سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ غلط ترتیب محض سہو و خطا کا نتیجہ ہے اور پلیٹس کی لغت میں ویسے اندراجات کی ترتیب درست ہے۔

پلیٹس کا ایک بڑا کام تحتی اندراجات کی صورت میں ہے۔ ایک تو یہ کہ تحتی اندراجات کی ترتیب، چند ایک استثنائی مثالوں کو چھوڑ کر، بالکل درست ہے، اور ہمارے زمانے کی ''مہذب اللغات'' کی طرح نہیں ہے کہ جس میں بنیادی مفرد لفظ اور اس کے ذیلی اندراجات کو نظر انداز کر کے صرف حروفِ تہجی کی ترتیب کی بنیاد پر لغت میں اندراجات کر دیے گئے ہیں۔ یہ طریقہ انگریزی جیسی زبانوں کی لغت کے لیے تو مناسب ہے جن میں ہر حرف الگ الگ لکھا جاتا ہے، لیکن اردو جیسی زبان، جس کے رسم الخط میں حروف کی مختصر شکلوں کو جوڑ کر ترسیمے (legatures)

بنائے جاتے ہیں اور سابقوں کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے، کچھ موزوں نہیں نظر آتا۔ پلیٹس نے بعض الفاظ کے تحتی مرکبات کے اندراج میں کمال کر دیا ہے اور ایسے ایسے مرکبات اور محاورات درج کیے ہیں کہ آج بھی کم ہی اردو لغات میں نظر آتے ہیں اور بعض تو کہیں اور ملتے ہی نہیں۔ البتہ ایک آدھ مقام پر تحتی اندراجات کی ترتیب غلط ہے، مثلاً لفظ ''حق'' کے تحت میں ''حق شناسی'' پہلے لکھا گیا ہے اور ''حقِ شفعہ'' بعد میں۔ اسی لفظ کے تحت میں ''حق ہے'' کا اندراج کر کے معنی سے پہلے ساتھ ہی ''الحق'' لکھ دیا ہے۔ یہ بھی درست نہیں۔ یہ اصولاً ''ال'' کے تحتی اندراجات کے ساتھ آنا چاہیے یا کم از کم الف کی تقطیع میں نہ کہ ''ح'' کی تقطیع میں۔ ''حق'' کے تمام اندراجات ختم ہونے کے بعد ''دودھ کا حق'' درج کیا ہے جبکہ اسے ''دودھ'' کے تحت میں آنا چاہیے تھا۔ پلیٹس نے اس طرح کے ذیلی یا تحتی اندراجات بالعموم اس ترتیب میں نہیں کیے اور یہ غالباً چند استثنائی مثالوں میں سے ہے۔ ہاں فیلن کے ہاں ذیلی اندراجات میں یہ صورت ملتی ہے کہ وہ راس لفظ کو نظر انداز کر کے ذیلی مرکبات کا اندراج کرتا ہے (فیلن کی لغت کے لیے ملاحظہ ہو: راقم کا مقالہ شمولہ لغوی مباحث، مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، ۲۰۱۵ء۔

ترتیبِ اندراجات کے سلسلے میں پلیٹس نے بجا طور پر اپنے پیش رو لغت نویسوں پر تنقید کی ہے اور دیباچے میں بتایا ہے کہ ایک ہی ہجے اور ایک ہی تلفظ والے الفاظ الگ الگ زبان کے ہوں تو گویا ان کا ماخذ اور ان کی اصل الگ ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے وہ دو الگ الفاظ ہوتے ہیں لہٰذا انھیں الگ الگ لفظ شمار کر کے لغت میں اس کا اندراج بھی الگ الگ کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر ایک ہی ہجے اور اعراب (تلفظ) سے لکھا جانے والا لفظ تین چار مختلف زبانوں سے تعلق رکھتا ہے اور اردو میں سب استعمال ہوتے ہیں تو انھیں ایک ہی لفظ سمجھ کر اس کے الگ الگ معنی ایک ہی لفظ کے تحت میں لکھنا غلط ہے۔ اس ضمن میں لفظ ''بال'' کی مثال دی جا سکتی ہے جس کے اردو، فارسی اور عربی (حتیٰ کہ انگریزی) میں الگ الگ معنی ہیں۔ لغت میں ان کا اندراج تین بار (یا چار بار، اگر انگریزی لفظ بھی لیا جائے) الگ الگ ہوگا۔ پلیٹس کی لغت سے ''بر'' کی مثال دی جا سکتی ہے جس کو پلیٹس نے اس کے اشتقاق اور اصل کے لحاظ سے نئے لفظ کی حیثیت سے کئی بار درج کیا ہے۔

پلیٹس کہیں کہیں بعض ایسے الفاظ یا ان کی شکلیں یا تلفظ لکھ جاتا ہے جو آج رائج نہیں ہیں یا ممکن ہے کہ اس زمانے میں بھی مخصوص اور محدود علاقوں میں اس طرح بولے یا لکھے جاتے ہوں ہوں گے، مثال کے طور پر وہ لفظ ''سکنا'' کے تحت اندراجات میں ''کھا سکنا'' کے بعد ''جا سکنا'' (اول تو ترتیب غلط ہے) کی بجائے ''جانے سکنا'' لکھتا ہے۔ چونکہ پلیٹس کو اردو پر عبور تھا لہٰذا یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایسی غلطی کرے گا۔ غالباً یہ کسی خاص علاقے کا روزمرہ ہوگا۔

☆ تلفظ

پلیٹس کی لغت کے بارے مولوی عبدالحق کی اس بات کی جابر علی سید[۲۱] نے بجا طور پر تصحیح کی ہے کہ ''ہر اصل لفظ پہلے اردو رسم خط میں ہے، اس کے آگے ناگری رسم خط میں اور اس کے بعد رومن حروف میں[۲۲]''۔ کیونکہ پلیٹس نے عربی اور فارسی کے الفاظ ناگری حروف میں نہیں دیے۔ البتہ ہندی/سنسکرت/پراکرت کے الفاظ کو اردو کے علاوہ ناگری حروف میں بھی لکھا ہے اور رومن میں بھی۔ اردو/عربی/فارسی کے الفاظ اردو رسم الخط کے علاوہ رومن رسم الخط میں بھی دیے ہیں اور یہ اضافی خوبی ہے[۲۳]۔ ایک خوبی اور یہ ہے کہ تلفظ کے درست اظہار کے لیے پلیٹس نے نقل حرفی (transliteration) کا ایک نظام وضع کیا ہے جس کی وضاحت اس نے اپنے دیباچے میں کی ہے۔ یہ اس کا اپنا طریقہ ہے اور بقول فرخندہ لودھی اس کے پیش رووں مثلاً مس لیمبٹن (Miss Lambton)، فیلن اور بعض دیگر لوگوں کی پیش کردہ نقلِ حرفی کی اسکیموں سے مختلف ہے[۲۴]۔ بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ یہ جان رچرڈسن کی ۱۷۷۷ء، جان شیکسپئر کی ۱۸۱۷ء اور ڈنکن فوربس کی ۱۸۴۸ء میں پیش کردہ اسکیموں سے بھی کچھ مختلف ہے[۲۵]۔

پلیٹس نے اکثر گنوارو تلفظ کو ظاہر کرنے کا اہتمام کیا ہے جس کو وہ vulgar لکھتا ہے اور اسے .vulg کے مخفف سے ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً اس نے لفظ ''صبر'' کے صحیح تلفظ (یعنی ب ساکن) کو ظاہر کرنے کے بعد اس مخفف .vulg کے ساتھ اس صبر کا عوامی تلفظ (یعنی ب مفتوح) بھی لکھا ہے۔

☆ قواعدی حیثیت

پلیٹس نے الفاظ و مرکبات کی قواعدی حیثیت بھی درج کی ہے یعنی وہ بتاتا ہے کہ لفظ اسم

ہے یا فعل یا صفت ہے، فعل لازم ہے یا متعدی، مذکر ہے یا مونث، وغیرہ۔ لیکن پلیٹس نے قواعد کی اصطلاحات کے لیے جو مخفف دیے ہیں ان کی کوئی الگ سے فہرست نہیں دی بلکہ دیباچے کے آخر میں ان کے مخففات بیان کیے ہیں۔ اسے اردو قواعد پر عبور حاصل تھا لیکن ایک آدھ جگہ اس سے چوک ہوگئی ہے، مثلاً ''تہہ'' کو واحد اور مونث لکھ کر اس کے معنی زمین، سطح، فرش وغیرہ لکھتا ہے۔ یہاں تک تو درست ہے لیکن انھیں معنی کے ساتھ اس نے underneath (یعنی ''کے نیچے'' یا ''نیچے کی طرف'') بھی لکھ دیا ہے لیکن معنی کے لحاظ سے یہ اسم (noun) نہیں رہا بلکہ حرفِ جار (preposition) یا متعلقِ فعل (adverb) ہوگیا۔ ایسے موقعوں پر لغت نویسی کے اصولوں کے مطابق الگ شق قائم کرنی چاہیے۔ بصورتِ دیگر اسم کے ساتھ دوسرے جزوِ کلام (متعلقِ فعل) کا نام بھی ساتھ ہی لکھ دینا چاہیے جیسا کہ خود پلیٹس نے کیا بھی ہے، مثال کے طور پر لفظ ''بوڑھا'' سے پہلے اس نے ''اسم واحد مذکر'' کے ساتھ ''صفت'' بھی لکھا ہے اور معنی میں old نیز aged (بطور صفت) اور old man (بطور اسم) دونوں ساتھ ہی لکھ دیے ہیں۔

☆ معنی و تشریح

جابر علی سید نے لغت نویسوں کے اس رجحان پر نکتہ چینی کی ہے وہ ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی بتانے کے شائق ہوتے ہیں اور پلیٹس کے تعددِ معنی پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ بھی اس کمزوری کا شکار ہے، انھوں نے اس کی مثالیں بھی دی ہیں[۲۶]۔ لیکن اول تو تعددِ معنی، اگر وہ صحیح ہے اور سند کی بنیاد پر ہے، خامی نہیں لغت نویس کی خوبی ہوتی ہے اور پلیٹس کے ہاں بھی یہ خوبی موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ پلیٹس کے ہاں، بعض لغت نویسوں کے برعکس، بے بنیاد یا بے سند معنی درج کرنے کی خامی بہت کم ہے۔ اگرچہ اس نے اسناد نہیں دیں لیکن اس کے ہاں معنی کی مختلف شقوں کے اندراج کی بنیاد تحقیق اور ذاتی مطالعہ ہے۔ ہاں جابر صاحب کی اس بات سے ضرور اتفاق کرنا ہوگا کہ کسی ایک شاعر کے ہاں کسی لفظ کے نئے اور مجازی معنی میں ایک بار استعمال سے وہ معنی سند نہیں بن جاتے اور ان کا لغت میں اندراج درست نہیں۔ اردو لغت بورڈ کی لغت میں کہیں کہیں یہ رجحان البتہ موجود ہے کہ کسی ایک شاعر نے کسی لفظ کو ایک بار استعارۃً یا طنزاً استعمال کرلیا تو اسے بھی معنی کی ایک نئی شق میں ڈھال دیا جاتا ہے۔

پلیٹس کا ایک بڑا احسان اردو پر یہ بھی ہے (جس کا نہ ہمیں احساس ہے اور نہ ہم نے اس سے کوئی فائدہ اٹھایا) کہ اس نے معنی کے ضمن میں بلا مبالغہ سیکڑوں (بلکہ شاید ہزاروں) پودوں، درختوں، پھولوں، بوٹیوں، جڑوں، زیر زمین اگنے والی گانٹھوں، پرندوں، پردار کیڑوں، مکوڑوں اور دیگر جانوروں کی انواع، ان کے تکنیکی نام اور لاطینی مترادفات لکھ دیے ہیں۔ اردو کے لغت نویسوں کے برعکس وہ صرف یہ لکھنے پر اکتفا نہیں کرتا کہ ''ایک قسم کا پرندہ'' یا ''ایک پھول کا نام'' بلکہ اس کی نوع اور سائنسی نام دینے کے ساتھ کچھ نہ کچھ وضاحت بھی کرتا ہے کہ اس پرندے یا پھول کا رنگ کیا ہے، یا آیا یہ بوٹی زہریلی ہے، یا کھانے کے کام آتی ہے، اس پودے میں کس رنگ کے پھول آتے ہیں اور کیسی زمینوں میں زیادہ اگتا ہے۔ ہمارے لغت نویسوں کے برعکس، جو آج کے سائنسی دور میں بھی احمقانہ قسم کی روایتی اور پرانے حکیموں کی بیان کردہ تعریفات کو لفظ بلفظ نقل کرنے میں ماہر ہیں، پلیٹس کی تشریحات بعض اوقات نہایت معلوماتی اور مفید ہوتی ہیں۔ اس نے قبیلوں، ذاتوں، سادھوؤں اور سنتوں کی قسموں اور فرقوں، صوفیہ کے گروہوں اور نسلوں کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ بتانے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ''بے'' کے سابقے سے بننے والے الفاظ و تراکیب کی طویل فہرست میں اس نے ''بینوا'' (بے نوا) کا اندراج کیا ہے۔ اس کے معنی ''بغیر سازوسامان کے، بغیر کسی شان کے، مفلس، بے زر'' لکھنے کے بعد لکھتا ہے ''ایک قسم کا درویش جو اپنی داڑھی اور ابرو منڈوا لیتا ہے''۔ پھر قوسین میں اس کا مترادف ''آزاد'' بھی لکھتا ہے۔ اس تشریح سے نظیر اکبرآبادی کی نظم ''کُل نفسٍ ذائقۃ الموت'' کے وہ شعر سمجھنا آسان ہو جاتا ہے جس میں وہ ''بے نوا'' کے ''منڈا'' ہونے اور ''مونچھیں بھنویں تلک'' منڈوانے کا ذکر کرتے ہیں۔ مقامِ شکر ہے کہ لغت بورڈ نے ''بے نوا'' میں یہ معنی درج کیے ہیں بلکہ ''آزاد'' کا ایک مترادف ''گُدڑی پوش فقیر'' بھی دیا ہے۔

پلیٹس نے بعض الفاظ کے ایسے معنی بھی دیے ہیں جو بعد کی لغات میں نہیں ملتے، مثلاً لفظ ''احمقانہ'' کے مروجہ معنی کے علاوہ ایک معنی اس نے لکھے ہیں: (مجازاً) وہ رقم جو محاصل کی کمی کو پورا کرنے کے لیے عامل دینے پر مجبور ہوتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ امیر اللغات، فرہنگِ آصفیہ، نور اللغات اور مہذب اللغات میں لفظ احمقانہ ہی کا اندراج نہیں ہے، مجازی معنی کیا درج ہوتے۔

اردو لغت بورڈ نے احمقانہ درج کیا ہے لیکن صرف ایک معنی دیے ہیں۔ پلیٹس کے دیے ہوئے دوسرے معنی اس میں موجود نہیں ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ یہ معنی پلیٹس نے جان شیکسپیر کی لغت A dictionary Hindustani and English (۱۸۱۷ء) سے لفظ بلفظ لے لیے ہیں اور ڈنکن فوربس نے بھی اپنی لغت A dictionary: Hindistani-English (۱۸۴۸ء) میں انھیں اسی طرح شیکسپیر سے نقل کرلیا ہے۔ البتہ فیلن کی لغت A new Hindustani-English dictionary (۱۸۷۹ء) میں اس لفظ ''احمقانہ'' کا اندراج نہیں ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب ہمارے لغت نویس اپنے پیش رووں کے کام سے اتنی بے نیازی برتتے ہیں کہ مجازی معنی تو درکنار لفظ ہی کا سرے سے اندراج نہیں کرتے تو ان کے ذخیرۂ الفاظ اور دائرۂ کار کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے۔

پلیٹس سے استفادہ نہ کرنے کی کئی مثالیں اس کے بعد آنے والے لغت نویسوں کے ہاں مل جاتی ہیں لیکن یہاں مطلوب ان لغات پر نکتہ چینی نہیں ہے بلکہ پلیٹس کی وسعت اور جامعیت دکھانا مقصود ہے۔ مثلاً پلیٹس نے لفظ ''امنی'' کے بطور اسم دو معنی (یعنی اعتبار، ضمانت، حفاظت اور امین کا عہدہ) لکھنے کے بعد ایک اور معنی بطور صفت ''محفوظ و مامون'' بھی دیے ہیں۔ ان دوسرے معنوں کا اندراج اردو لغت بورڈ کی لغت میں نہیں ہے۔ اس سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بورڈ کو جب تک کسی معنی کے استعمال کی سند نہ مل جائے وہ اسے درج نہیں کرتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بورڈ نے جہاں ہزاروں (بلا مبالغہ ہزاروں) الفاظ کے معنی بغیر کسی سند کے محض پلیٹس اور دیگر لغات کے نام لکھ کر درج کر دیے ہیں وہاں یہ دوسرے معنی لکھنے میں کیا امر مانع تھا؟ غالباً مطالعے کی کمی اور تحقیق سے گریز آڑے آئے۔

پلیٹس کے ہاں معنی کے اندراج میں بعض اغلاط بھی ہیں جو ظاہر ہے کہ فطری بات ہے۔ کسی لغت نویس سے یہ توقع کہ وہ ہر اندراج کے ضمن میں سو فی صد درست ہوگا تھوڑی سی زیادتی ہے کیونکہ لغت نویس بھی انسان ہوتا ہے۔ لیکن بعض نازک اور حساس معاملات پر پلیٹس کی بے احتیاطی یا بد احتیاطی بدگمانی پیدا کرتی ہے۔ مثلاً لفظ ''ابوبکر'' کے اشتقاق کے ضمن میں (اس کا ذکر آگے آرہا ہے) یا لفظ ''گاڑا'' کی تشریح کے سلسلے میں۔ گاڑا کی تشریح کے ضمن میں وہ ایک معنی کی

یوں وضاحت کرتا ہے: ''مسلمانوں [بقول اس کے Mohammadans] کا ایک فرقہ جس کا عالم گیر کے دورِ حکومت میں زبردستی مذہب تبدیل کرایا گیا تھا [یعنی وہ پہلے ہندو تھے]''۔ تاریخی مباحث اور حقائق سے قطع نظر، وہ نہ اس کے اشتقاق کی کوئی وضاحت کرتا ہے اور نہ وجہ تسمیہ بتاتا ہے۔

پلیٹس میں غلط معنی کی ایک مثال ''اَن کال'' کی ترکیب بھی ہے۔ ''اَن'' کئی معنوں میں آتا ہے اور پلیٹس نے اس کے الگ الگ اندراجات بھی کیے ہیں۔ اس ترکیب میں ''اَن'' دراصل ''اناج'' کی تخفیف شدہ شکل ہے اور ''کال'' کے معنی زمانہ بھی ہیں اور قلت بھی۔ ''ان کال'' اناج کی قلت یا قحط کو کہتے ہیں لیکن پلیٹس نے اس ترکیب میں ''کال'' کو قلت کی بجائے زمانہ کے معنی میں لیا ہے اور اس کے معنی harvest-time لکھے ہیں۔ اردو لغت بورڈ نے اس کے بالکل صحیح معنی یعنی ''قحط'' درج کیے ہیں اور ان معنوں کی سند بھی خطوطِ غالب سے پیش کردی ہے۔

☆ الفاظ کا اشتقاق اور ماخذ

الفاظ کے اشتقاق اور ماخذ کی نشان دہی پلیٹس کی لغت کی خوبیوں میں سے ہے کیونکہ اس کے لیے اس نے بڑی تحقیق اور کاوش سے کام لیا۔ اگرچہ جان شیکسپئر نے اپنی لغت A dictionary, Hindustani and English (۱۸۱۷ء) میں مندرج الفاظ کی ماخذ زبان کی نشان دہی ان زبانوں کے ناموں کے پہلے حرف کو بطور مخفف استعمال کر کے کی ہے اور وہ عربی، فارسی اور سنسکرت کے لیے بالترتیب A اور P اور S درج کرتا ہے لیکن پلیٹس نے سنسکرت الاصل الفاظ کی مختلف شکلوں یا پراکرتی مدارج پر بھی روشنی ڈالی ہے[۲۷] اور عربی الفاظ کے مادّے اور ان کے لغوی معنی کو بھی جگہ دی ہے۔

پلیٹس نے الفاظ کے اصل اور اشتقاق پر واقعۃً بہت محنت کی ہے۔ ہندی، پراکرت، فارسی اور عربی الفاظ کی اصل کی تحقیق کے ضمن میں اس نے مختلف ماہرین اور کتابوں سے مدد لی جس کا اعتراف دیباچے میں بھی کیا ہے۔ پھر جو الفاظ مختلف زبانوں سے مختلف تبدیلیوں کے بعد بدلی ہوئی شکلوں یا معنی میں رائج ہو کر اردو رہندی میں آئے ہیں ان کے مآخذ لکھنے میں پلیٹس

بہت محتاط ہے اور اس نے اپنے دیباچے میں بھی واضح کیا ہے کہ کئی الفاظ جن کو عربی سمجھا جاتا ہے انھیں اس نے فارسی ہی لکھا ہے کیونکہ بقول اس کے الفاظ دوسری زبانوں میں جاتے ہیں تو مستعار لینے والی زبانیں ان میں اپنے اصولوں کے تحت تبدیلی کرتی ہیں (اردو میں ایسے کئی الفاظ رائج ہیں جو بظاہر ''عربی'' ہیں مگر ان میں سے بعض فارسی والوں کا تصرف ہے اور بعض اردو والوں کا۔ انھیں عربی قرار دینا صحیح نہیں، ان کی مثال میں محویت، مکانیت اور ذہنیت جیسے الفاظ پیش کیے جاسکتے ہیں)۔ الفاظ کا اشتقاق اور ان کی اصل کی تحقیق پلیٹس کی لغت کی بڑی خوبیوں میں سے ایک ہے، اگرچہ سنسکرت اور پراکرت الفاظ کی تحقیق کے ضمن میں بعض مقامات پر اس سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بعض عربی الفاظ کی تحقیق میں بھی اس نے دانستہ یا نادانستہ ٹھوکریں کھائی ہیں۔ ان میں سے کچھ کی نشان دہی جابر علی سید نے کی ہے، مثلاً لفظ ''ابوبکر'' میں ''بکر'' کے ''ب'' کو پلیٹس نے مفتوح کی بجائے مکسور لکھا ہے یعنی اسے ''بکر'' کی بجائے ''بکر'' قرار دیا ہے اور جو غلط معنی لکھے ہیں اس کے ضمن میں جابر علی سید لکھتے ہیں کہ پلیٹس جیسے پڑھے لکھے شخص سے اس کا سرزد ہونا افسوس ناک ہے اور جو معنی اس نے دیے ہیں وہ ''بالکل لغو اور بے مصرف'' ہیں ۲۸۔

اسی طرح اس نے ''کھرا'' کے تحت اندراجات میں ''کھری بولی'' لکھ کر قوسین میں وضاحت کی ہے کہ اس کا گنوارو تلفظ ''کھڑی بولی'' ہے۔ گویا اس کے نزدیک صحیح کھری بولی ہے تاکہ کھڑی بولی۔ اس کے مطابق یہ خالص یا صحیح زبان یا محاورے کے مفہوم میں ہے یعنی وہ سکہ جو اصلی ٹکسال کا ہو۔ اردو کے آغاز سے متعلق لسانیاتی مباحث اور کھڑی بولی اور بڑی بولی کی تقسیم کے پیشِ نظر یہ بات پلیٹس کی ذاتی اور غلط رائے ہی سمجھی جاسکتی ہے۔ ''پنی'' کے ایک معنی دیے ہیں: پٹھانوں کے ایک قبیلے کا نام۔ لیکن نہ اس کا اشتقاق دیا ہے اور نہ وجہ تسمیہ۔ صرف اس کی اصل H (یعنی ہندی) سے ظاہر کی ہے۔ لیکن پٹھانوں کے کسی قبیلے کے نام کی اصل کا ہندی ہونا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ الفاظ کا اشتقاق اور سنسکرت تک رسائی جہاں پلیٹس کی خوبیوں میں سے ہے وہاں یہ اس کی خامی بھی ہے۔ گویا پلیٹس کی طاقت ان کی کمزوری بھی ہے۔ دراصل

پلیٹس کے ہاں ایک رجحان یہ ہے کہ وہ بلا وجہ ہر لفظ کی اصل سنسکرت سے ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے۔عربی اور فارسی الفاظ کے اشتقاق کے ضمن میں اس نے اسی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ چلیے فارسی کے ضمن میں تو اسے کہیں کہیں قبول کیا جا سکتا ہے کیونکہ قدیم فارسی اور سنسکرت میں گہرے روابط تھے اور بعض الفاظ دونوں میں واقعی مشترک تھے۔اس کی تفصیل میں ہم نہیں جارہے کیونکہ محمد حسین آزاد اس پر تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں اور اس کی کئی مثالیں بھی انھوں نے دے دی ہیں ۲۹۔ البتہ عربی الفاظ کا اشتقاق جب پلیٹس سنسکرت سے پیش کرتا ہے تو حیرت ہوتی ہے۔مثلاً لفظ ''بَت'' کو اس نے سنسکرت لکھا ہے جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔بَت (ب مفتوح) دراصل تخلص کے اوپر لگائی جانے والی علامت کا نام ہے اور عربی میں اس کی ''ت'' مشدد ہے یعنی بَتّ ۔اس کے لفظی معنی ہیں کاٹنا۔ پہلے زمانے میں جہاں جملہ ختم ہو جاتا تھا وہاں لفظ کے اوپر یہ نشان بنا دیتے تھے۔ یہ گویا فل شاپ کا کام کرتا تھا، پھر اسماے اعلام اور رقومات پر بھی لگانے لگے۔بعض لوگ اب بھی لگاتے ہیں)۔پلیٹس جیسا عربی اور فارسی سے واقف شخص جب اسے سنسکرت الاصل قرار دے تعجب بھی ہوتا ہے اور شبہہ بھی۔

☆پلیٹس ،اس کے پیش رو اور مقلد

پلیٹس نے اپنے دیباچے میں اپنی لغت کی چار نمایاں خصوصیات کا بطور خاص ذکر کیا ہے:

۱۔الفاظ کے اشتقاق کے اندراج کے لیے خاص جگہ۔

۲۔مختلف زبانوں اور مآخذ سے تشکیل پانے والے الفاظ کا ان کی اصل اور اشتقاق کے مطابق علیحدہ اندراج۔

۳۔حروفِ جار (preposition) کی نشان دہی جن کے استعمال سے فعل (verb) کے معنی بدل جاتے ہیں ،اور جن کی وضاحت کے بغیر فعل بقولِ پلیٹس مروجہ لغات میں غلط طور پر مفعولی حالت (accusative case) کو ظاہر کرتا ہے حالانکہ اس کا استعمال اضافی (genitive)، ظرفی (locative) یا فاعلی حالت (ablative) کے لیے ہوتا ہے۔

۴۔ایسے الفاظ کا استعمال جو ادبی زبان میں بار نہیں پاتے۔

بے شک پلیٹس نے اس لغت میں بڑی محنت کی ہے اور اس کے یہ دعوے نہ صرف درست

ہیں بلکہ ان سے بڑھ اس نے کام کیا ہے۔ اگر چہ اس نے اپنے کام میں جان شیکسپئر اور دیگر پیش روؤں کے کاموں سے بہت مدد لی ہے لیکن اس نے مطالعے اور محنت سے شیکسپئر کے کام میں ایسے اور اتنے اضافے کیے ہیں کہ شیکسپئر کے کام سے اس کا کام کہیں زیادہ وقیع ہے۔ اسی طرح اس نے اپنی لغت کے ذریعے ان خامیوں کا ازالہ کرنے کی بھرپور کوشش کی جن پر اس نے اپنے دیباچے میں نکتہ چینی کی ہے۔ گو ادبی الفاظ کے ضمن میں اس کی رسائی محدود رہی۔ اشتقاقات کے ضمن میں پلیٹس نے واقعی کمال کر دیا ہے، ماسوائے چند عربی و فارسی الفاظ کے اشتقاق کے۔ عربی الفاظ کے مادے کی بھی وہ وضاحت کرتا ہے اور اس کے معنی بھی دیتا ہے۔

☆ شیکسپئر، پلیٹس اور اسٹین گاس

یہ درست ہے کہ پلیٹس نے اپنے پیش رو لغت نویسوں بالخصوص جان شیکسپئر سے بہت کچھ حاصل کیا لیکن خود پلیٹس کے خوشہ چینوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں۔ پلیٹس سے متاثر ہونے والی اردو کی لغات میں بطور خاص ''جامع اللغات'' (مولفہ خواجہ عبدالمجید)، ''علمی اردو لغت'' (مولفہ وارث سرہندی) اور ''اردو لغت: تاریخی اصول پر (مرتبہ اردو لغت بورڈ، کراچی) کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ ان سے قطعِ نظر فارسی کی چند معروف ترین لغات میں سے ایک لغت A comprehensive Persian-English dictionary میں بھی کچھ ایسی تشریحات نظر آتی ہیں جو شیکسپئر اور پلیٹس میں بھی ہیں۔ بظاہر تو یہ عجیب لگتا ہے کہ کسی اردو لغت سے کسی فارسی لغت کا مولف متاثر ہو لیکن چونکہ پلیٹس نے اردو میں مستعمل عربی اور فارسی الفاظ کثیر تعداد میں دیے ہیں لہٰذا اس فارسی بہ انگریزی لغت کے مولف فرانسس جوزف اسٹین گاس (Francis Joseph Steingass) (۱۹۰۳ء۔۱۸۲۵ء) کا اس سے متاثر ہو کر اس سے کچھ اخذ کر لینا بعید از قیاس نہیں ہے۔ اسٹین گاس کی اس لغت کے بارے میں یہاں یہ عرض کر دیا جائے کہ یہ مقبول ترین فارسی بہ انگریزی لغات میں سے ایک ہے اور اس کی بیسیوں اشاعتیں عمل میں آچکی ہیں۔ اسٹین گاس نے خود بھی عربی الفاظ، جو فارسی میں مستعمل ہیں، کثیر تعداد میں دیے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ اسٹین گاس کے پیش نظر پلیٹس کی لغت بھی ہو اور شیکسپئر کی بھی، کیونکہ اسٹین گاس بارہ (۱۲) زبانوں کا عالم تھا اور سنسکرت اور ہندی بھی بخوبی جانتا تھا۔ اس کی مذکورہ بالا لغت پہلی بار ۱۸۹۲ء میں شائع ہوئی تھی

یعنی پلیٹس کی لغت کے کوئی آٹھ سال بعد، جبکہ شیکسپیر کی لغت کا پہلا ایڈیشن ۱۸۱۷ء میں شائع ہوا تھا اور بعد میں اس کے اضافہ شدہ ایڈیشن بھی آتے رہے۔

لیکن سرسری مطالعے کے بعد اس طرح کا کوئی حکم لگانا کہ عربی اور فارسی الفاظ کی تشریح کے سلسلے میں پلیٹس نے شیکسپیر سے اور اسٹین گاس نے ان دونوں سے کس حد تک استفادہ کیا ہے، مناسب نہ ہوگا۔ یہ بذاتِ خود ایک مفصل مقالے کا موضوع ہے۔ لیکن تینوں لغات کو سامنے رکھا جائے اور چند الفاظ ہی کے معنوں کا موازنہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ استفادے یا نقل در نقل کا رجحان (جو فارسی لغات میں قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے اور اردو کے لغت نویس بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں) یہاں پوری طرح جاری و ساری ہے۔ ایسے چند اندراجات یہ ہیں: ساغری، شانہ، شبہ، ہاردت۔ یہ وہ الفاظ ہیں جہاں لفظ بلفظ نقل کر کے یا معمولی تصرف کر کے ''استفادہ'' کیا گیا ہے۔ لیکن ایسے الفاظ کی تعداد خاصی کثیر ہے اور اہلِ علم خود بھی اس موازنے کو تھوڑا سا وقت دے کر لطف اٹھا سکتے۔ اس ضمن میں دیگر لغات مثلاً گل کرسٹ، اسٹین گاس اور فیلن وغیرہ کی مرتبہ لغات کا جائزہ بھی دل چسپی سے خالی نہ ہوگا۔

حواشی

۱۔ مقدمہ، کتب لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ، ج ۲، ص ۷

۲۔ آزاد، نذیر، اردو لغت نگاری: مستشرقین کا حصہ، مشمولہ اخبارِ اردو، جولائی ۱۹۹۹ء، ص ۲۰؛ نیز حسینی، ایس کے، اردو لغت نویسی اور اہلِ انگلستان، مشمولہ افکار، برطانیہ میں اردو نمبر، ص ۱۵۹۔

۳۔ صدیقی، محمد عتیق، گلکرسٹ اور اس کا عہد، ص ۳۰۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ ملاحظہ ہو: ایک بھاشا دو لکھاوٹ دو ادب، ضمیمہ، بالخصوص ص ۳۰۴۔۳۰۰

۶۔ آزاد، نذیر، محولہ بالا، ص ۲۳۔

۷۔ ایضاً، ص ۲۳۔۲۲

۸۔ ملاحظہ ہو: بک لینڈ، ای سی، Dictionary of Indian biography، ص ۳۴۷۔

۹۔ ملاحظہ ہو: رینکنگ، جارج اسپیرز الیگزنڈر،(Ranking,George Speirs Alexander)

Dictionary of National Biography, مشمولہ Platts, John Jhompson

1912 supplement ج ۳۔

۱۰۔ حسین، آغا افتخار، یورپ میں اردو، ص ۷۲۔

۱۱۔ ملاحظہ ہو: اخوان الصفا، مشمولہ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، مرتبہ پنجاب یونی ورسٹی، ج ۲۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۷۵۔

۱۳۔ سید، جابر علی، مقدمہ، کتبِ لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ، ج ۱، ص ۱۷۔۱۶

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۷۔

۱۵۔ مقدمہ، لغتِ کبیر، ص ۲۸۔

۱۶۔ Preface, p. iv

۱۷۔ کتبِ لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ، ج ۱، ص ۲۱۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۵۔

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ غالب کے املا کی خصوصیات کے لیے ملاحظہ ہو: خان، رشید حسن، املاے غالب؛ نیز انجم، خلیق، مقدمہ، غالب کے خطوط، ج ۱، ص ۱۹ و بعدہٗ۔

۲۱۔ مقدمہ، کتبِ لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ، ج ۱، ص ۱۵۔۱۴

۲۲۔ مقدمہ، لغتِ کبیر، ص ۲۸

۲۳۔ مقدمہ، کتبِ لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ، ج ۱، ص ۱۵۔

۲۴۔ ملاحظہ ہو: اردو اور فارسی میں نقلِ حرفی، ص ۲۶۔۱۸

۲۵۔ مرحوم لطف اللہ خان (کراچی) نے ان مستشرقین کی نقلِ حرفی پر کچھ کام کیا تھا لیکن غالباً کہیں شائع نہیں کروایا۔ اس کی ایک نقل راقم کے پاس محفوظ ہے۔

۲۶۔ مقدمہ، کتبِ لغت کا تحقیقی ولسانی جائزہ، ج ۱، ص ۲۰۔۱۹

۲۷۔ ہاشمی، مسعود، اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ، ص ۶۱۔

۲۸۔ مقدمہ، کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج ۱، ص ۲۴

۲۹۔ ملاحظہ ہو: سخن دانِ فارس، مختلف ابواب۔

فہرستِ اسنادِ محولہ

۱۔ اسٹین گاس، ایف (.Sreingass F) A comprehensive Persian-English dictionary سنگ میل، لاہور، ۲۰۰۰ء۔

۲۔ انجم، خلیق، مقدمہ، غالب کے خطوط، ج ۱، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۸۹ء۔

۳۔ آزاد، نذیر، اردو لغت نگاری: مستشرقین کا حصہ، مشمولہ اخبارِ اردو، اسلام آباد، جولائی ۱۹۹۹ء۔

۴۔ آزاد، محمد حسین، سخن دانِ فارس، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۰ء۔

۴۔ بک لینڈ، ای سی، Dictionary of Indian biography سنگِ میل، لاہور، ۱۹۸۵ء۔

۵۔ پلیٹس، جان ٹی، (.Platts, John T) A dictionary of Urdu, classical Hindi and English منشی رام منوہر لال پبلشرز، دہلی، ۱۹۹۳ء۔

۶۔ جین، گیان چند، ایک بھاشا دو لکھاوٹ دو ادب، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۵ء۔

۷۔ حسین، آغا افتخار، یورپ میں اردو، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۶۸ء۔

۸۔ حسینی، ایس کے، اردو لغت نویسی اور اہل انگلستان، مشمولہ افکار، برطانیہ میں اردو نمبر، ۱۹۸۱ء۔

۹۔ حقی، شان الحق، مقدمہ، کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء۔

۱۰۔ خان، رشید حسن، املاے غالب، غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی، ۲۰۰۰ء۔

۱۱۔ رینکنگ، جارج اسپیرز الیکزنڈر، (Ranking,George Speirs Alexander) Platts, John Thompson مشمولہ Dictionary of National Biography,1912 supplement، (مدیر: سڈنی، .Sydney Lee) ج ۳، اسمتھ ایلڈر اینڈ کمپنی، لندن، ۱۹۱۲ء۔

۱۲۔ سید، جابر علی، کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج ۱، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء۔

۱۳۔ شیکسپیئر، جان، (Shakespear, John) A dictioanry Hindustani-English تیسرا ایڈیشن، شائع کردہ مولف، لندن، ۱۸۳۴ء۔

۱۴۔ صدیقی، محمد عتیق، گلکرسٹ اور اس کا عہد، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، اشاعتِ ثانی، ۱۹۷۹ء۔

۱۵۔ عبدالحق، مولوی، مقدمہ لغتِ کبیر، ج ۱، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۷۳ء۔

۱۶۔ نوشی، فرخندہ، اردو اور فارسی میں نقلِ حرفی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء۔

۱۷۔ ہاشمی، مسعود، اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ، ترقی اردو بیورو، دہلی، ۱۹۹۲ء۔

دائرۂ معارف و لغات

۱۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، مرتبہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج ۲، اشاعت دوم ۲۰۰۳ء۔

۲۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، مرتبہ اردو لغت بورڈ، کراچی، ۲۲ جلدیں، ۱۹۷۷ء تا ۲۰۱۰ء

قاموس الہند: پچپن (۵۵) جلدوں پر محیط اردو کی نادر لغت

(تعارف اور چند مغالطوں کا ازالہ)

قاموس الہند ایک بسیط اور کثیر جلدی اردو بہ اردو لغت ہے۔لیکن اس کے مولف راجا راجیسور راو اصغر کے دنیا سے جانے کے طویل عرصے بعد بھی یہ غیر مطبوعہ ہے۔پچپن (۵۵) جلدوں پر محیط اس کا واحد قلمی نسخہ کراچی یونی ورسٹی کے مرکزی کتب خانے (ڈاکٹر محمود حسین لائبریری) میں موجود ہے۔جہازی قامت کی پچپن (۵۵) ضخیم جلدوں کے بسیط حجم کے پیشِ نظر اب اس کی اشاعت کا امکان بھی بظاہر بہت کم ہے۔

قاموس الہند اور اس کے مولف کے بارے میں بہت کم معلومات دست یاب ہیں اور اس لغت سے متعلق کچھ مغالطے بھی موجود ہیں۔لغات اور لغت نویسی سے متعلق تحقیقی و تنقیدی تحریروں میں بالعموم قاموس الہند کا ذکر نہیں ملتا اور جہاں ملتا ہے وہاں کچھ غلط فہمیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس مقالے میں اس لغت سے متعلق بنیادی اور اہم معلومات پیش کرنے نیز اس لغت سے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆ راجا راجیسور راو اصغر: ایک مختصر تعارف

قاموس الہند کے مولف راجا راجیسور اصغر نثر نگار بھی تھے اور شاعری بھی کرتے تھے۔ ان کا نام قدرت نقوی[1] نے ''راجیسر'' اور ''راجیشور'' دونوں طرح لکھا ہے جبکہ نصیر الدین ہاشمی[2]، زہرا رضوی[3] اور نبی ہادی[4] نے ''راجیشور'' لکھا ہے۔لیکن ان کی بیشتر کتابوں پر ان کا نام ''راجیسور'' ہی لکھا ہے۔مثلاً ان کی مرتبہ کتاب ''مجمع الالفاظ'' [5]، جو ایک قسم کی لغتِ مترادفات ہے، کی لوح پر ان کا نام یوں درج ہے:

''راجہ [کذا: راجا چاہیے] راجیسور راؤ صاحب اصغر (ورما) خلفِ اکبر

راجہ [کذا] اُماپت راؤ مہابلونت بہادر والیٔ سمستان وومکنڈہ“

راجا راجیسور راو اصغر دکن میں ریاست سمستان وومکنڈا ضلع نظام آباد کے والی تھے ۷۔ تمکین کاظمی کے مطابق سمستان جٹپول کے والی تھے اور اگر یہ سمستان یوپی میں ہوتا تو راجا اصغر ہز ہائنس کہلاتے ہے (سمستان سے مراد ہے وہ جاگیر یا ریاست جو کسی ہندو راجا کو والیٔ سلطنت کی طرف سے دی گئی ہو ۸)۔ اصغر نے خود کو زبان کی اصلاح اور ترقی کے لیے وقف کر دیا تھا ۹۔ لغات سے بڑی دل چسپی تھی اور کئی لغات ان کے نام سے منسوب ہیں۔ تمکین کاظمی کے مطابق ان کی تصانیف کی تعداد سو (۱۰۰) سے بھی متجاوز ہے ۱۰۔ سرفراز رضوی نے ان کی بتیس (۳۲) اور قدرت نقوی نے ان کی چھپن (۵۶) تصانیف کی فہرست دی ہے اور اس میں بڑی تعداد میں لغات اور قواعد کی کتابیں بھی شامل ہیں ۱۱۔ لیکن افسوس کہ ان کی پیدائش اور وفات کی تاریخ اردو اور انگریزی کے منابع میں بھی کہیں نہیں ملتی۔ زہرا رضوی اور قدرت نقوی نے بھی نہیں لکھی۔ البتہ تمکین کاظمی کی تحریر سے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ راجا صاحب ۱۸۸۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے ہوں گے اور ۱۹۴۰ء کے آس پاس تک حیات ہوں گے کیونکہ تمکین کاظمی نے نقوش کے شخصیات نمبر میں، جو ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا، لکھا ہے کہ ”پندرہ ایک سال ہوئے کہ سورگ باش ہوئے تخمیناً ساٹھ سال کی عمر تھی“ ۱۲۔

☆ قاموس الہند: چند غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

قاموس الہند کے مولف کے مختصر تعارف کے بعد یہ وضاحت کر دی جائے کہ اس لغت سے متعلق بالخصوص اس کی جلدوں کی تعداد اور اس میں شامل الفاظ کی تعداد کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں جن کو دور کرنا ضروری ہے۔

پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان جلدوں سے متعلق کیا کچھ لکھا گیا ہے۔

نصیر الدین ہاشمی کے مطابق ”فنِ لغت سے آپ [راجیسور راو اصغر] کو بڑی دل چسپی رہی۔ علاوہ شائع شدہ لغتوں کے بلحاظِ حروف تہجی عربی، فارسی اور اردو کی ۲۶ [چھبیس] جلدیں مکمل ہیں جن کو ہنوز شائع نہیں کیا گیا ۱۳“۔

سہ ماہی ”اردو“ (کراچی) کے لغت نمبر (جلد اول) میں ایک طویل مضمون ”راجا راجیسور راو اصغر بہ حیثیت لغت نگار“ کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہ سید قدرت نقوی نے لکھا تھا اور حق یہ

ہے کہ انھوں نے اردو والوں کی طرف سے راجیسور راو اصغر کے اس قرض کو ادا کرنے کی کوشش کی جو اردو والوں پر بہت عرصے سے واجب الادا تھا۔ کیونکہ راجا صاحب کی عظیم اردو خدمات کے باوجود انھیں اردو والوں نے اس طرح کبھی یاد نہیں کیا جس طرح کرنا چاہیے تھا۔ اس میں انھوں نے اصغر کی کتابوں اور لغات کی فہرست بھی دی ہے۔ وہ قاموس الہند کا بھی ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نصیر الدین ہاشمی نے اس کی چھبیس جلدوں کا ذکر کیا ہے اور ''تصدیق کی گئی تو یہ تعداد صحیح ثابت ہوئی''۱۴۔ حالانکہ یہ تعداد صحیح نہیں ہے۔ وہ اصغر کی کتاب ''نغمہ عنادل'' میں شامل قاموس الہند کے ایک اشتہار کا ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ اس اشتہار میں قاموس الہند کا نام نہیں دیا گیا لیکن قدرت نقوی کا خیال ہے کہ یہ لغت (جس کے بارے میں اشتہار میں اطلاع دی گئی ہے کہ یہ عربی، فارسی، اردو، سنسکرت، ترکی اور انگریزی کے مجموعی طور پر تقریباً دو لاکھ الفاظ پر مشتمل ہے) قاموس الہند ہی ہے۱۵۔

راجیسور راو اصغر کی مرتبہ ''ہندی اردو لغت'' (مطبوعہ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۳ء) کے پیش لفظ میں جمیل جالبی صاحب نے لکھا ہے کہ راجیسور راو اصغر کی مادری زبان ''تلنگی'' تھی لیکن انھیں مختلف زبانوں پر عبور تھا اور وہ ساری عمر تصنیف و تالیف بالخصوص لغت نویسی میں لگے رہے۔ جالبی صاحب نے اس پیش لفظ میں اصغر کی لغات کا ذکر کرتے ہوئے ''فرہنگِ فارسی جدید'' کو ''دو لاکھ سے زیادہ الفاظ پر مشتمل فارسی و اردو کا ایک مستند لغت'' کہا ہے۔ البتہ وہ قاموس الہند کو اس سے الگ ایک لغت قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ

> ''راجا راجیشور راو اصغر کا ایک اور غیر مطبوعہ کارنامہ قاموس الہند ہے۔ یہ لغت تین لاکھ دس ہزار اردو الفاظ پر مشتمل ہے اور اس میں اشتقاق و اعراب کے علاوہ صحت کے ساتھ معانی درج کیے گئے ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ جہازی سائز کی ۵۵ ضخیم جلدوں پر مشتمل اس لغت کا دنیا میں موجود واحد قلمی نسخہ کراچی یونی ورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے''۱۶۔

غالباً جالبی صاحب کی اس بات کی بنیاد ہی پر جامعہ کراچی کے شعبۂ تصنیف و تالیف نے ''جریدہ'' کے مختلف شماروں میں چھپنے والے اشتہار میں دعویٰ کیا گیا کہ قاموس الہند تین

''سوا تین لاکھ الفاظ کا ذخیرہ'' ہے اور اس کی اشاعت کے ''عظیم الشان'' منصوبے کی بھی نوید سنائی گئی ہے حالانکہ یہ تعداد درست نہیں اور نہ ہی اس طرح کا کوئی اشاعتی منصوبہ سامنے آ سکا۔ ''جریدہ'' کے مطابق یہ کام جمیل جالبی صاحب کی نگرانی میں ایک مجلس ادارت کر رہی تھی (یا کرنے کا منصوبہ تھا۔ رسالے میں وضاحت سے کچھ نہیں لکھا گیا۔ حقیقت کیا تھی اس سے تو جامعہ کراچی کے شعبۂ تصنیف و تالیف سے وابستہ لوگ ہی واقف ہوں گے)۔

اصغر کی معروف ہندی اردو لغت جس پر جالبی صاحب کا پیش لفظ ہے دوبارہ بھی شائع ہوئی (مطبوعہ انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۹۷ء) اور اس پر قدرت نقوی نے ایک مقدمہ لکھا (جو بیشتر انہی معلومات پر مبنی ہے جو اس کے ایک اور ایڈیشن میں شامل نقوی صاحب کے مقدمے اور ان کے مضمون مطبوعہ سہ ماہی ''اردو'' میں مہیا کی گئی ہیں)۔

قاموس الہند کی تالیف کب شروع ہوئی اور کب مکمل ہوئی اس کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ بہر حال، قاموس الہند کا سالِ تالیف یقینی طور پر ۱۹۴۰ء سے قبل ہی کا ہوگا کیونکہ ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ راجا صاحب چل بسے تھے۔ ان کی مرتبہ آخری کتاب ''ہندی اردو لغت'' پہلی بار ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی تھی۔

قاموس الہند کے بارے میں جالبی صاحب کا کہنا بالکل درست ہے کہ اس کی پچپن جلدیں ہیں کیونکہ خوش قسمتی سے راقم الحروف کو بھی اس لغت کی تمام پچپن جلدیں دیکھنے کا موقع ملا ہے اور اس طرح نصیر الدین ہاشمی کا یہ خیال اور قدرت نقوی صاحب کی ''تصدیق'' کہ اس لغت کی چھپن جلدیں ہیں، دونوں قطعاً غلط ہیں۔

جہاں تک اس لغت میں اندراجات کی تعداد کا تعلق ہے تو پہلے اس کے صفحات کی تعداد کو دیکھ لیا جائے۔ ذیل میں دیے گئے جدول میں ہر جلد کے صفحات کی تعداد دی جا رہی ہے۔ پچپن جلدوں کے ان صفحات کی کل تعداد تقریباً بتیس ہزار (۳۲،۰۰۰) ہے۔ لیکن چونکہ اندراجات کاغذ کے صرف ایک جانب ہیں اور خالی صفحات پر بھی نمبر پڑے ہیں لہٰذا ان صفحات کی صحیح تعداد جن پر اندراجات ہیں نصف یعنی لگ بھگ سولہ ہزار (۱۶،۰۰۰) رہ جاتی ہے۔ ان رجسٹروں کے صفحات کیر دار ہیں اور اندراجات ایک سطر چھوڑ کر ایک سطر میں ہیں۔ گو صفحہ بڑے ناپ کا ہے اور ہر صفحے

پر بالعموم اٹھارہ (۱۸) سطریں ہیں لیکن کسی کسی اندراج کے معنی رتشریح ایک سطر سے زیادہ میں بھی آئی ہے۔ اسی طرح چونکہ پہلے کالم کی چوڑائی نسبتاً کم ہے اور بعض اندراجات (بالخصوص کہاوتیں) طویل ہیں نیز بعض اندراجات کا متبادل املا اگلی سطر میں لکھا گیا ہے لہٰذا اندراجات فی صفحہ بہت زیادہ نہیں ہیں اور راقم کا اندازہ ہے کہ اوسطاً ہر صفحے پر پندرہ اندراجات ہوں گے۔ اگر اس کو سولہ ہزار (یعنی صفحات کی کل تعداد) سے ضرب دیا جائے تو اندراجات کی کل تعداد دو لاکھ چالیس ہزار کے قریب بنتی ہے۔ بعض خالی صفحات پر اضافہ کیے گئے اندراجات کو بھی شمار کیا جائے (جو بہت زیادہ نہیں ہیں) تو تعداد میں شاید چند ہزار کا اضافہ ہو جائے گا۔ گویا اس لغت کی پچپن جلدوں کے اندراجات کی کل تعداد ڈھائی لاکھ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اس تعداد کو تین لاکھ دس ہزار یا سوا تین لاکھ کہنا مناسب نہیں ہے۔

اسی طرح اس میں شامل تمام اندراجات کو ''اردو'' قرار دینا بھی درست نہیں ہے اور اس میں ایسے بلا مبالغہ ہزاروں الفاظ شامل ہیں جو خالصتاً سنسکرت یا ''شدھ ہندی'' کے ہیں اور اردو میں کبھی استعمال نہیں ہوئے۔ اسی طرح عربی اور فارسی کے بھی سیکڑوں ایسے الفاظ اس میں بطور اندراج (headword) شامل ہیں جو اردو میں کبھی استعمال نہیں ہوئے اور غالباً عربی اور فارسی لغات سے نقل کر لیے گئے ہیں۔ لغت نویسی کے اصولوں کے مطابق جب تک ان الفاظ کے استعمال کی سند اردو میں دست یاب نہ ہو انھیں اردو نہیں کہا جا سکتا اور راقم کی ناقص رائے میں اس میں شامل ہزاروں الفاظ ایسے ہیں جن کے اردو میں استعمال کی سند پیش کرنا بہت مشکل ہوگا۔

لہٰذا ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ:

۱۔ قاموس الہند کی جلدوں کی کل تعداد پچپن (۵۵) ہے۔ انھیں چھبیس (۲۶) قرار دینا فہم سے بالاتر ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ایک اور لغت جس کا ذکر جالبی صاحب نے کیا (اور جو فارسی لغت ہے) چھبیس جلدوں پر مشتمل ہو اور اس کی وجہ سے مغالطہ ہوا ہو۔

۲۔ قاموس الہند کے اندراجات کی کل تعداد ڈھائی لاکھ کے قریب ہوگی اسے تین لاکھ یا سوا تین لاکھ کہنا درست نہیں۔

۳۔ ان ڈھائی لاکھ اندراجات میں عربی، فارسی اور بالخصوص سنسکرت کے ہزاروں ایسے الفاظ بھی

شامل ہیں جو اردو میں کبھی استعمال نہیں ہوئے اور انھیں اردو قرار دینا درست نہیں۔ یوں ان اندراجات کی تعداد ڈھائی لاکھ سے بھی کم رہ جاتی ہے۔

☆ قاموس الہند پاکستان کب اور کیسے پہنچی؟

سوال یہ ہے کہ جہازی قامت کی یہ پچپن جلدیں جن میں سے ہر ایک جلد کا وزن کئی کلو ہے، ہندوستان سے پاکستان کب اور کیسے پہنچیں۔ اور کون صاحب انھیں یہاں لائے اور یہ جامعہ کراچی کے کتب خانے میں کس طرح پہنچیں۔ قدرت نقوی نے قاموس الہند کے بارے میں لکھا ہے کہ "۲۶ ضخیم جلد کی کتاب یقیناً اہمیت کی حامل ہوگی۔ خبر ہے کہ یہ نایاب کتاب دست بردِ زمانہ سے محفوظ ہے اور اب کراچی میں ایک صاحب کے پاس ہے[۱۸]"۔

جن صاحب کا ذکر قدرت نقوی صاحب نے کیا ہے ان کے بارے میں راقم کو ڈاکٹر فرمان فتح پوری صاحب نے بتایا تھا کہ جب وہ (فرمان صاحب) لغت بورڈ کے مدیر اعلیٰ تھے تو "یہ صاحب" ان کے پاس آئے تھے کہ جلدیں بورڈ کے لیے خرید لی جائیں تاکہ لغت کی تیاری میں معاون ثابت ہوں۔ چونکہ وہ صاحب ایک بڑی رقم کے طلب گار تھے لہٰذا فرمان صاحب نے انھیں جمیل جالبی صاحب کے پاس بھیج دیا جو اس وقت کراچی یونی ورسٹی کے وائس چانسلر تھے اور اس طرح کراچی یونی ورسٹی نے اپنے کتب خانے (محمود حسین لائبریری) کے لیے وہ جلدیں اسی ہزار (۸۰،۰۰۰) روپے میں خرید لیں (جو اس زمانے میں بڑی رقم تھی)۔ کتب خانے کی مہر اور داخلہ نمبر کے ساتھ ان جلدوں پر تاریخ بھی پڑی ہے جو گیارہ اپریل ۱۹۸۷ء ہے اور جامعہ کراچی کے کتب خانے کے دستور کے مطابق وہ رقم بھی ہر کتاب کی طرح اس لغت پر درج ہے جو اس کی خریداری پر صرف کی گئی، یعنی اسی ہزار روپے۔

یہ اہم، بسیط اور نادر کام جامعہ کراچی کی محمود حسین لائبریری میں محفوظ ہو گیا۔ البتہ یہ ہندوستان سے یہاں کیسے اور کب پہنچا اس کا کچھ علم نہ ہو سکا اور اب وہ صاحب بھی فوت ہو چکے ہیں۔ قدرت نقوی بھی اور فرمان فتح پوری بھی انتقال کر گئے۔ جالبی صاحب کی صحت اب اتنی نہیں کہ وہ اس پر کچھ روشنی ڈال سکیں۔ لہٰذا اب اس راز سے پردہ اٹھنا مشکل ہے کہ یہ جلدیں ہندوستان میں کہاں تھیں اور پاکستان کب اور کیسے پہنچیں۔ بہرحال یہ تو طے ہے کہ یہ اپریل ۱۹۸۷ء میں جامعہ

کراچی کے کتب خانے میں پہنچ چکی تھیں اور انھیں ایک صاحب سے باقاعدہ بعوض اسی ہزار روپے خریدا گیا تھا کیونکہ اس کا اندراج اس لغت پر موجود ہے۔

☆ قاموس الہند کی پچپن جلدوں کی تفصیل

اس لغت کی جہازی قامت کی پچپن (۵۵) جلدیں، جن میں سے بیشتر خاصی ضخیم ہیں، جامعہ کراچی کے کتب خانے میں محفوظ ہیں جہاں راقم کو انھیں دیکھنے کا موقع ملا۔ پہلی جلد پر کتب خانے کے اندراج کا شمارہ ۴۹۳۴۰ ہے اور اس پر گیارہ اپریل انیس سو تاسی کی تاریخ پڑی ہے۔ یہ بڑے بڑے دفتروں (رجسٹروں) پر خطِ نستعلیق میں خوش خط لکھی ہوئی ہے۔ ان رجسٹروں کی تقطیع تقریباً اٹھارہ (۱۸) انچ ضرب نو (۹) انچ ہے۔

پہلی جلد کے پہلے صفحے پر لغت کا نام یوں درج ہے:

قاموس الہند

فہرستِ لغت اردو

اس کے علاوہ کوئی معلومات فراہم نہیں ہوتیں کیونکہ اس پر اور کچھ بھی درج نہیں ہے۔ نہ کوئی مقدمہ یا دیباچہ ہے، نہ کوئی تعارف یا تقریظ وغیرہ۔ مولف کا نام تک کاتب نے نہیں لکھا اور یہ بڑی حد تک جالبی صاحب کی روایت ہی ہے جس کی بنا پر ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قاموس الہند ہے اور اس کے مولف راجا راجیسور راو اصغر ہیں کیونکہ یہ جالبی صاحب ہی کے دورِ سربراہی میں جامعہ کراچی پہنچی تھی۔

ہر جلد میں صفحات کی تعداد مختلف ہے جیسا کہ نیچے دیے گئے جدول سے ظاہر ہے۔ ہر صفحے پر صرف ایک طرف عبارت لکھی گئی ہے یعنی ورق کی پشت سادہ ہے، البتہ کہیں کہیں اندراجات کا اضافہ انہی سادہ صفحات پر سرخ روشنائی سے کیا گیا ہے اور غالباً انھیں سادہ رکھنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ نظر ثانی میں اضافی عبارت لکھی جا سکے۔ سیاہ روشنائی سے اندراجات ہیں، کہیں کہیں درمیانی جگہ میں ترمیم اور اضافے کے لیے سرخ روشنائی بھی استعمال کی گئی ہے۔ ہر صفحے پر بالعموم ... سطریں ہیں لیکن کئی صفحات پر اندراجات کے ایک سے زیادہ سطر میں آنے کے سبب ہر صفحے پر اندراجات کی تعداد اٹھارہ سے کم بھی ہوئی ہے۔

جلدوں پر صفحات کے شمار کے اعداد مشینی طریقے پر ڈالے گئے ہیں۔ چند جلدوں میں تسلسل سے صفحات کے نمبر پڑے ہیں لیکن بعض جلدوں پر نمبراز سرِنو ایک سے شروع ہو جاتے ہیں۔ بعض اندراجات کا یا بعض مقامات پر معنی کا اضافہ سرخ قلم سے کیا گیا ہے۔ یہ غالباً نظرِ ثانی کا نتیجہ ہے۔

ایک جلد (جلد ۴۷) میں کچھ صفحات جلد بندی میں آگے پیچھے ہو گئے ہیں اور آخری صفحہ (نمبر ۱۱۰۴) جلد ساز کی غلطی سے شروع میں لگ گیا ہے۔ لیکن دراصل صفحات پورے ہیں۔ البتہ ایک جلد ایسی ہے جس میں کچھ صفحات کم ہیں۔ یہ جلد ۲۶ ہے جس پر پہلے صفحے پر ۱۸ کا عدد درج ہے گویا شروع کے صفحات غائب ہیں (لیکن چونکہ ورق کے ایک طرف ہی لکھا گیا ہے لہٰذا نو (۹) صفحات ہی کم ہیں)۔ اس جلد کا آغاز ''ز'' کی بجائے ''زاژ'' سے ہو رہا ہے۔

تقریباً تمام جلدیں اچھی حالت میں ہیں اور اچھی جلد بندی اور کتب خانے کے عملے کی مستعدی کے سبب بالکل محفوظ ہیں، سوائے ایک جلد کے (جلد ۴۷) جس کے خاصے صفحات کے اوپری حصوں کے کونے اڑ گئے ہیں اور ان کے ساتھ کچھ الفاظ بھی ناپید ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ صرف ایک جلد میں ہوا ہے اور اس کی بھی حفاظت کے لیے ان صفحات پر موی کاغذ چڑھا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ مزید نقصان سے محفوظ ہے۔ البتہ کاغذ تقریباً ستر بہتر سال پرانا ہونے کے سبب کچھ بھرا سا ہو چلا ہے اور ٹوٹ جانے کے خطرے سے دوچار ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اس لغت کی تمام جلدوں کے مکمل عکس لے کر ان کو کمپیوٹر پر محفوظ کر لیا جائے، کیونکہ اگر اس کی تدوین وطباعت کا کام شروع بھی ہو گیا تو اس کی اشاعت مکمل ہونے میں بیس پچیس سال درکار ہوں گے۔ تب تک کاغذ کا خدا جانے کیا حشر ہو۔

لائبریری کے عملے نے ان جلدوں پر سہولت کے لیے نام لکھ دیے ہیں اور ایک ہی حرف سے شروع ہونے والے الفاظ اگر ایک سے زیادہ جلدوں میں ہیں تو ان پر لائبریری کے عملے نے حرف کے ساتھ ایک، دو، تین وغیرہ کا عدد ڈال دیا ہے (مثلاً م ایک، م دو وغیرہ) جیسا کہ ذیل کے جدول میں یہ اعداد حروف کے ساتھ درج کیے جا رہے ہیں۔ اسی طرح بعض جلدوں میں ایک سے زیادہ حروف سما گئے ہیں اور ان پر صفحات کا شمار درمیان ہی میں دوبارہ ایک سے کیا گیا ہے۔

ہم نے یہاں انھیں ایک ہی جلد کے تحت میں درج کیا ہے البتہ وضاحت اور سہولت کے خیال سے انھیں اسی جلد نمبر کے ساتھ اگلی سطر میں درج کیا ہے۔ ان جلدوں کی دیگر تفصیلات بھی پیش ہیں۔ بعض حل طلب امور کی وضاحت حواشی میں کی جارہی ہے:

شمار و نام جلد	تقطیع	مشمولات	صفحات
۱۔الف (۱)	الف مقصورہ	اَ تا اڑن کھٹولا	۱تا۶۲۲
۲۔الف (۲)	الف مقصورہ	اڑنا تا اَقوِیلاسُمون	۶۲۳تا۱۲۱۳
۳۔الف (۳)	الف مقصورہ	اَقیانوس تا انجیل	۱۲۱۴تا۱۸۰۴
۴۔الف (۴)	الف مقصورہ	اَنجیلا تا اَیہلولِک	۱۸۰۵تا۲۴۱۰
۵۔آ	الف ممدودہ	آ تا آیئے	۱تا۸۰۰
۶۔ب (۱)	بائے عربی	ب تا برروے اِستادن	۱تا۷۷۳
۷۔ب (۲)	بائے عربی	برروے دریاپل بستن تا بودلا	۷۷۴تا۱۵۰۶
۸۔ب (۳)	بائے عربی	بودلی تا بیا (بے یار۱۹)	۱۵۰۷تا۲۲۲۹
۹۔پ (۱)	بائے فارسی	پ تا پربھاونت	۱تا۶۸۷
۱۰۔پ (۲)	بائے فارسی	پربھات ۲۰ تا پنجاہہ	۶۸۸تا۱۳۷۰
۱۱۔پ (۳)	بائے فارسی	پنجابہ/پنجاپیہ تا پیی رپیئی ۲۱	۱۳۷۱تا۲۱۰۵
۱۲۔ت (۱)	تائے فوقانی	ت تا تعلیس	۱تا۸۱۵
۱۳۔ت (۲)	تائے فوقانی	تعلیظ تا تیہ بندی	۸۱۶تا۱۵۶۸
۱۴۔ٹ،	تائے ثقیل،	ٹ تا ٹیہلا سادھنا	۱تا۳۱۳
ث	تائے مثلثہ	ث تا ثیوصوفیہ	۱تا۸۷
۱۵۔ج (۱)	جیم تازی	ج تا جمل	
۱۶۔ج (۲)	جیم تازی	جمل تا جیشٹھو	۶۳۸تا۱۲۳۸
۱۷۔چ (۱)	جیم فارسی	چ تا چندی	۱تا۵۷۵

۱۸۔چ(۲)	جیمِ فارسی	چدی چندی کرنا تا چیچی	۵۷۶ تا ۱۰۳۸
۱۹۔ح	حائے حطی	ح تا حیتی	۱ تا ۶۱۳
۲۰۔خ	خائے معجمہ	خ تا خیوم/خیومہ/خیدن	۱ تا ۸۵
۲۱۔د(۱)	دالِ مہملہ	د تا دسترخوان کا تو بہ تو کرنا	۱ تا ۵۷۵
۲۲۔د(۲)	دالِ مہملہ	دسترخوان کرنا تا دوران	۵۷۶ تا ۱۱۲۶
۲۳۔د(۳)	دالِ مہملہ	دوران تا دیبہ	۱۱۲۷ تا ۱۲۵۹
۲۴۔ڈ/	دالِ ہندی/	ڈ تا ڈیڑھی/ڈیہڑی	۱ تا ۳۲۹
ذ	ذالِ معجمہ	ذ تا ذیول	۱ تا ۹۵
۲۵۔ر	را[ے] مہملہ	ر تا رئیسہ	۱ تا ۱۰۳۹
۲۶۔ز/	زا	ز اژ ۳۳ تا زیر	۱۸ تا ۳۵۳
ژ	زائے فارسی	ژ تا ژیوہ	۱ تا ۱۵
۲۷۔س(۱)	سینِ مہملہ	س تا سخن جور	۱ تا ۵۵۹
۲۸۔س(۲)	سینِ مہملہ	سخن چاویدہ تا سلو	۵۶۰ تا ۱۱۲۰
۲۹۔س(۳)	سینِ مہملہ	سلوان تا سیچ	۱۱۲۱ تا ۱۶۷۳
۳۰۔ش	شینِ معجمہ	ش تا شیہ کشیدن	۱ تا ۷۵۷
۳۱۔ص/	صادِ مہملہ	ص تا صہیل الفرس	۱ تا ۳۳۵
ض/	ضادِ معجمہ	ض تا ضیون	۱ تا ۱۳۹
ط/	طائے مہملہ	ط تا طیہوج	۱ تا ۲۷۵
ظ	ظائے معجمہ	ظ تا ظہیر	۱ تا ۵۱
۳۲۔ع	عینِ مہملہ	ع تا عطشان	۱ تا ۳۳۵
۳۳۔ع(۲)	عینِ مہملہ	عطشان تا عیمہ	۳۳۶ تا ۶۳۳
۳۴۔غ	غینِ معجمہ	غ تا غیہم	۱ تا ۳۷۵

۳۵۔ف	فا	ف تا فیچ	۱ تا ۵۵۱
۳۶۔ق	قاف	ق تا قیوم	۱ تا ۶۸۹
۳۷۔ک(۱)	کافِ عربی	ک تا کچھوا	۱ تا ۵۷۵
۳۸۔ک(۲)	کافِ عربی	کچھوا تا کل کی بات	۵۷۶ تا ۱۰۸۶
۳۹۔ک(۲)	کافِ عربی	کل کی رات تا کوڑا بھر	۱۰۸۷ تا ۱۵۹۷
۴۰۔ک(۴)	کافِ عربی	کوڑا تا کیہ	۱۵۹۸ تا ۲۱۱۴
۴۱۔گ(۱)	کافِ فارسی	گ تا گلے سے اتارنا	۱ تا ۵۸۷
۴۲۔گ(۲)	کافِ فارسی	گلے سے اترنا تا گھر بیٹھے	۵۸۸ تا ۹۶۸
۴۳۔گ(۳) ؟	کافِ فارسی	گھر بیٹھے پیر دوڑانا تا گئے وہ دن جو خلیل خاں فاختہ مارتے تھے	۹۶۹ تا ۱۱۸۶
۴۴۔ل(۱)	لام	ل تا لقا	۱ تا ۳۹۵
۴۵۔ل(۲)	لام	لقا تا لیئی	۳۹۶ تا ۷۸۶
۴۶۔م(۱)	میم	م تا مجلسِ رقص و سرود	۱ تا ۵۷۱
۴۷۔م(۲)	میم	مجلس... ۲۴ تا مس کرنا	۵۷۲ تا ۱۱۶۴
۴۸۔م(۳)	میم	مس ہونا تا مفلس	۱۱۶۵ تا ۱۷۳۶
۴۹۔م(۴)	میم	مفلس بنادینا تا منہ چلانا	۱۷۳۷ تا ۲۲۹۵
۵۰۔م(۵)	میم	منہ چلنا تا میئر	۲۲۹۶ تا ۲۸۴۲
۵۱۔ن(۱)	نون	ن تا نظریں چرا کر دیکھنا	۱ تا ۶۰۳
۵۲۔ن(۲)	نون	نظریں چرانا تا نیئن	۶۰۴ تا ۱۱۳۸
۵۳۔و	واو	و تا ویبی کرت	۱ تا ۶۳۱
۵۴۔ہ	ہائے ہوز	ہ تا ہیے کی پھوٹنا	۱ تا ۸۰۳
۵۵۔ی	یائے تحتانی	ی تا یَیں	۱ تا ۲۴۷

☆ قاموس الہند: ایک مختصر تنقیدی جائزہ

الفاظ کی تعداد کے بارے میں سطورِ بالا میں کچھ عرض کیا جا چکا ہے۔ ہزاروں اندراجات کے اردو میں مستعمل نہ ہونے کا ذکر بھی ہو چکا۔ ان نکات کی تکرار سے بچتے ہوئے قاموس الہند کے بارے میں مزید کچھ مختصراً عرض کیا جا رہا ہے۔

لغت میں حروفِ تہجی کی ترتیب میں ہائے مخلوط (ھ) کی ترتیب پرانی لغات کے مطابق ہے یعنی ہائیہ آوازوں کو الگ حروفِ تہجی نہیں مانا گیا ہے۔ قاموس الہند میں تلفظ کی وضاحت کا کوئی خصوصی اہتمام نہیں ہے اور بالعموم اعراب کے ذریعے تلفظ کی وضاحت کی گئی ہے۔ بعض مقامات پر اندراجات کی ترتیب غلط ہے۔ مثلاً نویں جلد کا اختتام لفظ ''پر بھاونت'' کے اندراج پر ہوتا ہے اور دسویں جلد میں پہلا اندراج ''پر بھات'' کا ہے۔ یہ ترتیب غلط ہے۔ بلکہ ان دو اندراجات سے پہلے اور بعد میں جو الفاظ درج ہیں ان کی ترتیب بھی غلط ہے (تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے)۔

ہر صفحے پر چار کالم ہیں۔ پہلے کالم میں لفظ یا مرکب کا اندراج ہے، دوسرے میں ماخذ زبان کا مخفف حرف ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

س: سنسکرت۔

ہ: ہندی۔

ان: انگریزی۔

ف: فارسی۔

ع: عربی۔

ا: اردو۔

تیسرے کالم میں قواعدی حیثیت لکھی گئی ہے، مثلاً اسم کے ساتھ مذکر یا مونث لکھا ہے اور افعال کے ساتھ لازم یا متعدی لکھا ہے۔ صفت کے لیے ''صف'' کا مخفف اور متعلق فعل (adverb) کے لیے ''مف'' کا مخفف لکھا گیا ہے۔ چوتھے کالم میں معنی ہیں جو قدیم رواج کے مطابق بیشتر مترادفات کی صورت میں ہیں اور تشریح (جو لغت نویس کا اصل اور سب سے مشکل کام ہے) کم ہی اندراجات کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ بعض مقامات پر دوسرا اور تیسرا کالم خالی چھوڑ دیا گیا ہے۔ غالباً

مولف یا کاتب کو اس کے مکمل کرنے کا موقع نہ مل سکا۔

بہر حال، چند خامیوں سے قطع نظر، قاموس الہند ایک بڑا کارنامہ ہے اور اس پر راجیسور راو اصغر کو جتنا خراجِ تحسین پیش کیا جائے کم ہے (گو یہ حقیقت ہے کہ راجا صاحب نے اپنی مدد کے لیے بڑی تعداد میں منشی رکھے تھے، جیسا کہ قدرت نقوی نے بھی نشان دہی کی ہے، لیکن ایسے عظیم الشان کام کسی فردِ واحد کے بس کے ہوتے بھی نہیں ہیں)۔

اس لغت سے اردو لغات کی تدوین میں بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ کسی قومی علمی ادارے یا جامعہ کراچی کو چاہیے کہ اس کی اشاعت کی کوشش کرے تا کہ اردو کی ایک اور عظیم اور ضخیم لغت سامنے آ سکے۔

تشکر:

جامعہ کراچی کے مرکزی کتب خانے محمود حسین لائبریری کے لائبریرین، ڈپٹی لائبریرین اور ماتحت عملے کا خصوصی شکریہ واجب ہے جن کے خصوصی تعاون کے بغیر قاموس الہند جیسی نادر لغت تک رسائی اور استفادہ ممکن نہ تھا۔

حواشی

۱۔ لسانی مقالات، ص ۱۱۸؛ نیز راجہ راجیسور راو اصغر: بہ حیثیتِ لغت نگار، مشمولہ سہ ماہی اردو، کراچی، جولائی تا ستمبر ۱۹۸۷ء، ص ۳۹۔ یہی مضمون کچھ کمی بیشی کے ساتھ راجیسور راو اصغر کی ''ہندی اردو لغت'' مطبوعہ انجمن ترقی اردو، کراچی، میں بطور مقدمہ شامل ہے۔

۲۔ دکن میں اردو، ص ۶۴۵۔

۳۔ دیکھیے زہرا رضوی کا مقالہ راجیشور راو اصغر، مشمولہ سہ ماہی اردو نامہ، کراچی، جنوری ۱۹۷۰ء، ص ۵۳۔

۴۔ Dictionary of Indo-Persian literature، ص ۸۹۔

۵۔ مطبوعہ مطبع اختر دکن، حیدر آباد دکن، ۱۳۴۱ ہجری۔

۶۔ نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اردو، ص ۶۴۵؛ نیز قدرت نقوی محولہ بالا؛ زہرا رضوی محولہ بالا۔

۷۔ حیدر آباد کی چند شخصیتیں، مشمولہ نقوش، لاہور، شخصیات نمبر، ج ۲، ص ۱۲۸۱۔ نیز راجیسور راو اصغر کے بزرگوں کے حالات قدرت نقوی نے مختصراً بیان کیے ہیں، ملاحظہ ہو: لسانی مقالات، ص ۷۸۔۷۷؛

نیز قدرت نقوی، راجہ راجیسور راو اصغر: بہ حیثیتِ لغت نگار، مشمولہ سہ ماہی اردو محولہ بالا، ص ۴۱۔۴۰

۸۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، ج ۱۱، ص ۹۷۱۔

۹۔ مقدمہ، القاموس الجدید (مصنفہ راجیسور راو اصغر)، بحوالہ زہرا رضوی محولہ بالا، ص ۵۴۔

۱۰۔ محولہ بالا۔

۱۱۔ ملاحظہ ہو: سرفراز علی رضوی، مآخذات: احوال شعرا و مشاہیر، ج ۳، ص ۹۴۔۹۳؛ نیز قدرت نقوی، لسانی مقالات، ص ۸۷۔۸۰

۱۲۔ نقوش محولہ بالا ص ۱۲۸۱۔

۱۳۔ دکن میں اردو، ص ۶۴۶۔

۱۴۔ راجہ راجیسور راو اصغر: بہ حیثیتِ لغت نگار، مشمولہ سہ ماہی اردو، کراچی، جولائی تا ستمبر ۱۹۸۷ء، ص ۶۸۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۶۹۔۶۸

۱۶۔ جالبی، پیش لفظ، ہندی اردو لغت، مرتبہ راجیسور راو اصغر، مطبوعہ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۱۷۔ مثلاً جریدہ کے شمارہ ۲۸ (۲۰۰۴ء) کے اندرونی سرورق پر۔

۱۸۔ لسانی مقالات، ص ۸۸۔

۱۹۔ ''بے یار'' سرخ روشنائی سے درج ہے، غالباً نظرِ ثانی میں اضافہ کیا گیا ہے ورنہ اصل اس جلد کا آخری لفظ ''بیا'' ہی تھا۔

۲۰۔ ''پر بھاونت'' پر نویں جلد کے اختتام کے بعد دسویں جلد کا پہلا لفظ ''پر بھات'' ہے لیکن یہ ترتیب غلط ہے، جیسا کہ اوپر ''قاموس الہند: ایک مختصر تنقیدی جائزہ'' کی سرخی کے تحت میں عرض کیا گیا ہے۔

۲۱۔ ''پیَنی'' کا اضافہ سرخ روشنائی سے کیا گیا ہے لیکن اسے پیَی کے بعد لکھا گیا ہے حالانکہ ترتیب حروف تہجی پینی پہلے آنا چاہیے۔

۲۲۔ جلد ۱۶ کے آخر میں کچھ صفحات خالی بھی ہیں جن پر ۱۲۴۲ تک شمار کے ہندسے درج ہیں لیکن انھیں سادہ ہونے کے سبب یہاں شمار میں نہیں لیا گیا۔

۲۳۔ چھبیسویں جلد کے ابتدائی سترہ (۱۷) صفحات ناپید ہیں اور اسی لیے اس جلد کا آغاز ''زاژ'' سے ہوا ہے۔

۲۴۔ سینتالیسویں جلد میں جلد ساز کی غلطی سے کچھ صفحات آگے پیچھے لگ گئے ہیں اور بظاہر جلد کا آغاز صفحہ

نمبر ۱۱۶۴ سے ہو رہا ہے لیکن دراصل صفحات پورے ہیں اور پہلے صفحے کا نمبر ۵۷۲ ہے جو آگے لگا دیا گیا ہے اور اس صفحے پر پہلا اندراج صفحے کا کونا پھٹ جانے کے سبب پڑھا نہیں جا سکتا البتہ یہ لفظ ''مجلس'' کے ذیلی مرکبات میں سے کوئی ہونا چاہیے۔ اس کے آگے معنی کے کالم میں لکھا ہے ''صف بندی میں فرق آ جانا، نشست کا انتظام بے قاعدہ ہو جانا''۔ گویا یہ اندراج مثلاً ''مجلس کا بے ترتیب ہو جانا'' ہو سکتا ہے۔ پہلے چار اندراجات صفحے کے پھٹ جانے کے سبب پڑھے نہیں جا سکتے۔ البتہ اس جلد کا پانچواں اندراج ''مجلس گفتن'' ہے، معنی دیے ہیں: وعظ کہنا، نصیحت کرنا۔

فہرستِ اسناد

۱۔ اردو لغت بورڈ، اردو لغت (تاریخی اصول پر)، ج ۱۱، مطبوعہ اردو لغت بورڈ، کراچی، ۱۹۹۰ء۔

۲۔ اصغر، راجیسور راو، قاموس الہند، ۵۵ جلدیں، غیر مطبوعہ، محفوظہ مرکزی کتب خانہ، جامعہ کراچی۔

۳۔ اصغر، راجیسور راو، مجمع الالفاظ، مطبوعہ مطبع اختر دکن، حیدر آباد دکن، ۱۳۴۱ ہجری۔

۴۔ تمکین کاظمی، حیدر آباد کی چند شخصیتیں، مشمولہ نقوش، لاہور، شخصیات نمبر، ج ۲، اکتوبر ۱۹۵۶ء، شمارہ ۶۰، ۵۹۔

۵۔ زہرا رضوی، راجیشور راو اصغر، مشمولہ سہ ماہی اردو نامہ، کراچی، جنوری ۱۹۷۰ء، شمارہ ۳۵۔

۶۔ سرفراز علی رضوی، مآخذات: احوالِ شعرا و مشاہیر، ج ۳، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۸۷ء۔

۷۔ شعبۂ تصنیف و تالیف، جریدہ، شمارہ ۲۸، ۲۰۰۴ء، مطبوعہ شعبۂ تصنیف و تالیف، جامعہ کراچی۔

۸۔ قدرت نقوی، سید، راجیسور راو اصغر: بحیثیت لغت نگار، مشمولہ سہ ماہی اردو، کراچی، ج ۶۳، شمارہ ۳، جولائی تا ستمبر، ۱۹۸۷ء، انجمن ترقی اردو، کراچی۔

۹۔ قدرت نقوی، سید، لسانی مقالات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء۔

۱۰۔ قدرت نقوی، سید، (مرتب) مقدمہ، ہندی اردو لغت (مولفہ راجیسور راو اصغر)، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۹۷ء۔

۱۱۔ نبی ہادی، Dictionary of Indo-Persian literature (Nabi Hadi)، اندرا گاندھی نیشنل سنٹر فور دا آرٹس، دہلی، ۱۹۹۵ء۔

۱۲۔ نصیر الدین ہاشمی، دکن میں اردو، ترقی اردو بیورو، دہلی، ۱۹۸۵ء۔

حالی کی شعری لفظیات اور اردو لغت بورڈ کی لغت

الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء-۱۹۱۴ء) کی شاعری میں بعض ایسے نادر الوقوع اور قلیل الاستعمال الفاظ، تراکیب اور محاورات آئے ہیں جو متداول لغات میں بھی کم ہی ملتے ہیں یا ان میں درج ہی نہیں ہیں۔ درحقیقت حالی کی شعری لفظیات سے اردو کا کوئی لغت نویس بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ ذیل میں ہم حالی کی شعری لفظیات سے نادر الوقوع اور قلیل الاستعمال الفاظ و تراکیب و محاورات مع معنی و اسناد بترتیبِ حروفِ تہجی پیش کر رہے ہیں۔ یہاں صرف وہ معنی درج کیے گئے ہیں جو سند سے برآمد ہو رہے ہیں۔ سند کا شعر دے کر کلیات کی جلد اور صفحے کی وضاحت وہیں قوسین میں کر دی گئی ہے تا کہ قاری کو بار بار حواشی سے رجوع نہ کرنا پڑے۔ البتہ دیگر حوالہ جات کی تفصیلات حواشی میں دی گئی ہیں۔

اس کام کے لیے "کلیاتِ نظمِ حالی" مرتبہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی (مبنی بر دو جلد، مطبوعہ مجلس ترقیِ ادب) [1] کو بنیاد بنایا گیا ہے کیونکہ یہ کلیاتِ حالی کا سب سے مستند نسخہ ہے۔ اس کی تدوین میں متعدد نسخے بروئے کار آئے ہیں اور اس میں حالی کا غیر مدون کلام بھی شامل ہے۔ بعض تراکیب بالخصوص قرآنی آیات و احادیث سے متعلق وضاحتیں، امکنہ کے نام نیز تلمیحات سے متعلق تفصیلات افتخار احمد صدیقی نے حواشی میں درج کر دی ہیں لہٰذا ان کو یہاں دہرایا نہیں گیا ہے۔ البتہ کچھ ایسے الفاظ جو انھوں نے حواشی میں درج کر دیے ہیں ہم نے یہاں مع معنی لے لیے ہیں کیونکہ یہ الفاظ اور ان کے معنی یا ان کی اسناد اردو لغت بورڈ کی لغت میں درج نہیں ہیں۔ اس مقالے کا ایک مقصد کلامِ حالی کی مدد سے اردو لغت بورڈ کی لغت "اردو لغت (تاریخی اصول پر)" میں ایسے الفاظ اور ایسی ضروری اسناد کا اضافہ کرنا بھی ہے جو کسی وجہ سے اس میں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں۔ البتہ اگر بورڈ کی لغت میں کسی لفظ کی اس دور کی سند موجود ہے تو حالی کی سند یہاں نہیں

دی گئی ہے۔

اردو لغت بورڈ کی لغت کی تدوین میں یہ اصول طے کیا گیا تھا کہ ہر لفظ کی قدیم ترین سند دینی ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ یہ لفظ اردو میں کب سے مستعمل ہے اور نیز ہر صدی سے کم از کم ایک سند دینی ہے تا کہ مختلف ادوار میں اس لفظ کے استعمال میں تسلسل کا ثبوت مل سکے کیونکہ لفظ کے معنی اس کے استعمال سے طے ہوتے ہیں۔ لفظ کے کسی خاص معنی میں استعمال کیے جانے میں تسلسل ہو تو یہ طے ہوتا ہے کہ لفظ رائج ہے، متروک نہیں ہوا۔ یہی بنیاد ہے تاریخی اصولوں کی لغت نویسی کی اور بورڈ کی لغت بھی اسی اصول پر مرتب کی گئی ہے۔

عرض یہ ہے کہ بورڈ کی لغت یا بعض لغات کی کمیوں کی طرف اشارہ کرنے کا مقصد تنقیص نہیں بلکہ ان کمیوں کو پورا کرنا مطلوب ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اردو لغت بورڈ کی لغت کی تدوین نو کی جائے اور اس میں ضروری اصلاحات، ترمیمات اور اضافے کیے جائیں۔ اس مقالے کا مقصد بھی یہی کہ بورڈ جب اس کے دوسرے ایڈیشن کی تیاری شروع کرے تو اس میں آسانی ہو۔ گویا یہ کام بورڈ کی مدد کے خیال سے کیا گیا ہے (بورڈ کو اب حکومت نے عضوِ معطل بنا دیا ہے)۔ لہٰذا اس کام کو نکتہ چینی اور عیب جوئی نہ سمجھا جائے۔ بورڈ کی لغت اردو کی ضخیم ترین ہی نہیں بہترین لغت بھی ہے۔ اس میں کچھ الفاظ یا اسناد کی کمی سے اس کا درجہ کم نہیں ہوتا۔ الفاظ کی تعداد اور اسناد کے لحاظ سے یہ بے نظیر ہے اور اس میں حالی کی بھی بیسیوں اسناد موجود ہیں۔ اس میں اگر کوئی کمی ہے تو اس کمی کو پورا کرنا ہر پاکستانی کا قومی فریضہ ہے اور اس میں ہر ایک کو بقدرِ استطاعت حصہ ڈالنا چاہیے۔

یہاں تلفظ کی وضاحت کی بھی سعی کی گئی ہے اور اس کام میں اردو کی مستند لغات کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ اردو الفاظ کا آخری حرف چونکہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے لہٰذا اس کے اعراب ظاہر نہیں کیے گئے اور اسے ساکن ہی سمجھا جائے۔ الف اگر طویل مصوتے کی صورت میں آیا ہے تو اس کے بھی اعراب نہیں بتائے گئے کیونکہ یہ واضح ہے۔ لغات کا حوالہ دیتے وقت حسبِ ذیل مخففات استعمال کیے گئے ہیں (طباعتی تفصیلات آخر میں دی گئی فہرست اسناد میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں):

اسٹین گاس: A comprehensive Persian-English dictionary

امیر: امیر اللغات (مرتبہ امیر مینائی)

آصفیہ: فرہنگِ آصفیہ (مرتبہ سید احمد دہلوی)

بورڈ: اردو لغت (تاریخی اصول پر)

پلیٹس: A dictionary of Urdu, classical Hindi and English

جامع: جامع اللغات (مرتبہ خواجہ عبدالمجید)

علمی: علمی اردو لغت (مرتبہ وارث سرہندی)

فرہنگِ تلفظ: فرہنگِ تلفظ (مرتبہ شان الحق حقی)

فیلن: A new Hindustani-English dictionary

مہذب: مہذب اللغات (مرتبہ مہذب لکھنوی)

نور: نور اللغات (مرتبہ نور الحسن نیر)

☆ الصلا (الف مفتوح، ل غیر ملفوظی، ص مشدد بفتحہ)

دعوت؛ صلاے عام۔ کسی کو خوش آمدید کہتے وقت بولتے ہیں۔ بورڈ نے درج کیا ہے لیکن صرف ایک سند میر (۱۸۱۰ء) کی دی ہے حالانکہ غالب کے ہاں آیا ہے:

روزگارِ ضعف و سستی الصلا

وقتِ سعی و جاں فشانی الوداع (ج ا،ص ۱۳۰)

☆☆ ایتلاف (یاے معروف، ت مکسور)

بورڈ نے درج نہیں کیا۔ البتہ اس کا دوسرا املا ہمزہ سے ہے اور بورڈ نے "ائتلاف" درج کیا ہے۔ عربی لفظ ہے۔ اشٹین گاس نے معنی دیے ہیں: دوستی، میل ملاپ، انس۔ جامع نے بے تکلفی، دوستی، رفاقت جیسے مترادفات درج کیے ہیں۔ علمی نے معنی دیے ہیں بے تکلفی، دوستی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ آصفیہ نے "ایتلافِ ثلاثہ" تو دیا ہے لیکن ترکیب سے پہلے ایتلاف کو بطور مفرد لفظ درج نہیں کیا۔ فرہنگِ تلفظ نے "ایتلاف" لکھ کر "ائتلاف" سے رجوع کرایا ہے۔ بورڈ کو چاہیے اگلے ایڈیشن میں کم از کم ایتلاف لکھ کر اس کے متبادل املا "ائتلاف" سے رجوع کرادیا جائے اور

حالی کی سند "ابتلاف" کے ساتھ درج کر دی جائے (اگرچہ یہ بحث طلب ہے کہ یہ املا حالی کا ہے یا کاتب کا)۔

تلخ ہے جب تک ثمرِ اختلاف
ہے تر و تازہ شجرِ ابتلاف (ج ۱، ص ۴۷۴)

☆ اُولُو الفضل (الف مضموم، واو غیر ملفوظی، ل مضموم، واو غیر ملفوظی، الف غیر ملفوظی، لام ساکن، ف مفتوح، ض ساکن)

بورڈ نے درج نہیں کیا۔ معنی ہیں فضل والے لوگ، صاحبانِ فضل۔ حالی کے ہاں سند موجود ہے۔ اس سند کو بورڈ نے "ابوالوقت" کی سند کے طور پر درج کیا ہے اور اس میں "اولوالفضل" کو "ابوالفضل" لکھا گیا ہے۔ ممکن ہے کچھ نسخوں کے متن میں یہی درج ہو۔ یہ تصحیف ہے۔ لیکن تب بھی بورڈ کو اس سند کی بنیاد پر کم از کم "ابوالفضل" ہی کا اندراج کرنا چاہیے تھا جو موجود نہیں ہے۔ ہر دو صورتوں میں، یعنی خواہ اسے "ابوالفضل" پڑھا جائے خواہ "اولوالفضل"، اس سند اور لفظ کا اضافہ بورڈ کو کرنا چاہیے۔

اولوالفضل یاں اٹھے سرّاج کتنے
ابوالوقت ہو گزرے حلّاج کتنے (ج ۲، ص ۱۵۹)

☆ ایلی (یائے مجہول)

بورڈ نے درج نہیں کیا بلکہ آصفیہ، نور، فیلن، مہذب، فرہنگ تلفظ، امیر، جامع اور علمی میں سے کسی نے درج نہیں کیا۔ پلیٹس نے "ایلی" درج نہیں کیا لیکن "ایلی ایلا" درج کیا ہے اور معنی دیے ہیں "یا علی یا اللہ"۔ پلیٹس نے اس کا اشتقاق "ہندی" لکھا ہے جو تعجب خیز ہے (لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ پلیٹس کے ہاں عربی اور فارسی الفاظ کی اصل کو بھی سنسکرت بتانے کا رجحان ہے، لہٰذا کچھ زیادہ تعجب خیز بھی نہ ہونا چاہیے)۔ کلیاتِ نظمِ حالی کے مرتب ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کے بقول یہ عبرانی لفظ ہے اور "اللہ" کے معنی میں ہے [۲]۔ حالی کی سند پیش ہے:

مظلوم کتنے تیرے سہارے
ایلی ہی ایلی کہتے سدھارے (ج ۱، ص ۲۴۰)

☆ آفس

انگریزی لفظ office ، جو اردو میں دفتر کے معنوں میں رائج ہو گیا ہے، بورڈ نے درج کیا ہے لیکن قدیم ترین سند اکبرالہ آبادی (۱۹۲۱ء) کی دی ہے جبکہ حالی کی سند قدیم تر ہے۔

مدار اہل کاری کا ہے اب انھی پر
انھی کے ہیں آفس انھی کے ہیں دفتر (ج۲،ص۹۵)

☆ آگے کو کان ہونا

اس محاورے کا ایک متن ''کان ہوجانا'' یا ''کان ہونا'' بھی ملتا ہے اور بورڈ نے ''کان ہونا'' مع اسناد درج بھی کیا ہے۔ لیکن بورڈ نے ''آگے کو کان ہوجانا رہونا'' کا اندراج نہیں کیا۔ بلکہ فرہنگِ آصفیہ کا حوالہ دے کر ''آگے کو کان ہوئے'' درج کر کے اسے ''فقرہ'' قرار دیا ہے اور پھر اس کو ''آگے سے کان پکڑا'' سے رجوع کرا دیا ہے۔ وہاں معنی لکھے ہیں ''آئندہ ایسا نہیں کریں گے''۔ حالانکہ ''آگے کو کان ہونا'' بطور محاورہ درج کرنا ضروری تھا۔ معنی ہیں: تجربے کے بعد نصیحت ہو جانا، غلطی کے بعد متنبہ ہو جانا، بھول کے بعد آئندہ کے لیے احتیاط کا ارادہ کرنا۔ اس کی سند حالی سے پیش ہے۔

جب سے سنی ہے تیری حقیقت چین نہیں اک آن ہمیں
اب نہ سنیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہمیں (ج۱، ص۱۳۹)

☆ یادخوانی

یاوہ گوئی، فضول باتیں کرنے کا عمل، تیز خوشامد۔ بورڈ نے اسے ''یادخوان'' کے تحت میں درج کیا ہے لیکن الگ سے راس لفظ (headword) بننا چاہیے تھا۔ پھر اس کی قدیم ترین سند بورڈ نے ۱۹۲۹ء کی دی ہے جبکہ حالی کے ہاں پہلے آیا تھا۔

شیوہ تیرا بوالفضولی اور یہ لاف و گزاف
پیشہ تیرا یاد خوانی اور اتنا ادعا (ج۱،ص۴۵۲)

☆ بالائی

بالائی اسم بھی ہے اور صفت بھی۔ بورڈ نے دونوں معنی درج کیے ہیں۔ البتہ بالائی بطور اسم

ایک اور معنی میں بھی حالی نے استعمال کیا ہے اور وہ معنی ہیں اوپر کی آمدنی یا اضافی آمدنی۔ رشوت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ رشوت کے معنی میں اردو میں عام طور پر ''بالائی آمدنی'' کی ترکیب استعمال ہوتی ہے اور بورڈ نے اسے درج بھی کیا ہے۔ لیکن اسے صرف بالائی بھی کہتے ہیں۔ اضافی شے کے معنی بھی ہیں۔ بورڈ کو چاہیے کہ ''بالائی'' کا جو اندراج بطور اسم مونث کیا گیا ہے اس میں نظرِ ثانی کے وقت ان معنوں کا اضافہ حالی کی سند کے ساتھ کرے۔

اے غمِ دوست تجھی پر نہیں اپنی گزران
کچھ فتوح اس کے سوا اور ہے بالائی بھی (ج ا، ص ۱۵۵)

☆ بال گندھوانا (گ مضموم)

بورڈ نے ''بال گوندھنا'' یعنی بالوں کی چوٹی بنانا درج کیا ہے لیکن اس کا متعدی فعل بھی درج ہونا چاہیے جو نہیں ہے۔ حالی کی سند موجود ہے۔

سرمہ نہیں آنکھوں میں لگاتی
بال نہیں برسوں گندھواتی (ج ۲، ص ۲۲)

☆ بالی

یہ اسم مونث بھی ہے اور صفت بھی۔ بورڈ نے درج کیا ہے، اسناد بھی درج ہیں لیکن بطور اسم مونث ''کم سن لڑکی، کم عمر کی لڑکی'' (بالا کی تانیث) میں انیسویں صدی کی سند کی کمی ہے جو حالی کے ہاں دست یاب ہے۔

بالیاں ایک اک ذات کی لاکھوں
بیاہیاں ایک اک رات کی لاکھوں (ج ۲، ص ۳۲)

☆ برشانا (ب مضموم)

بورڈ نے درج نہیں کیا۔ نہ اردو کی کسی متداول لغت ہی میں موجود ہے۔ البتہ حقی صاحب نے فرہنگِ تلفظ میں ایک لفظ ''برشائی'' درج کیا ہے۔ معنی لکھے ہیں: مطبع میں کاغذ کے گتے تراشنے کا عمل۔ سیف چلانا (بورڈ نے ''برشائی'' کا اندراج بھی نہیں کیا)۔ اس کے بعد انھوں نے اس کی اصل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فارسی لفظ ''بُرِش'' [یعنی کاٹ، تلوار وغیرہ کی] سے بنا ہے۔

حالی کے شعر میں لفظ ''رانپی'' کے استعمال سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ برشانا کے معنی کھرچنا، چھیلنا ہوسکتے ہیں (یہ شعر رانپی کی بھی سند ہے، بورڈ کو چاہیے کہ اسے بھی لے لے کیونکہ بورڈ نے رانپی کی جو دو اسناد دی ہیں ان میں زمانی فاصلہ زیادہ ہے)۔

رانپی سے برشا کے تلا
سیتا ہوں دونوں کو ملا (ج ا، ص ۵۳۷)

☆ برہم (ب مکسور، ر ساکن، ہ مفتوح)

یہ دراصل ''برہمن'' کی تخفیف شدہ صورت ہے۔ بورڈ نے درج کیا ہے لیکن ان معنی میں صرف ایک سند عصمت چغتائی کی دی ہے۔ قدیم تر سند حالی کے ہاں موجود ہے۔

ہنس کے برہم نے کہا ہے مانگنا بندے کا کام
دے نہ دے وہ اس سے کچھ مطلب نہیں اپنے تئیں (ج ا، ص ۲۱۵)

☆ بسترا (ب مضموم، س ساکن، ت مفتوح)

بورڈ نے اس کا اندراج بستر کے ساتھ کر دیا ہے۔ اگرچہ بستر ہی کے معنی میں ہے لیکن الگ سے اندراج ہونا چاہیے تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ بورڈ نے ''بستر/بسترا'' درج کر کے جتنی اسناد دی ہیں وہ سب بستر کی ہیں اور بسترا کی ایک بھی سند نہیں ہے۔ حالی کے ہاں موجود ہے۔

چھیڑ کر واعظ کو حالی خلد سے
بسترا کیوں اپنا پھنکواتے ہیں آپ (ج ا، ص ۱۰۵)

☆ بوالفضولی (ب مضموم، واو غیر ملفوظی، الف غیر ملفوظی، لام ساکن، ف مفتوح، واو معروف)

یاوہ گوئی، فضول یا بے حقیقت باتیں کرنے کا عمل یا کیفیت۔ بورڈ نے اسے ''بوالفضول'' کے ساتھ ہی درج کر دیا ہے حالانکہ راس لفظ (headword) کے طور پر الگ اندراج ہونا چاہیے تھا۔ بورڈ نے اس کا ایک املا ''بلفضولی'' دیا ہے اور اس کی سند بھی دی ہے۔ البتہ ''بوالفضولی'' کے ساتھ بورڈ نے جو سند دی ہے وہ ۱۹۲۷ء کی ہے۔ حالی کے ہاں اس سے قبل آیا ہے لہٰذا قدیم تر سند لینی چاہیے جو یہ ہے:

شیوہ تیرا بوالفضولی اور یہ لاف و گزاف
پیشہ تیرا بادخوانی اور اتنا ادعا (ج ا،ص ۴۵۲)

☆ بیاہی (یائے مخلوط)

شادی شدہ (عورت)، بیاہا کی تانیث۔ بورڈ نے درج کیا ہے لیکن اسناد صرف دو دی ہیں، ۱۵۰۳ء کی اور ۱۹۳۶ء کی۔ انیسویں صدی کی سند حاضر ہے۔

بالیاں ایک اک ذات کی لاکھوں
بیاہیاں ایک اک رات کی لاکھوں (ج ۲،ص ۳۳)

☆ بین الاماثل (یائے لین، نون مضموم، لام ساکن، الف مفتوح، ث مکسور)

بورڈ نے اندراج نہیں کیا۔ جامع کے مطابق اماثل جمع ہے مثل کی اور اس کے معنی امیر یا رؤسا بھی ہے۔ لہٰذا بین الاماثل کے معنی ہوئے امیروں کے درمیان، رئیسوں کے مابین۔ اس سے مراد ہم چشموں کے درمیان بھی ہوسکتا ہے۔ حالی کی سند سے بھی یہ معنی نکل رہے ہیں۔

یہ لے دے کے ہے علم کا ان کے حاصل
اسی پر ہے فخر ان کو بین الاماثل (ج ۲،ص ۱۲۱)

☆ بھرن (بھ مفتوح، ر مفتوح)

بھرنے کا عمل۔ بورڈ نے کوئی سند نہیں دی، محض پلیٹس کا حوالہ دے دیا ہے۔ جبکہ حالی کی سند موجود ہے۔

وہ سہانے بول شہنا کے وہ باجوں کی جھڑی
پڑ رہی ہے جن کی گویا کان میں اب تک بھرن (ج ۲،ص ۲۳۶)

☆ بھوبھل (واو معروف، بھ مفتوح)

گرم ریت اور راکھ کے معنی میں بورڈ نے درج کیا ہے لیکن ۱۷۹۵ء اور ۱۹۲۶ء کی اسناد دی ہیں۔ درمیانی عرصے کی سند ضروری ہے اور وہ حالی کے ہاں دست یاب ہے۔

دبی تھی بھوبھل میں چنگاری
لی نہ کسی نے خبر ہماری (ج ۲،ص ۱۶)

☆ پچھوا (پ مفتوح)

پچھم یعنی مغرب کی جانب سے چلنے والی ہوا۔ مجازاً: برا وقت، خراب حالت۔ بورڈ نے پچھوا کے مجازی معنی نہیں دیے جبکہ محاورہ ''پچھوا پُروا ہو جانا'' درج کیا ہے اور مجازی معنی دیے ہیں (چونکہ محاورہ تو ہوتا ہی مجازی معنی میں ہے)۔ جن معنوں میں بورڈ نے درج کیا ہے ان کی بیسویں صدی سے کوئی سند نہیں دی۔ حالی کی سند ہے۔

یاں پچھوا ہے واں پروا ہے
گھر گھر تیرا حکم نیا ہے (ج۲، ص ۸)

☆ پچھیتی (پ مکسور، یائے مجہول)

بورڈ نے درج کیا ہے اور معنی دیے ہیں: فصل جو دیر میں تیار ہو۔ پلیٹس نے دو معنی لکھے ہیں اور ''دیر سے بوئی ہوئی فصل'' بھی لکھا ہے۔ یہ ''اگیتی'' کی ضد ہے۔ بورڈ نے سند ''وادیٔ مہران کی زراعت'' نامی کتاب سے دی ہے اور اس پر سال ۱۸۸۴ء ڈالا ہے۔ جو غلط ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس طرح قدیم تر سند کی ضرورت رہتی ہے اور یہ لفظ حالی کے کلام میں آیا ہے۔

ڈوب چکی ہے جن کی اگیتی
دیتی ہے ڈھارس ان کو پچھیتی (ج۲، ص ۱۰)

☆ پیٹ بھر کے (احمق)

بورڈ نے پیٹ بھر کر کے تو درج کیا ہے اور معنی بھی دے دیے ہیں یعنی پوری طرح، سیر ہو کر۔ لیکن افتخار احمد صدیقی نے لکھا ہے کہ اصل میں یہ ''پیٹ بھر کے احمق'' ہے اور لفظ ''احمق'' اکثر اس مقام پر حذف کر دیتے ہیں[۳]۔ بورڈ کو چاہیے کہ اگلے ایڈیشن میں ان معنی کا اضافہ حالی کی سند سے کرے۔

جو کھانا تو بے حد جو پینا تو ات گت
غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے (ج۱، ص۲۰۶)

☆ تعرف الاشیاء بالاضداد

(عربی ضرب المثل) ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ بورڈ نے درج کیا ہے لیکن قدیم

ترین سند عزیز لکھنوی کی ''صحیفۂ ولا'' (۱۹۳۵ء) سے دی ہے جبکہ حالی کے ہاں اس سے بہت پہلے یہ کہاوت آئی ہے۔

تعرف الاشیاء بالاضداد ہے قولِ حکیم
دے گا قیدی سے زیادہ کون آزادی پہ دم (ج ۱، ص ۱۸۰)

☆تلمیذِ رحمٰن (ت مفتوح، ل ساکن، یائے معروف)

بورڈ نے ''الشعرا تلامیذ الرحمٰن'' درج کیا ہے۔ یہ عربی مقولہ اردو میں بھی رائج ہے، معنی ہیں شعرا اللہ کے شاگرد ہوتے ہیں (یعنی شاعری الہامی چیز ہے اور قدرت کی طرف سے ودیعت ہوتی ہے)۔ لیکن اسے ''الشعرا'' کے بغیر بھی یعنی تلمیذ الرحمٰن یا تلمیذِ رحمٰن بھی لکھا اور بولا جاتا ہے۔ بورڈ نے تلمیذ الرحمٰن بھی درج کیا ہے لیکن صرف ایک سند اور وہ بھی ۱۹۷۶ء کی دی ہے۔ حالی کے ہاں یہ ترکیب تلمیذِ رحمٰں کی صورت میں برتی گئی ہے۔

دعویٰ فضل و براعت اس کو زیبا ہے یہاں
جو کوئی تلمیذ رحمٰں تم میں ہو میرے سوا (ج ۱، ص ۴۵۰)

☆تہامی (ت مکسور)

تہامہ سے تعلق یا نسبت رکھنے والا: تہامہ سرزمینِ عرب میں ایک مقام ہے، اسی نسبت سے رسول کریم ﷺ کو رسولِ تہامی کہا گیا۔ بورڈ نے درج کیا ہے اور حالی کی سند بھی دی ہے اور معنی میں بورڈ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''تہامہ (علَم) سے منسوب یا متعلق''۔ معنی درست ہیں لیکن بہتر ہوتا کہ ''تہامہ'' کے لفظی معنی بھی دے دیے جاتے۔ تہامہ کے لفظی معنی ہیں پیاس لگنے کی جگہ۔ جزیرہ نما عرب کے پہاڑی سلسلے کوہ سرات کے مغربی حصے سے لے کر بحرِ احمر تک کا علاقہ نشیبی ہے۔ اسے غور کہتے ہیں اور چونکہ یہاں شدید گرمی پڑتی ہے اس لیے اسے تہامہ کہتے ہیں ۵۔

الٰہی بحق رسول تہامی
ہر اک فرد انساں کا تھا جو کہ حامی (ج ۲، ص ۱۷۵)

☆تنت پر خبر لینا (ت مفتوح، ن ساکن)

تنت بمعنی وقت، موقع، ضرورت۔ مراد ہے عین وقت پر مدد کرنا۔ بورڈ نے تنت کا اندراج

کیا ہے، حالی کی سند بھی دی ہے، لیکن ''تنت پر خبر لینا'' کا اندراج نہیں ہے۔

توفیق نے ہمیشہ لی تنت پر خبر یاں
جب ناو ڈگمگائی پاس آگیا کنارا (ج ا، ص ۹۳)

☆ جاپا

زچگی کے معنی میں بورڈ نے دیا ہے مگر صرف ایک سند ۱۹۶۲ء کی دی ہے۔ اس سے قدیم تر سند حالی کی ہے۔

دردوں کے دکھ تم نے سہے جاپے کی جھیلی سختیاں
جب موت کا چکھا مزا تب تم کو یہ دولت ملی (ج ۲، ص ۴۸)

☆ جانِ جہانیاں

لوگوں کی جان۔ بورڈ نے اس ترکیب کا اندراج نہیں کیا۔ حالی کی سند پیش ہے۔

رحمت تری غذا ہے، غصہ ترا دوا ہے
شانیں ہیں جتنی تیری، جانِ جہانیاں ہیں (ج ا، ص ۱۳۸)

☆ جزبزہ (ج مکسور، ز ساکن، ب مکسور، ز مفتوح)

جز بز فارسی لفظ ہے جس کے معنی ہیں پریشان، برہم، ناراض، کبیدہ خاطر۔ لیکن جزبزہ اردو کی متداول لغات میں درج نہیں ہے۔ بورڈ نے بھی درج نہیں کیا۔ پریشانی، برہمی یا کبیدہ خاطری کے معنی میں ہو سکتا ہے۔ نیز عیاری، مکاری کے معنی میں بھی آ سکتا ہے۔ حالی کی سند سے بھی یہ ظاہر ہے۔

عقل نے سن کے کہا خوف ہے تجھ سے اے نفس
جزبزہ تیرا تجھے دیکھیے پہنچائے کہاں (ج ا، ص ۱۸۸)

☆ چخوانا (چ مکسور)

چیخنا کا متعدی۔ بورڈ نے درج کیا ہے لیکن قدیم ترین سند ''مضامینِ عظمت'' (۱۹۲۴ء) سے دی ہے جبکہ اس سے بھی قدیم سند حالی کے ہاں موجود ہے۔

جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی
رات بھر یاروں کو چخوایا عبث (ج ا، ص ۱۰۹)

☆ چکانا (چ مضموم)

کوئی چیز خریدتے وقت گاہک کا کوشش کرنا کہ دام کم ہو جائیں، قیمت کم کرانا۔ بورڈ نے درج کیا ہے لیکن اول تو معنی کی پوری وضاحت نہیں کی، صرف ''قیمت یا اجرت ٹھہرانا، مول تول کرنا'' لکھا ہے۔ ''گاہک کا قیمت کم کرانا'' کے معنی میں حالی کے ہاں بڑے پر لطف انداز میں آیا ہے۔

چپ چپاتے اسے دے آئے دل اک بات پہ ہم
مال مہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا (ج ا،ص ۱۰۲)

☆ چُھٹوانا (چھ مضموم)

بورڈ نے درج کیا ہے لیکن دو معنوں کو ملا دیا یعنی آزاد کرانا اور جدا کرانا اور ایک ہی سند دی ہے حالانکہ وہاں سند سے صرف ایک ہی معنی برآمد ہو رہے ہیں۔ دونوں شقوں کو الگ الگ بنانا چاہیے تھا جیسا کہ مزید معنی الگ بنائے گئے ہیں (اگرچہ سند اس کی بھی نہیں دی صرف آصفیہ کا حوالہ دے دیا گیا ہے)۔ بورڈ نے جو ایک سند دی ہے وہ بھی ۱۹۲۴ء کی ہے۔ اس سے قبل حالی نے استعمال کیا ہے۔

ایک ہی دوست اور اس سے ہمیں چُھٹواتے ہو
ناصحو اب تمھیں دشمن کہیں یا دوست بتاؤ (ج ا،ص ۱۰۷)

☆ چھکوانا (چھ مفتوح)

یہ چھکانا کا متعدی ہے۔ معنی ہیں پیٹ بھروا دینا، سیری کی حد تک کوئی شے دلوا دینا نیز مست کروا دینا۔ بورڈ نے چھکوانا درج کیا ہے لیکن سند کوئی نہیں دی۔ صرف پلیٹس اور جامع کا حوالہ دے دیا ہے۔ سند ضروری ہے جو حالی کے کلام سے مل سکتی ہے۔

غنی ہیں شال میں مست اور گدا ہیں کھال میں مست
ہے ایک خوان سے منعم نے سب کو چھکوایا (ج ا،ص ۲۷۳)

☆ حصر کرنا (ح مفتوح، ص ساکن، ر ساکن)

بورڈ نے صرف ''حصر'' درج کیا ہے۔ ''موقوف، منحصر'' کے معنی میں حالی کی سند بھی دی ہے۔ لیکن ''حصر کرنا'' بھی درج ہونا چاہیے تھا۔ معنی ہیں (آرا کا) احاطہ کرنا، (خیالات یا مباحث

کو) سمیٹ لینا۔ حالی کی سند بھی ہے۔

بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ
حصر کرنا ان تمام آرا کو مشکل کام ہے (ج ا، ص ۱۹۶)

☆ حصین (ح مفتوح، یائے معروف)

محفوظ اور مضبوط کے معنی میں ہے اور بورڈ نے درج بھی کیا ہے مگر صرف ایک سند دی ہے جو "بستانِ حکمت" (۱۸۳۸ء) کی ہے۔ اس کے بعد کے ادوار میں بھی مستعمل رہا ہے۔ حالی کی سند حاضر ہے۔

ڈھیلوں سے چنتا ہوں حصار حصیں
ریشوں کو کردیتا ہوں حبلِ متیں (ج ا، ص ۴۶۳)

☆ خویش وتبار (واو معدولہ)

اہل خانہ، گھر والے، خاندان والے۔ بورڈ نے درج کیا ہے مگر صرف ایک سند دی ہے جو "خاورنامہ" (۱۶۴۹ء) کی ہے۔ اس کے بعد بھی مستعمل رہا ہے۔ حالی کے ہاں بھی ہے۔

خاک و کرمان، گور و خویش و تبار
ایک میت اور اس قدر وارث (ج ا، ص ۱۰۸)

☆ درد (جمع، مونث)

اسم ہے، بالعموم واحد مذکر بولا اور لکھا جاتا ہے۔ لیکن جمع کے صیغے میں آئے تو دردِ زہ سے مراد ہوتی ہے۔ دردِ زہ کے معنی میں کبھی مونث بھی بول دیتے ہیں۔ بقولِ وحیدہ نسیم "دردیں: درد کی جمع، لیکن صرف دردِ زہ کے لیے بولا جاتا ہے۔ دردیں آنا یا دردیں لگنا محاورہ ہے[۶]"۔ گویہ خواتین کی زبان ہے۔ بورڈ نے ان معنی میں نہیں دیا۔ حالی کے ہاں ہے۔

دردوں کے دکھ تم نے سہے جاپے کی جھیلی سختیاں
جب موت کا چکھا مزا تب تم یہ دولت ملی (ج ۲، ص ۴۸)

☆ دردا

بورڈ نے معنی دیے ہیں "افسوس"۔ اور الف کو لاحقۂ ندبہ قرار دیا ہے، یعنی ہائے افسوس! ۔ سند

صرف ایک دی ہے جو ۱۸۶۶ء کی ہے۔حالی کے ہاں آیا ہے۔

دردا کہ لب پہ راز دل آیا نہ تھا ہنوز
چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دور تھا (ج ا،ص ۶۱)

☆ دع ما کدر وُخذ ما صفا

عربی کی کہاوت ہے اور اردو میں بھی مستعمل ہے۔معنی ہیں جو پاک (یا معقول) ہے اسے لے لو اور جو گدلا (یا نامناسب) ہے اسے چھوڑ دو۔اس کا ایک متن یوں بھی ہے "خذ ما صفا و دع ما کدر" جسے بورڈ نے "خذ" کے تحت میں درج بھی کیا ہے۔لیکن بورڈ نے دع ما کدر الخ کا اندراج نہیں کیا۔حالی کی سند موجود ہے۔

ہزل ہو یا جد نصیحت لیجیے ہر بات سے
کہہ گئے ہیں اہل دل دع ما کدر خذ ما صفا (ج ا،ص ۴۶۲)

☆ دَلانا (دمفتوح)

بورڈ نے درج نہیں کیا۔افتخار احمد صدیقی نے لکھا ہے "کشتی دَلانا یعنی پچھاڑنا۔کشتی کا لفظ حذف کر کے صرف دلانا بھی بولتے ہیں" ہے۔بورڈ نے کشتی دَلانا کو کشتی دِلانا (یعنی فتحہ کی بجائے کسرہ سے) درج کیا ہے،کوئی سند نہیں دی صرف نوراور مہذب کا حوالہ دے دیا ہے،معنی لکھے ہیں کشتی کی مشق کے واسطے شاگرد کو پچھاڑنا۔یہ نور کے الفاظ ہیں۔خدا جانے "واسطے" اب کون بولتا ہے لیکن بورڈ نے لکھ دیا ہے (لفظ بلفظ نقل میں یہی تو خرابی ہے)۔بورڈ کو چاہیے کہ حالی کی سند لے کر درست اندراج کرے۔

علم و ادب رہے ہیں دلبے ترے ہمیشہ
ہر معرکے میں تو نے ان کو دَلا کے چھوڑا (ج ا،ص ۹۲)

☆ دوَن لگنا (واو لین)

بورڈ نے "دون" درج کیا ہے اور اس کی اسناد میں دون لگنا کی بھی سند موجود ہے۔پھر بورڈ نے "دون لگن" بھی بنایا ہے۔لیکن ایک تو یہ کہ اس میں دون لگنا کے سارے معنی ایک ساتھ لکھ دیے ہیں،پھر دون لگنا کی کوئی سند بھی نہیں دی،پلیٹس اور جامع کا حوالہ دے دیا ہے (جبکہ دون کی

سند میں دون لگنا کی سند دے دی ہے)۔ دون لگنا کے معنی الگ الگ شق میں الگ الگ اسناد کے ساتھ درج ہونے چاہییں۔ '' آگ لگنا'' کے معنی میں دون لگنا کی سند حالی کے ہاں بھی ہے۔

بھولی ہوئی ہیں ڈاریں ہرنوں کی چوکڑی سب
جائیں کدھر کہ ہر سو دوں لگ رہی ہے بن میں (ج ا،ص ۱۴۵)

☆ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ چننا

بورڈ نے درج کیا ہے لیکن کوئی سند نہیں دی، جامع اور پلیٹس کا حوالہ دے دیا ہے اور معنی کے لیے ''ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانا'' سے رجوع کرادیا ہے۔ حالانکہ حالی کے ہاں اس کی سند موجود ہے۔

قوم میں جو دیکھیے چھوٹا بڑا
چنتا ہے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا (ج ا،ص ۴۶۵)

☆ ڈھولا (واو مجہول)

ایک طرح کا گیت۔ بورڈ نے درج کیا ہے اور معنی دیے ہیں'' پنجابی لوک گیت جو ماہیہ ٹپہ کی طرز کا ہوتا ہے اور شادی بیاہ یا خوشی کے موقع پر گایا جاتا ہے''۔ غالباً پنجابی کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی ہوتا ہے۔ اس کی قدیم ترین سند بورڈ نے ۱۹۴۴ء کی دی ہے جبکہ حالی کی سند موجود ہے جو قدیم تر ہے۔

گاتی ہے کبھی کوئی ہنڈولا
کہتی ہے کوئی بدیٔی ڈھولا (ج ا،ص ۳۸۱)

☆ ذتونتا (ذ مفتوح، ت ساکن، واو مفتوح، ن ساکن)

بورڈ نے درج نہیں کیا۔ افتخار احمد صدیقی نے حاشیے میں معنی لکھے ہیں'' اونچی ذات والا''^۸^۔ سند حالی کی موجود ہے۔

بد مزاجی ہو جہالت ہو کہ ہو بد چلنی
کچھ برائی نہیں ذتونتا ہو داماد اگر (ج ا،ص ۱۸۵)

☆ راحِ ریحانی

ایک قسم کی شراب۔ بورڈ نے درج کیا ہے مگر قدیم ترین سند ۱۹۳۵ء کی دی ہے جبکہ حالی کے ہاں یہ ترکیب پہلے استعمال ہوئی ہے۔

بے حقیقت ہے شکلِ موجِ سراب
جامِ جمشید و راحِ ریحانی (ج ۱،ص ۳۲۷)

☆ راس البضاعت (س مضموم، الف غیر ملفوظی، لام ساکن، ب مکسور، ع مفتوح)

اصل سرمایہ، پونجی۔ بورڈ نے درج کیا ہے لیکن مہذب کے حوالے سے۔ کوئی سند نہیں دی۔ حالی کے ہاں سند ہے۔

وہ آسودہ قوموں کا راس البضاعت
وہ دولت کہ ہے وقت جس سے عبارت (ج ۲،ص ۹۳)

☆ رَبَڑ (رمفتوح، ب مفتوح)

بورڈ نے اندراج کیا ہے اور اس کے مطابق رَبَڑ دو پہیوں کی ہلکی اور چھوٹی بیل گاڑی ہوتی ہے جو عام طور پر چھکڑی کہلاتی ہے۔ لیکن بورڈ نے سند نہیں دی، صرف ''اصطلاحاتِ پیشہ واران'' (از مولوی ظفر الرحمن دہلوی) کا حوالہ دے دیا ہے۔ حالی کے ہاں سند موجود ہے۔

ربڑ میں دشتِ جنوں کی تیری عجب مزا خوش گوار دیکھا
نہ اس سفر میں تکان دیکھی نہ اس نشے میں خمار دیکھا (ج ۱،ص ۸۸)

☆ زِشت خوئی (زمکسور)

بد مزاجی، بد خلقی۔ بورڈ نے یہ ترکیب درج کی ہے لیکن صرف ایک سند دی ہے جو ۱۹۸۴ء کی ہے، جبکہ اس سے بہت پہلے حالی نے استعمال کیا ہے:

ہم نہ تھے آگاہ زاہد زشت خوئی سے تری
آدمی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم (ج ۱،ص ۱۳۶)

☆ زنگی کا نام کافور

اصل میں مکمل فارسی مثل یوں ہے: برعکس نہند نامِ زنگی کافور۔ اردو میں ''زنگی کا نام کافور'' بھی رائج ہے۔ بورڈ نے درج نہیں کیا۔ حالی کی سند ہے۔

فی المثل ہے مری مسلمانی
جیسے زنگی کا نام ہو کافور (ج ۱،ص ۲۶۴)

☆ ساہا

شادی کی تقریب، بیاہ۔ بورڈ نے درج کیا ہے لیکن قدیم ترین سند ۱۹۴۳ء کی دی ہے۔ حالی کے ہاں موجود ہے۔

قوم میں وہ خوشیاں بیاہوں کی
شہر میں وہ دھومیں ساہوں کی (ج ۲، ص ۱۶)

☆ سرفگندہ (س مفتوح، رساکن، ف مکسور، گ مفتوح، ن ساکن، دمفتوح)

بورڈ نے درج نہیں کیا۔ معنی ہیں: سر جھکائے ہوئے، مراداً شرمندہ۔

سب انساں ہیں واں جس طرح سرفگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ (ج ۲، ص ۶۸)

☆ سکڑی (س مفتوح نیز مکسور نیز مضموم)

لفظِ "سکڑنا" کے تین تلفظ پلیٹس نے دیے ہیں، "سین" پر زیر، زبر اور پیش کے ساتھ۔ بورڈ نے ایک ہی تلفظ درج کیا ہے۔ اس کی تصریفی شکلیں سکڑا اور سکڑی بھی ہیں۔ سکڑی یعنی سمٹی ہوئی، بھنچی ہوئی نیز تنگ، جو کشادہ نہ ہو (راہ وغیرہ)۔ بورڈ نے سکڑی کا اندراج کر کے "سکڑا کی تانیث" لکھ دیا ہے۔ کوئی سند بھی نہیں دی۔ حالی کے ہاں اس کی سند موجود ہے۔ لیکن حالی نے اسے "سَکڑی" (یعنی سین مفتوح کے ساتھ) نظم کیا ہے جیسا کہ قافیے سے بھی ظاہر ہے۔ پلیٹس کے مطابق ایک تلفظ یہ بھی ہے۔

راہ تیری دشوار اور سکڑی
نام تیرا رہ گیر کی لکڑی (ج ۲، ص ۶)

☆ سَنا رہنا / سَنا ہونا (س مفتوح)

اردو میں ایک مصدر ہے "سانا"۔ اس کے معنی ہیں کسی چیز سے ہاتھ وغیرہ کو آلودہ کرنا۔ اس متعدی فعل کا لازم ہے "سننا"۔ یعنی آلودہ ہو جانا۔ اسی طرح "سنا ہونا" یا "سنا رہنا" بھی مصدر ہیں۔ لہٰذا لغت میں سَنا، سَنا ہوا، سَنا رہنا اور سَنا ہونا کا بھی اندراج ہونا چاہیے۔ بورڈ نے سانا اور سننا (سن جانا) کا اندراج کیا ہے لیکن سَنا یا سَنا ہونا موجود نہیں ہے۔ البتہ عربی لفظ سَنا جو

ایک مختلف لفظ ہے (یہ ایک قسم کا پودا ہوتا ہے) درج ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ الگ لفظ ہے اور بورڈ کے اصولوں کے مطابق اس کا اندراج ''سنا (۲)'' کے طور پر ہو سکتا ہے۔ سنا رہنا کی سند حالی کے ہاں ہے۔

کرے گی کچھ عقل رہ نمائی نہ علم سے ہوگی کچھ صفائی
گناہ کی گندگی میں دنیا یونہی ہمیشہ سنی رہے گی (ج ا، ص ۱۶۷)

☆ شکنج (ش مکسور، ک مفتوح، ن ساکن)

پیچ و خم یا شکن کے معنی میں ہے۔ بورڈ نے درج کیا ہے لیکن دو اسناد دی ہیں، سراج اورنگ آبادی اور ذوق کی۔ لیکن بعد کے دور میں بھی رائج رہا جیسا کہ حالی کی اس سند سے ظاہر ہے۔

راہ اب سیدھی ہے حالی سوے دوست
ہو چکے طے سب خم و پیچ و شکنج (ج ا، ص ۱۱۱)

☆ طبیعی (ط مفتوح، یائے معروف)

علوم طبیعی کا ماہر، ماہر طبیعیات۔ بورڈ نے بطور صفت اور بطور اسم بھی درج کیا ہے لیکن بطور اسم قدیم ترین سند ۱۹۱۹ء کی دی ہے جبکہ حالی کے ہاں موجود ہے۔

کاوش میں ہے الٰہی، وگدا میں ہے طبیعی
جو حل ہوا نہ ہوگا، وہ ہے سوال میرا (ج ا، ص ۷۸)

☆ عقور (ع مفتوح، واو معروف)

بورڈ نے درج کیا ہے اور معنی دیے ہیں کاٹنے والا (کتا)۔ بورڈ نے صرف ایک سند عبدالعزیز خالد کی دی ہے، لیکن حالی کے ہاں اس سے بہت پہلے آیا ہے۔

نفس امارہ اور دیو مرید
یہ ہے افعی تو وہ ہے کلب عقور (ج ا، ص ۲۶۴)

☆ فرغانی (ف مفتوح، ر ساکن)

بطور صفت: فرغانہ سے متعلق یا منسوب۔ بطور اسم: فرغانہ کا باشندہ۔ بورڈ نے درج نہیں کیا۔ اسم کے معنی میں حالی کے ہاں آیا ہے۔

رہی دانائی آخر غالب آ کر پہلوانی پر
گئے چیں مان سب چینی و فرغانی و قبچاقی (ج ا، ص ۱۵۴)

☆ قبچاقی (ق مکسور)

اسٹین گاس کے بقول قبچاق تاتار میں ایک صحرا ہے۔ لہٰذا بطور صفت معنی ہوں گے قبچاق کا یا قبچاق سے متعلق یا منسوب۔ بطور اسم: قبچاق کا باشندہ۔ بورڈ نے نہیں دیا۔ بطور اسم حالی کے ہاں ہے۔

رہی دانائی آخر غالب آ کر پہلوانی پر
گئے چیں مان سب چینی و فرغانی و قبچاقی (ج ا، ص ۱۵۴)

☆ قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

فارسی کی اس کہاوت کے معنی ہیں فاحشہ جب بوڑھی ہو جاتی ہے تو نائکہ بن جاتی ہے۔ گویا کسی فن کا ماہر جب بوڑھا ہو جائے تو اسی فن کو کسی اور طرح پیشہ بنالیتا ہے۔ بورڈ نے درج کیا ہے لیکن کوئی قدیم سند نہیں دی۔ بلکہ ۱۹۸۷ء کی بھی جو سند درج ہے اس میں ''نقادی'' ہے نہ کہ ''دلالی''۔ حالانکہ اس کہاوت کے اصل متن میں دلالی ہے۔ کسی نے غالباً مزاحاً تحریف کر کے دلالی کی بجائے نقادی لکھ دیا اور بورڈ کے عملے نے اسی کو سند مان لیا۔ درست سند حالی کے ہاں موجود ہے۔

پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل
قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی (ج ا، ص ۱۷۵)

☆ کَبَّرَ نا مَوتُ الکُبَرا

عربی کہاوت ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ (ہم بڑے نہیں تھے) بڑوں کی موت نے ہمیں بڑا بنا دیا۔ یہ مثل اظہارِ کسرِ نفسی کے طور پر بولی جاتی ہے اور اردو میں بھی رائج ہے۔ بورڈ نے اندراج نہیں کیا۔ حالی کے ہاں سند ہے۔

ہم ہیں وہی ناچیز مگر
کَبَّرَ نا مَوتُ الکُبَرا (ج ا، ص ۱۷۶)

☆ گوزن و گور

گور کے ایک معنی ہیں جنگلی گدھا۔ بورڈ نے معنی دیے ہیں اور گور خر سے رجوع کرایا ہے۔ اسناد دی ہیں لیکن ۱۸۴۵ء اور ۱۹۸۲ء کے درمیانی عرصے کی کوئی سند نہیں دی۔ حالی کے ہاں گوزن و گور کی ترکیب آئی ہے۔ بورڈ نے گوزن درج کیا ہے لیکن گوزن و گور کی ترکیب نہیں دی۔ گوزن ایک طرح کا ہرن ہوتا ہے، لغات میں اس کے معنی ''بارہ سنگھا'' بھی درج ہیں۔

گوزن و گور ہیں بچپن سے تارکِ دنیا
نہایت آپ کی ہے ان کی ابتدا اے شیخ (ج ا،ص ۱۱۳)

☆ لاون (واو مفتوح)

کوئی چیز جو سالن کی بجائے ذائقے کی خاطر روٹی سے لگا کر کھائی جائے، جیسے پیاز، چٹنی وغیرہ۔ بورڈ نے درج کیا ہے لیکن اولین سند ۱۹۲۳ء کی دی ہے۔ یہ لفظ حالی کے ہاں آیا ہے۔

دیے جاتی ہے تم سب کو وہ سالن
رہے اپنے لیے گو کچھ نہ لاون (ج ا،ص ۵۳۵)

☆ لُم ولا (ل مضموم)

افتخار احمد صدیقی کے مطابق ''لم اور لا دونوں حرفِ نفی ہیں، مراد: انکار و تردید''۹۔ بورڈ نے ''لم'' درج کیا ہے ''لم ولا'' نہیں کیا اور لم کی بھی ایک ہی سند مومن کے کلام سے دی ہے۔ حالی کے ہاں سند موجود ہے۔

شمعِ استدلال میں روشن تھا فانوسِ بیاں
چار سُو ہنگامہ آرا تھی لم و لا کی صدا (ج ا،ص ۴۵۰)

☆ مارے اور رونے نہ دے

اس کہاوت کا اندراج بورڈ نے کیا ہے لیکن قدیم ترین سند ۱۹۱۶ء کی دی ہے۔ حالی کی سند قدیم تر ہے۔

مارے اور نہ دے تو رونے
تھپکے اور نہ دے تو سونے (ج ۲،ص ۱۱۳)

☆ مسعودیہ (م مفتوح، س ساکن، واو معروف)

یعنی مبارک، بابرکت، سعد۔ بورڈ نے اس لفظ کا اندراج نہیں کیا۔ حالی کی سند موجود ہے۔

رہیو مبارک سدا ساعتِ مسعودیہ
برسوں میں ہوتی وصول یاروں کی محنت ہے آج (ج ا، ص ۲۹۱)

☆ موری کا کیڑا

کم حیثیت نیز ادنیٰ حالت یا برے حال میں رہنے والا۔ بورڈ نے درج کیا ہے لیکن قدیم ترین سند ۱۹۸۸ء کی دی ہے۔ حالی کی سند پیش ہے۔

جس طرح موری کا کیڑا خوش ہے اپنے حال
گزرے جو حالت اسی میں بس مگن رہتے ہیں ہم (ج ۲، ص ۲۷۳)

☆ مہر فزا

محبت کو بڑھانے والا۔ بورڈ نے درج نہیں کیا۔ سند بھی پیش ہے۔

حالی بس اب یقیں ہے کہ دلی کے ہو رہے
ہے ذرہ ذرہ مہر فزا اس دیار کا (ج ا، ص ۶۴)

☆ نیکی کن و در دریا فگن

یعنی نیکی کر اور دریا میں ڈال۔ فارسی کی اس کہاوت کا، جو اردو میں بھی مستعمل ہے، بورڈ نے اندراج کیا ہے مگر ایک تو متن ذرا مختلف ہے (فگن کی بجائے انداز ہے) دوسرے یہ کہ صرف ایک سند دی ہے جو ۱۹۰۳ء کی ہے۔ حالی کی سند بھی ہے۔

تم نے پوری کر کے آنکھوں سے دکھا دی وہ مثل
وہ جو ہے مشہور نیکی کن و در دریا فگن (ج ا، ص ۳۱۳)

☆ ہامانی

بورڈ نے "ہامانیت" تو درج کیا ہے ہامانی نہیں کیا۔ یہ تکبر اور ظلم نیز شرک کے معنی میں ہے۔ حالی سند کے ساتھ اندراج کیا جا سکتا ہے۔

ڈبوتی ہیں آخر کو منجدھار میں
یہ فرعونیاں اور ہامانیاں (ج ا، ص ۱۶۴)

☆ہرن (ہ مفتوح، ر ساکن)

بورڈ نے درج نہیں کیا۔ افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں "ہرن (اصلاً ورن) بھی ذات اور فرقہ کے علاوہ بھیس اور قالب کے معنی میں آتا ہے"۔[۱۰] حالی کی سند بھی حاضر ہے۔

روبہ [روباہ] کی جون میں ہے مرعوب اب وہ ملت
تھی سہم ناک کل تک جو شیر کے ہرن میں (ج ا،ص ۱۴۵)

ہنڈولا (ہ مفتوح نیز مکسور، واو مجہول)

اس کے ایک معنی تو جھولا کے ہیں لیکن جو گیت برسات میں جھولے پر بیٹھ کر گایا جاتا ہے اسے بھی ہنڈولا کہتے ہیں۔ بورڈ نے گیت کے معنی میں صرف ایک سند دی ہے جو جعفر علی حسرت کی "طوطی نامہ" (۱۷۹۱ء) کی ہے۔ بعد کے ادوار میں بھی رائج رہا اور حالی کے ہاں بھی ہے۔

گاتی ہے کبھی کوئی ہنڈولا
کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا (ج ا،ص ۳۸۱)

حواشی

۱۔ کلیاتِ نظمِ حالی، مرتبہ افتخار احمد صدیقی، مطبوعہ مجلس ترقیٔ ادب، لاہور، جلد اول ۱۹۶۸ء، جلد دوم، ۱۹۷۰ء۔

۲۔ ایضاً، ج ا، ص ۴۴۰، حاشیہ (افتخار صاحب نے اس حاشیے میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مصلوب ہوتے وقت خدا کو اس نام سے پکارا تھا [کذا]۔ اسلامی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے تھے، نہ وہ قتل کیے گئے تھے۔ قرآن کی واضح آیت اس ضمن میں موجود ہے۔ لہٰذا اس ابہام سے بچنے کے لیے کوئی وضاحت بھی کرنی چاہیے تھی)۔

۳۔ ایضاً، ج ا، ص ۴۰۶، حاشیہ۔

۴۔ عبدالحلیم ندوی، عربی ادب کی تاریخ، ج ا، ص ۳۳۔

۶۔ عورت اور اردو زبان، ص ۴۷۔

۷۔ کلیات نظم حالی، ج ا، ص ۹۲ حاشیہ

۸۔ ایضاً، ج ا، ص ۱۸۵۔

۹۔ ایضاً، ج ا، ص ۴۵۰۔

۱۰۔ ایضاً، ج ا، ص ۱۴۵۔

فہرستِ اسناد

۱۔ افتخار احمد صدیقی (مرتب)، کلیاتِ نظمِ حالی، ج ا، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۸ء۔

۲۔ افتخار احمد صدیقی (مرتب) کلیاتِ نظمِ حالی، ج ۲، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۰ء۔

۳۔ عبدالحلیم ندوی، عربی ادب کی تاریخ: زمانۂ جاہلیت سے موجودہ زمانے تک، ج ا، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، دہلی، ۲۰۰۴ء، پانچواں ایڈیشن۔

۴۔ وحیدہ نسیم، عورت اور اردو زبان، غضنفر اکیڈمی، کراچی، اشاعتِ دوم، ۱۹۹۳ء۔

نیز حسبِ ذیل حوالہ جاتی مآخذات سے مدد لی گئی:

احمد دہلوی، سید، فرہنگِ آصفیہ، ۴ جلدیں، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۷۷ء (عکسی طباعت)۔

اردو لغت بورڈ، اردو لغت (تاریخی اصول پر)، ۲۲ جلدیں، مطبوعہ اردو لغت بورڈ، کراچی، ۱۹۷۷ء تا ۲۰۱۰ء۔

اسٹین گاس، ایف A comprehensive Persian-English (Steingass, F) dictionary، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء (عکسی طباعت)۔

امیر مینائی، امیر اللغات، ۲ جلدیں یکجا، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۹ء (عکسی طباعت)۔

پلیٹس، جان ٹی A dictionary of Urdu, classical Hindi and (Platts, John T) English، منشی رام منوہر لال پبلشرز، دہلی، ۱۹۹۳ء۔

شان الحق حقی، فرہنگِ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء۔

عبدالمجید، خواجہ، جامع اللغات، دو جلدیں، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء (عکسی طباعت)۔

فیلن، ایس ڈبلیو A new Hindustani-English dictionary (Fallon S. W.)، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، دہلی، ۲۰۰۴ء (عکسی طباعت)۔

مہذب لکھنوی، مہذب اللغات، ۱۴ جلدیں، ۱۹۶۰ء تا ۱۹۸۹ء، مطبوعہ مونس لکھنؤ۔

نور الحسن نیر، نور اللغات، ۴ جلدیں، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، طبع سوم، ۱۹۸۹ء (عکسی طباعت)۔

وارث سرہندی، علمی اردو لغت، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۲۰۰۵ء۔

اردو، فارسی اور عربی کہاوتوں کی شعری اسناد
(جو اردو لغت بورڈ کی لغت میں درج نہیں)

یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ فی زمانہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی کہاوت اور محاورے کے فرق سے واقف نہیں۔ اس کی کئی مثالیں ہیں لیکن سرِ دست صرف ایک پیش ہے: کچھ عرصے قبل اوکسفرڈ یونی ورسٹی پریس نے دلی کی خواتین کی کہاوتوں اور محاوروں پر ایک کتاب شائع کی تو اسے کہاوت اور محاورے کے عنوان سے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ دونوں حصوں میں کہاوتیں اور محاورے درج ہیں۔ مصنفہ اور ناشر نے بھی اس امر پر غور نہ کیا کہ کہاوت اور محاورے کی بنیادی تقسیم اور تفہیم کے بغیر ان کا دو الگ حصوں میں اندراج کیا معنی رکھتا ہے۔ حالانکہ اس فرق کو سمجھنا آسان ہے اور تقریباً ہر اردو لغت میں کہاوتیں درج کی جاتی ہیں اور ان کی وضاحت کے لیے کہاوت یا مَثَل یا ضرب المَثَل کا لفظ یا اس کی کوئی مقررہ علامت درج کی جاتی ہے۔

کہاوت یا ضرب المثل کو انگریزی میں saying, proverb, maxim, adage جیسے نام دیے گئے ہیں۔ کہاوت اس مختصر اور چست جملے یا فقرے کو کہتے ہیں جس میں کوئی صداقت بیان کی گئی ہو اور جو لوگوں کی زبان پر چڑھ گیا ہو۔ کہاوت عقل و دانش کو بیان کرتی ہے اور بالعموم کسی صورت حال یا واقعے کے کسی خاص پہلو یا سبق کی وضاحت کرتی ہے۔ محاورہ، جو انگریزی میں idiom کہلاتا ہے، دراصل کسی مصدر کے بغیر نہیں بنتا اور حقیقی کی بجائے مجازی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کہاوت مجازی معنی میں بھی استعمال ہوتی ہے اور کبھی مجازی مفہوم کے بغیر بھی ہوتی ہے۔ محاورہ ہمیشہ مجازی معنی میں ہوتا ہے۔ بعض کتب میں بھی صراحتاً بتایا گیا ہے کہ کہاوت اور محاورے میں کیا فرق ہوتا ہے، مثلاً یونس اگاسکر نے اپنی کتاب ''اردو کہاوتیں اور ان کے سماجی و لسانی پہلو'' میں کہاوت کے مفہوم، اس لفظ کے مترادفات اور کہاوت اور محاورے کا فرق خوبی سے

واضح کیا ہے۔ محاورے پر تو ہمارے ہاں خاصا لکھا گیا ہے اور مولانا حالی نے بھی ''مقدمۂ شعرو شاعری''[۲] میں محاورے اور روزمرہ پر بحث کی ہے۔ شوکت سبزواری کے مضمون ''محاورہ اور روزمرہ''[۳] میں اس پر اچھی بحث ہے۔ ان منابع کے علاوہ بھی اس موضوع پر مباحث ملتے ہیں۔ لیکن ان مباحث کو یہاں دہرانا تحصیلِ حاصل ہوگا اور اس مقالے کا مقصد بھی کچھ اور ہے۔

انگریزی میں کہاوتوں کی وہ افراط نہیں جو اردو میں ہے اور نہ ہی انگریزی لغات میں کہاوتیں درج کی جاتی ہیں۔ اردو کی متداول لغات میں کہاوتوں کا خاصا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ کہاوتوں کی خصوصی لغات بھی مرتب کی گئی ہیں۔ اردو لغت بورڈ کی مرتب کردہ بائیس جلدوں پر محیط لغت ''اردو لغت (تاریخی اصول پر)''[۴] میں بھی بہت بڑی تعداد میں کہاوتیں موجود ہیں۔ بورڈ نے حتی الامکان ان کی اسناد دینے کی بھی کوشش کی ہے۔ البتہ بعض کہاوتیں اس میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں، کچھ کی اسناد فراہم نہ ہو سکیں، کچھ کے ساتھ اسناد ہیں تو تعداد میں کم ہیں اور بعض شعری اسناد کا متن مختلف ہے۔ اس مقالے کا مقصد تنقید نہیں بلکہ اردو میں مستعمل کچھ اردو، عربی اور فارسی کہاوتوں کے استعمال کے ضمن میں ان شعری اسناد کی فراہمی ہے جن کا اندراج بورڈ کی لغت میں نہیں ہو سکا ہے یا ان کی سند کے متن میں اختلاف ہے۔ اسی طرح جن کہاوتوں کا اندراج بورڈ کی لغت میں ہونے سے رہ گیا ہے یہاں ان کو مع اسناد پیش کیا جا رہا ہے۔

بورڈ کی لغت ''تاریخی اصول'' (اسے انگریزی میں historical principle یا philological principle کہتے ہیں) پر مرتب کی گئی ہے اور جو لغات اس اصول پر مرتب کی جاتی ہیں ان میں ہر لفظ کے معنی کی سند دینا لازمی ہوتا ہے۔ چونکہ لفظ کے معنی استعمال سے طے ہوتے ہیں لہٰذا ضروری ٹھہرتا ہے کہ ہر دور سے اس لفظ کے استعمال کی سند دی جائے۔ اس مقصد کے لیے ادب کے ادوار کا لسانی بنیادوں تعین کیا جاتا ہے اور ہر دور سے کم از کم ایک سند دینا ضروری ہوتا ہے۔ کسی لفظ کے استعمال کی پہلی سند جو قدیم ترین دور سے دی جائے گی اس سے گویا یہ اندازہ ہوگا کہ اس زبان میں یہ لفظ ان معنوں میں کب سے رائج ہے۔ اسی طرح اگر کسی لفظ کے کسی ایک دور میں استعمال کی سند مثالیہ اشعار یا نثری ٹکڑوں سے دے دی جائے لیکن اس کے بعد کے دور کی سند نہ دی جائے تو گویا یہ تاثر ملتا ہے کہ بعد کے دور میں یہ لفظ ان معنوں میں رائج نہیں رہا۔

گویا ابتدائی دور کی سند جتنی ضروری ہے اتنی ہی ضروری بعد کے ادوار کی سند بھی ہے۔

کہاوتوں پر کچھ اور کام کرتے ہوئے راقم کی نظر سے بڑی تعداد میں ایسے اشعار گزرے جن میں ضرب الامثال کو نظم کیا گیا تھا۔ کچھ تو ایسے اشعار بھی ہیں جو خود مشہور ہو کر ضرب المثل بن گئے ہیں۔ ان سے صرفِ نظر کرنے کے بعد بھی خاصی بڑی تعداد میں ایسے اردو اشعار مرتب ہو گئے جن میں اردو، فارسی اور عربی کی کہاوتیں نظم ہوئی ہیں۔ راقم نے ان کا موازنہ بورڈ کی لغت سے کیا تو احساس ہوا کہ لگ بھگ بیس ہزار صفحات پر محیط بورڈ کی لغت میں ہزار ہا کہاوتیں درج ہیں اور بیشتر کی اسناد بھی موجود ہیں۔ بورڈ کی لغت کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ راقم کے مرتب کردہ اشعار میں سے بہت سے اشعار بورڈ کی لغت میں بطور سند موجود بھی ہیں۔ لہٰذا تحصیلِ حاصل سے بچنے کے لیے صرف ان اشعار کو یہاں برقرار رکھا گیا ہے جو بورڈ کی لغت میں نہیں ہیں، بالخصوص وہ اسناد جو بورڈ میں درج اسناد سے قدیم تر ہیں یا بعد کے دور کے اسناد جو بورڈ کی لغت میں نہیں ہیں۔ بعض کہاوتیں بورڈ کی لغت میں درج نہ ہو سکیں۔ ان کو اسناد کے ساتھ یہاں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اس لغت کی نظرِ ثانی اور اشاعتِ نو کے وقت ان کو شامل کر لیا جائے۔ مکرر عرض ہے کہ اس مقالے کا مقصد اردو لغت بورڈ کی بائیس (۲۲) جلدوں پر محیط ''اردو لغت (تاریخی اصول پر)'' کی تنقیص نہیں۔ اردو کی یہ ضخیم ترین لغت بلاشبہ اردو کی عظیم ترین لغت بھی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ پچاس سال کے عرصے میں مکمل ہونے والی ضخیم ترین لغت میں کچھ نہ کچھ کمی تو ہوگی ہمیں اس کی خوبیوں پر نظر رکھتے ہوئے اسے بہتر بنانے پر توجہ دینی چاہیے۔ اس لغت پر نظرِ ثانی اور اس کو بہتر بنانے کی تجاویز پیش کرنا اہلِ علم کی ذمے داری ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عبدالرشید صاحب (دہلی) نے قابلِ قدر کام کیا ہے اور بورڈ کو چاہیے کہ لغت کی اشاعتِ نو کے وقت ڈاکٹر صاحب کی تجاویز کو ضرور شامل کرے۔ یہ عاجز طالب علم بھی حصہ بقدر جثہ کے مصداق اپنا حقیر سا حصہ ڈال رہا ہے۔ منشا اعتراض نہیں بلکہ کمی پوری کرنا ہے۔

بعض اسناد کے اصل ماخذ کوشش کے باوجود دست یاب نہ ہو سکے لیکن یہ اسناد چونکہ مستند منابع مثلاً تذکروں یا تاریخ ادب کی کتابوں میں درج تھیں لہٰذا انھی کے حوالے کے ساتھ یہاں پیش کی گئی ہیں۔ اس مقالے میں اشعار کا حوالہ حواشی میں درج کرنے کی بجائے شعر کے ساتھ ہی

قوسین میں دے دیا گیا ہے تا کہ قارئین کو ہر شعر کے بعد حواشی نہ دیکھنے پڑیں۔ البتہ ان کے مآخذ کی تفصیلات مقالے کے آخر میں فہرستِ اسناد میں درج کر دی گئی ہیں۔ طریق اندراج یہ ہے کہ پہلے الف بائی ترتیب سے کہاوت درج کی گئی ہے اور اس کے آگے قوسین میں کہاوت کے ماخذ کا نام مختصراً درج کیا گیا ہے۔ اگلی سطر میں اس کہاوت کا مفہوم بیان ہوا ہے اور یہ مفہوم بیشتر ''جامع الامثال'' سے اور بعض صورتوں میں بورڈ کی لغت سے ماخوذ ہے، کہیں کہیں راقم نے مفہوم کی وضاحت کے لیے اضافہ بھی کیا ہے۔ اس سے اگلی سطر میں بورڈ کی لغت میں کہاوت رسند کا اندراج ہونے یا نہ ہونے سے متعلق اطلاع دی گئی ہے یا دیگر معلومات درج کی گئی ہیں۔

''جامع الامثال'' میں چونکہ کہاوتوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے اور یہ ایک مستند کام ہے لہٰذا اس کو یہاں بیشتر کہاوتوں کے متن کے لیے بنیاد بنایا گیا ہے اور بعض صورتوں میں بورڈ کی لغت سے بھی مدد لی گئی ہے۔ بعض عربی و فارسی کہاوتوں کے لیے ''فرہنگِ امثال'' اور ''محبوب الامثال'' کو بھی بنیاد بنایا گیا ہے۔ بورڈ کی دی گئی اسناد میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ ماخذ کے حوالے میں صرف صفحے کا شمار دیا گیا ہے یہ نہیں بتایا گیا کہ اسے کس نسخے سے لیا گیا ہے حالانکہ اردو کی کلاسیکی شاعری کے مختلف متون میں اختلافِ نسخ بہت ہیں اور طباعت و کتابت کی اغلاط بھی بہت ہیں۔ دراصل بورڈ کا منصوبہ تھا کہ آخری جلد کی اشاعت کے بعد لغت میں شامل اسناد کے مآخذات کی فہرست شائع کی جائے گی لیکن یہ فہرست اب تک نہیں چھپ سکی (اور نہ ہی مستقبل قریب میں اس کا امکان نظر آتا ہے) لہٰذا قارئین کے لیے اس امر کا تعین بہت دشوار ہے کہ بورڈ نے کس نسخے سے سند کا متن اخذ کیا ہے۔ ہم نے یہاں مہیا کی گئی اسناد کی تفصیلات مقالے کے آخر میں فہرستِ اسنادِ محولہ میں درج کر دی ہیں اور کوشش کی ہے کہ مستند مآخذ سے سند مع مکمل حوالہ جات پیش کی جائے۔

اس مقالے میں استعمال کیے گئے مخففات کی کلید یہ ہے:

☆ بورڈ: اردو لغت (تاریخی اصول پر)، مرتبہ اردو لغت بورڈ۔

☆ جامع: جامع الامثال، مرتبہ وارث سرہندی، نظر ثانی شان الحق حقی۔

☆ فرہنگ: فرہنگِ امثال، مرتبہ مسعود حسن رضوی ادیب۔

☆ محبوب: محبوب الامثال، مرتبہ مولوی محبوب عالم (مدیر ''پیسہ اخبار'' لاہور)۔

☆اپنی رادھا کو یاد کرو (جامع)

اپنا کام کرو، ہم سے تمھارا کچھ واسطہ نہیں۔

بورڈ نے جان صاحب کی سند دی ہے لیکن شوق کی سند بھی موجود ہے:

گو مجھکو نہ اس کا دیجے آپ
اپنی رادھا کو یاد کیجے آپ

(شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، ص۱۸۲)

☆اصلِ بد از خطا نکند (جامع)

بد اصل سے بدی ضرور ہوتی ہے، کمینہ دھوکا ضرور دیتا ہے۔

بورڈ نے اس کہاوت کا اندراج نہیں کیا۔ جامع کے علاوہ فرہنگ میں بھی درج ہے اور بقول صاحب فرہنگ اس مصرعے کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بد اصل آدمی غلطی سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر خطا کرتا ہے۔ اس کہاوت کی سند حاضر ہے:

یہ مثل ہے انھیں کے حق میں سند
اصلِ بد از خطا خطا نکند

(منیر شکوہ آبادی، کلیاتِ منیر، ص۵۹۱)

☆الجنس یمیل الی الجنس (محبوب)

ہر شے اپنے ہم جنس کی طرف میلان رکھتی ہے، یعنی ایک جیسے لوگوں میں خوب میل ہوتا ہے (فارسی میں کہتے ہیں: کند ہم جنس با ہم جنس پرواز، کبوتر با کبوتر باز با باز)۔ بورڈ نے اس کہاوت کا اندراج نہیں کیا۔ ذوق (متوفی ۱۸۵۴ء) کے ایک شعر میں "الحسن الی الحسن یمیل" کے الفاظ ہیں۔ ممکن ہے "جنس" کو کاتب نے "حسن" لکھ دیا ہو، وزن بھی دونوں لفظوں کا ایک ہے۔ بہر حال سند پیش ہے:

رہے نہ تیو پہ ہے مائل تری خوے نیکو
کہوں کیوں کر نہ کہ الحسن الی الحسن یمیل [کذا]

(ذوق، کلیات، ج۲، ۵۰۷)

☆القاص لایحب القاص (محبوب)

(ایک) قصہ گو (دوسرے) قصہ گو کو پسند نہیں کرتا (پیشہ ورانہ رقابت کی طرف اشارہ ہے)۔
اردو میں گو کم مستعمل ہے مگر سند بھی موجود ہے۔ بورڈ نے اس کہاوت کا اندراج نہیں کیا۔

شیفتہ نے ہماری داد نہ دی
سچ ہے القاص لایحب القاص

(شیفتہ، کلیات، ص۵۲)

☆ان تلوں میں تیل نہیں (جامع)

یہاں یہ مطلب حاصل نہیں ہوگا، یہاں آس لگانا فضول ہے، بے مروت یا بخیل ہیں۔
بورڈ نے سند دی ہے۔ ایک اور سند بھی پیش ہے:

آپ سے نیل ہی نہ تھا گویا
ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا گویا

(شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، ص۱۷۵)

☆ایک تو چوری دوسرے اس پر سرزوری / سینہ زوری (جامع)

قصور کر کے اس پر شرمانے کی بجائے منہ زوری اور ڈھٹائی۔

بورڈ نے اس کا متن یہ دیا ہے: ایک تو چوری اور اس پر سر/سینہ زوری۔ بورڈ نے رشک کے دیوان کے قلمی نسخے سے سند دی ہے۔ نواب مرزا شوق لکھنوی (متوفی ۱۸۷۱ء) کی سند بھی موجود ہے:

اب کہاں تک کروں میں غم خوری
ایک تو چوری اس پہ سر زوری

(شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، ص۲۲۲)

☆ایک سر (اور) ہزار سودا / سودے (جامع)

ایک آدمی اور بے شمار کام۔

بورڈ نے قدیم ترین سند طلسم ہوش ربا (۱۸۹۱ء) کی دی ہے۔ اس سے پرانی سند پیش ہے۔ ایک سند اس کے بعد کی بھی ہے۔ البتہ کہاوت کے متن میں ''ایک'' کے علاوہ ''اک'' کا لفظ

بھی ملتا ہے، داغ کے ہاں بھی "اک" ہے۔ ملاحظہ ہو:

تیری زلفِ سیہ سے اے پیارے
مجھ کو اک سر ہزار سودا ہے

(میر کلو خاکسار، شاگرد مظہر جان جاناں، بحوالہ مخزنِ نکات، قائم چاند پوری، ص ۱۴۳)

دنیا کے کام پورے انسان سے ہوں کیونکر
یہ تو وہی مثل ہے اک سر ہزار سودا

(داغ، یادگارِ داغ، ص ۳۰۰)

☆ایک کی دوا دو (جامع)

ایک شخص پر دو غالب آ سکتے ہیں۔

بورڈ نے صرف ایک سند (رویائے صادقہ، ۱۸۹۹ء) درج کی ہے، بعد کے دور میں بھی مستعمل رہی۔ آرزو لکھنوی (متوفی ۱۹۵۱ء) کی سند پیش ہے:

کس کس سے بچے دل کہ ادھر عشق ادھر حسن
مشہور ہے یہ ایک کی دنیا میں دوا دو

(آرزو لکھنوی، فغانِ آرزو، ص ۱۵۶)

☆آسمان دور زمین سخت ہے/زمین سخت ہے آسمان دور ہے (جامع)

سخت مصیبت ہے، کوئی جائے پناہ نہیں۔

بورڈ نے میر (متوفی ۱۸۱۰ء) کی سند دی ہے، شوق (متوفی ۱۸۷۱ء) کی سند بھی موجود ہے:

پر میں اب اس کو کیا کروں کم بخت
آسماں دور ہے زمیں ہے سخت

(شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، ص ۲۵۲)

☆آگ لینے آئے تھے کیا آئے کیا چلے (جامع)

آ کر فوراً ہی واپس جانے والے سے کہتے ہیں (کسی زمانے میں چولھا جلانے کے لیے پڑوس سے آگ کا انگارا وغیرہ لینے جاتے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص ذرا دیر بھی رک نہیں سکتا تھا)۔

بورڈ نے اس کا متن ''آگ لینے کو آنا'' دیا ہے اور اسے بطور محاورہ درج کیا ہے۔ لیکن یہ کہاوت ہے جیسا کہ بورڈ کی دی گئی سندوں سے بھی ظاہر ہے۔ ذوق کی سند بھی موجود ہے جو بورڈ نے نہیں دی اگرچہ ذوق کی شاعری میں موجود محاورات اور ضرب الامثال کو بورڈ نے کثیر تعداد میں بطور سند درج کرکے مستحسن کام کیا ہے:

لیتے ہی دل جو عاشقِ دل سوز کا چلے
تم آگ لینے آئے تھے کیا آئے کیا چلے

(ذوق، کلیات، ج ا، ص ۳۰۷)

☆ بد اچھا بدنام برا (جامع)

جس شخص کا نام بدنام ہو جائے ہر برائی اس کے نام تھوپی جاتی ہے چاہے اس نے کی یا نہ کی ہو۔ بورڈ نے حالی (متوفی ۱۹۱۴ء) اور شوق قدوائی (متوفی ۱۹۲۵ء) کی سندیں دی ہیں، اسمٰعیل میرٹھی (متوفی ۱۹۱۷ء) کی سند بھی موجود ہے:

بد کی صحبت میں مت بیٹھو اس کا ہے انجام برا
بد نہ بنے تو بد کہلائے بد اچھا بدنام برا

(اسمٰعیل میرٹھی، حیات وکلیاتِ اسمٰعیل، ص ۳۴۷)

☆ براتِ عاشقاں بر شاخِ آہو (جامع)

فرہنگ میں اس کے معنی لکھے ہیں: عاشقوں کا حصہ ہرن کے سینگ پر۔ مراد یہ ہے کہ عاشقوں کے مقدر میں محرومی ہے۔ جامع کے مطابق اس کے معنی ہیں: ناممکن بات ہے، حصولِ مقصد ممکن نہیں (کیونکہ یہ وہ شاخ ہے جو کبھی ہری نہیں ہوتی)۔ اقبال کی نظم ''خضرِ راہ'' کا مصرع:

شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات

(بانگِ درا)

اسی فارسی کہاوت سے ماخوذ ہے۔

بورڈ نے اس کہاوت کا اندراج نہیں کیا گو ناسخ (متوفی ۱۸۳۸ء) کے ہاں بھی اس کی سند موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

سوالِ وصل پر ہلنا پری رو تیرے ابرو کا
اشارہ ہے براتِ عاشقاں بر شاخِ آہو کا

(ناسخ، کلیات، ج ۱، ص ۵۹)

☆ برعکس نہند نام زنگی کافور (جامع)

(لوگ) حبشی کا نام کافور (حقیقت کے) برعکس رکھتے ہیں (زنگی یعنی حبشی کالا اور کافور سفید ہوتا ہے)، بے جوڑ نام پر طنز ہے، نیز کسی شخص کی حرکتیں اس کے نام یا شہرت کے برعکس ہوں تو کہتے ہیں۔ اسی طرح کی ایک کہاوت ہے: پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل۔

بورڈ نے نذیر احمد اور شبلی نعمانی کی اسناد دی ہیں۔ قدیم تر سند مصحفی (متوفی ۲۵-۱۸۲۴ء) کی موجود ہے:

یہ وہ ہے مثل کہ مصحفی کہتے ہیں
برعکس نہند نام زنگی کافور

(مصحفی، کلیات، ج ۱، ص ۵۸۳)

☆ بھاری پتھر چوم کر چھوڑ دیا (جامع)

مشکل کام دیکھا تو کھسک گئے۔

بورڈ نے محاورے کے طور پر درج کیا ہے۔ میر کی سند کے علاوہ ایک اور سند بھی دی ہے۔ مگر داغ کے ہاں بھی ہے:

بے ستوں کاٹ کے فرہاد ہوا ہے نامی
ہم نے کیوں چھوڑ دیا چوم کے بھاری پتھر

(داغ، یادگارِ داغ، ص ۳۱۱)

☆ بھاگتے بھوت / چور کی لنگوٹی ہی سہی / بھلی (جامع)

جاتی ہوئی چیز میں سے جو مل جائے غنیمت ہے۔

بورڈ نے قدیم ترین سند اودھ پنچ کے ۱۹۲۵ء کے ایک شمارے سے دی ہے جبکہ مصحفی (متوفی ۲۵-۱۸۲۴ء) کے ہاں موجود ہے۔

بھاگتے چور کی لنگوٹی ہے
مصحفی ہاتھ گر لگے کر صبر

(مصحفی،کلیات، ج ۷، ص ۳۱۴)

☆ پہلے منھ چومتے / چومتے ہی گال کاٹا (جامع)

شروع ہی میں ایذا دی، ابتدا ہی میں شرارت کی۔

بورڈ نے اسے درج کیا ہے، رنگین سے سند دی ہے۔ میر (متوفی ۱۸۱۰ء) اور شوق کے ہاں بھی ہے:

کیا تم کو پیار سے وہ اے میر منھ لگاوے
پہلے ہی چومے تم تو کاٹو ہو گال اس کا

(میر،کلیات، ج ۳، ص ۵۶)

کھل گیا مجھ پہ تیرا سارا حال
پہلے منھ چومتے ہی کاٹا گال

(شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، ص ۲۱۶)

☆ پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان (جامع)

جس چیز سے نقصان ہو وہ کس کام کی۔ اس کے متن میں پھٹ کی بجائے بھٹ بھی ملتا ہے۔

بورڈ نے شوق لکھنوی کی سند مہذب اللغات کے حوالے سے دی ہے۔ لیکن راست حوالہ چاہیے جو پیش ہے:

جان کر ڈالی سب مری ہلکان
پھٹ پڑے سونا جس سے ٹوٹیں کان

(شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، ص ۲۱۲)

☆ تل اوٹ پہاڑ اوٹ (جامع)

جو چیز نظر کے سامنے نہیں اگر وہ قریب بھی ہے تو دور ہے۔

آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل زیادہ رائج ہے لیکن اس کے مختلف متن ملتے ہیں جو بورڈ نے بھی

دیے ہیں البتہ اسناد سب کی نہیں دیں۔ایک سند پیش ہے:

ہے مثل تل اوٹ ہوتا ہے پہاڑ
آنکھ باہم ملتے ہی دل مل گیا

(جلیل مانک پوری، تاجِ سخن، ص۱۴)

☆ تلوار سے پانی جدا نہیں ہوتا (جامع)

ایک خاندان کے آدمی گو آپس میں جھگڑتے ہیں بوقتِ ضرورت اکٹھے ہو جاتے ہیں۔

بورڈ نے اس کہاوت کا اندراج نہیں کیا۔سند بھی پیش ہے:

بحرِ وحدت میں ہوں میں گو سر گیا مثلِ حباب
چوب کیا تلوار سے پانی جدا ہوتا نہیں

(ناسخ، کلیات، ج۱، ص۱۵۹)

☆ تم نے اڑائیں ہم نے بھون کھائیں (جامع)

ہم تم سے زیادہ چالاک ہیں، ہم تمھاری چالاکیاں سمجھتے ہیں۔

بورڈ نے شوق کی سند دی ہے مگر ایک تو متن میں فرق ہے، دوسرے نور اللغات کے حوالے سے درج کیا ہے۔صحیح سند مع حوالہ حاضر ہے:

تم نے صاحب اگر اڑائی ہیں
ہم نے بھی بھون کھائی ہیں

(شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، ص۲۱۴)

☆ تو نہیں تیرا بھائی سہی (جامع)

تو نہیں تو تیرے جیسا کوئی اور سہی، یہ کام کرنے والے بہت مل جائیں گے۔اس کا ایک متن ''تو نہیں تیرے بھائی تیں ہزار'' بھی ہے۔سند بھی حاضر ہے:

رنج ہوتا نہ چھٹنے کا زنہار
تو نہیں تیرے بھائی تیں ہزار

(شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، ص۱۸۰)

☆ تین دن قبر گور میں بھی بھاری ہیں (جامع)

بعض مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قبر میں تین دن تک حساب ہوتا ہے یعنی دنیا کی بجائے آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔

بورڈ نے صرف ایک سند دی ہے جو میر کی ہے، میر کے بعد بھی سند ملتی ہے:

سچ ہے قسمت سے لوگ عاری ہیں
تین دن قبر میں بھی بھاری ہیں

(شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، ص ۲۲۲)

☆ ٹھٹیرے ٹھٹیرے بدلائی (جامع)

دو ایک جیسے ہم پلہ افراد کے درمیان معاملہ۔ اس کا ایک املا ہائے مخلوط کے بغیر یعنی "ٹھٹیرے" بھی ہے۔

بورڈ نے دو اسناد دی ہیں، ۱۸۱۴ء اور ۱۹۴۲ء کی۔ درمیانی عرصے کی سند پیش ہے:

تم نے بندی سے پیش کب پائی
ہے ٹھٹیرے ٹھٹیرے بدلائی

(شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، ص ۱۷۴)

☆ جان ہے تو جہان ہے (جامع)

زندگی کے ساتھ سب لطف ہے۔

بورڈ نے اندراج کیا ہے مگر اولین استعمال کی سند طلسم ہوش ربا (۱۸۹۱ء) سے دی ہے جبکہ میر (متوفی ۱۸۱۰ء) کے ہاں موجود ہے:

میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

(میر، کلیات، ج ۱، ص ۵۰۶)

☆ جلدی کا کام شیطان کا (جامع)

جلدی کرنے میں کام خراب ہوتا ہے۔

بورڈ نے ذوق کی سند دی ہے لیکن متن ذرا سا مختلف ہے۔

ہو تو عاشق سونچ کر اس دشمنِ ایمان کا
دل نہ کر جلدی کہ جلدی کام ہے شیطان کا

(ذوق، کلیات، ج ا، ص ۱۴۳)

☆ جو گرجتا ہے/گرجتے ہیں وہ برستا/برستے نہیں (جامع)

شیخی مارنے والا کچھ نہیں کرتا، دھمکیوں سے دبنا نہیں چاہیے۔

بورڈ نے ''جو'' کے ساتھ جو متن دیا ہے اس میں گرجتا/برستا لکھا ہے، گرجتے/برستے نہیں لکھا اور اس کے ساتھ ۱۸۰۳ء اور ۱۹۰۷ء کی اسناد دی ہیں (جلد ۶)۔ جبکہ ''جو'' کے بغیر صرف گرجتے/برستے درج کیا ہے اور اس کے ساتھ کوئی سند نہیں دی (جلد ۱۵)۔ سند حاضر ہے:

سرِ مژگاں بوقتِ نالہ آنسو کو ترستے ہیں
یہ سچ ہے جو گرجتے ہیں وہ بادل کم برستے ہیں

(شاہ نصیر، کلیات، ج ۲، ص ۲۸۱)

☆ جی ہے تو جہاں ہے (جامع)

زندگی کے ساتھ سب لطف ہے۔

بورڈ نے باغ و بہار (سالِ تکمیل ۱۸۰۱ء) اور شوق قدوائی کی سند دی ہے۔ لیکن قدیم تر سند میر سوز (متوفی ۹۹-۱۷۹۸ء) کی موجود ہے:

مشہور ہے یہ بات کہ جی ہے تو ہے جہاں
آپ ہی اٹھے جہاں سے تو گویا جہاں اٹھا

(میر سوز، کلیات، ص ۲۰)

☆ جیتی مکھی کوئی نگلتا ہے/نہیں کھائی جاتی (جامع)

دانستہ غلطی نہیں کی جا سکتی۔

بورڈ نے محاورہ قرار دیا ہے اور یہ متن دیے ہیں: جیتی مکھی دیکھ کر کھانا؛ جیتی مکھی نگلنا۔ نور اللغات کے مطابق ''جیتی مکھی نہیں نگلی جاتی'' (جلد ۲) کہاوت ہے۔ بورڈ نے ''جیتی مکھی نگلنا'' و ''جیتی مکھی کھانا'' سے رجوع کرایا ہے لیکن اس کا اندراج نہیں کیا۔ بہر حال، بورڈ نے بہادر شاہ

ظفر (متوفی ۱۸۶۲ء) اور حالی کی سندیں دی ہیں لیکن ایک اور سند بھی موجود ہے:

آگ میں کوئی آپ جلتا ہے
جیتی مکھی کوئی نگلتا ہے

(شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، ص ۱۷۱)

☆ جیسی کہنا ویسی سننا، جیسی کہے ویسی سنے (جامع)

سخت بات کا سخت جواب ملتا ہے۔

بورڈ نے دیوانِ عیش (۱۸۷۹ء) کی سند دی ہے۔ لیکن قدیم تر سند موجود ہے جس کا اندراج ہونا چاہیے تھا:

بد نہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

(ذوق، کلیات، ج ا، ص ۳۹۶)

☆ پت بھی میری پٹ بھی میری (جامع)

ہر طرح اپنا ہی فائدہ ڈھونڈتے ہیں۔

بورڈ نے اندراج کیا ہے لیکن کوئی سند نہیں دی۔ سند حاضر ہے:

چیت بھی اپنی ہے پٹ بھی اپنی ہے
میں کہاں ہار ماننے والا

(یاس یگانہ چنگیزی، گنجینہ، ص ۱۲)

☆ چوری کا گڑ میٹھا (جامع)

مفت کی چیز کا مزہ زیادہ ہوتا ہے۔

بورڈ نے دو اسناد دی ہیں۔ ایک اور سند بھی ہے۔

دلا سونے میں قندِ لب کے | تو | خاطر خواہ بوسے لے
مثل مشہور ہے دنیا میں گڑ میٹھا ہے چوری کا

(حسن علی، بحوالہ شعر الہند، عبد السلام ندوی، ج ا، ۱۸۶)

☆ 'چونی بھی کہے مجھے (موے) گھی سے کھاؤ (بورڈ)

'چونی (بواو معروف) یعنی دال کا چھلکا ملا ہوا باریک چورا۔ مراد یہ ہے کہ ادنیٰ آدمی اعلیٰ بننا چاہتا ہے، نااہل ہوتے ہوئے بھی اہل بننا چاہتا ہے، مرتبے سے زیادہ تکریم چاہتا ہے۔ جامع نے درج نہیں کی۔ بورڈ نے درج کی ہے لیکن سند منیر شکوہ آبادی (متوفی ۱۸۸۰ء) کی دی ہے۔ ایک اور سند بھی ہے جو قدیم تر ہے:

اک ذرا ہٹ کے بیٹھو منھ بنواؤ
کہے چُونی بھی مجھ کو گھی سے کھاؤ

(شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، ص ۱۷۹)

چیونٹیوں بھرا کباب (جامع)

ناکارہ چیز، جھگڑے کا گھر، کوئی شے جس میں فائدے کے ساتھ نقصان بھی ہو، نیز ایسا شخص جس کو بہت سے لوگوں یا کاموں نے گھیر رکھا ہو۔ بورڈ نے اولین سند ۱۹۰۶ء کی دی ہے۔ قدیم تر سند حاضر ہے (البتہ رشید حسن خان نے اس سند میں اس کا املا "چینٹیوں" لکھا ہے):

ایک ہی خانہ خراب ہے تو
چینٹیوں بھرا کباب ہے تو

(شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، ص ۱۷۰)

☆ چھوٹا منھ بڑی بات (جامع)

بڑوں کی عیب جوئی، معمولی آدمی کا اپنی حیثیت سے بڑا دعویٰ۔

بورڈ نے اسناد دی ہیں لیکن ذوق کے ہاں بھی ہے:

تو کہے غنچے کہ اس لب پہ دھڑی خوب نہیں
چپ کہ منھ چھوٹا سا اور بات بڑی خوب نہیں

(ذوق، کلیات، ج ۱، ص ۲۶۹)

☆ حرام زادے کی رسّی دراز ہے (جامع)

شریر آدمی مدت تک جیتا ہے۔ بورڈ نے یہ سند دی ہے مگر متن میں ذرا سا فرق ہے۔

پہنچا ہے شب کمند لگا کر وہاں رقیب
سچ ہے حرام زادے کی رسی دراز ہے
(ذوق، کلیات، ج ا، ص ۳۲۴)

☆ حسابِ دوستاں در دل (جامع)

دوستوں کے ساتھ جو سلوک کیا جائے اس کا ذکر نہیں کرنا چاہیے، دوستوں کی مہربانی کا حساب نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے بدلے میں مناسب طور پر حسنِ سلوک کیا جاتا ہے۔ بورڈ نے میر کی سند دی ہے۔ ایک اور سند بھی موجود ہے۔

دیا اک بوسہ پنہاں اس نے ہم کو رات دل لے کر
سو ہم بھی یہ سمجھتے ہیں حسابِ دوستاں در دل
(مرزا قاسم رقت، شاگرد جعفر علی حسرت و جرأت، بحوالہ تذکرہ جلوۂ خضر، صفیر بلگرامی، ص ۱۳۱)

☆ خالہ رخالہ جی کا گھر نہیں (جامع)

آسان کام نہیں۔ بورڈ نے خالہ کا گھر اور خالہ جی کا گھر بطور فقرہ دیا ہے اور معنی دیے ہیں آسان کام معمولی بات۔

بورڈ نے اسناد دی ہیں۔ ایک اور سند بھی حاضر ہے:

دل دینے پر ہے جی تو کرو خانماں خراب
یہ عاشقی ہے شیخ جی خالہ کا گھر نہیں
(محمد حسن محسن، بحوالہ تذکرہ ریختہ گویاں، علی الحسینی گردیزی، ص ۱۵۹)

خذ ما صفا (و) دع ما کدر (جامع)

(لفظاً) لے وہ شے جو صاف ہے (اور) چھوڑ جو مکدر ہے، مراد: اچھے اور برے میں امتیاز کر کے اچھی باتیں اپنانی چاہییں اور بری چھوڑ دینی چاہییں۔

بورڈ نے اولین سند مقدمۂ شعر و شاعری (۱۸۹۳ء) سے دی ہے جبکہ دو قدیم تر سندیں موجود ہیں، ایک قائم (متوفی ۹۴-۱۷۹۳ء) کی اور دوسری ذوق (متوفی ۱۸۵۴ء) کی:

حرفِ کفر و دیں پہ ہی کیا منحصر
ہاں دلا خذ ما صفا دع ما کدر

(قائم، کلیات، ج ا، ص ۷۹)

مجھے آتا ہے رشک اس رندِ بے آشام پر ساقی
نہ جو دع ما کدر جانے نہ جو ماخذ صفا سمجھے

(ذوق، کلیات، ج ا، ص ۳۷۶)

دال میں (کچھ) کالا ہے (جامع)

کسی پوشیدہ بات پر شک کرنا کہ ضرور کچھ نہ کچھ گڑ بڑ ہے جو بظاہر نظر نہیں آتی۔

بورڈ نے دال میں کالا/کالا کالا ہونا کا اندراج کیا ہے اور اسے محاورہ قرار دیا ہے۔ اسناد درج کی ہیں، لیکن ایک اور سند بھی پیش ہے:

یہاں لا کر جو مجھ کو ڈالا ہے
دال میں کچھ نہ کچھ تو کالا ہے

(شوق لکھنوی، مثنویاتِ شوق، ص ۱۶۸)

☆ درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست (جامع)

فقیر جہاں رہے وہی اس کا گھر ہے۔

بورڈ نے اولین سند دفترِ بے مثال (۱۸۵۹ء) سے دی ہے۔ اس سے قدیم تر سند درد (متوفیٰ ۱۷۸۵ء) کی موجود ہے:

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست
تو نے سنا نہیں ہے یہ مصرع مگر کہیں

(درد، دیوان، ص ۵۴)

☆ دریا میں رہنا اور مگر مچھ سے بیر (جامع)

جہاں رہنا وہاں کے زبردست لوگوں سے دشمنی رکھنا نادانی ہے۔

بورڈ نے اسناد درج کی ہیں۔ ذوق کے ہاں بھی ہے۔

ہوچکی دل کی اپنے عشق میں خیر
رہوں دریا میں اور مگر سے بیر

(ذوق، کلیات، ج ا، ص ۴۱۲)

دشمن اگر قویست نگہباں قوی تر است (فرہنگ)

دشمن اگر زبردست ہے تو خدا اس سے بھی زبردست ہے۔

بورڈ نے صرف ایک سند دی ہے جو ۱۸۹۶ء کی ہے۔ کلیاتِ قدر (۱۸۹۱ء) کی سند قدیم تر ہے:

دشمن اگر قویست نگہباں قوی تر است
اے قدر تم نے حال سنا ہو خلیل کا

(قدر، کلیاتِ قدر، ص ۱۰۰)

☆ دیوانہ باش تا غمِ تو دیگراں خورند (جامع)

دیوانہ بن تاکہ تیرا غم دوسرے کھائیں (اور تو بے فکر رہے)، بے فکرے کے بارے میں کہتے ہیں، پاگل کا غم دوسرے کھاتے ہیں وہ خود غموں سے آزاد ہوتا ہے۔

بورڈ نے مہذب اللغات اور جامع اللغات کے حوالے سے درج کیا ہے اور کوئی سند نہیں دی۔ سند حاضر ہے:

دیوانہ باش تا غمِ تو دیگراں خورند
واللہ ہوشیار ہے جو کہ مست ہے

(پنڈت نسیم، دیوانِ نسیم، ص ۲۸)

☆ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا (جامع)

مصیبت زدہ کو تھوڑی سی مدد بھی بہت معلوم ہوتی ہے۔

بورڈ نے اندراج کیا ہے، اسناد بھی دی ہیں، ایک اور سند بھی ہے:

مغتنم قلزمِ ہستی میں رہا تارِ نفس
ڈوبتے کے لیے تنکے کا سہارا جانا

(نظم طباطبائی، دیوانِ طباطبائی، ص ۴۸)

☆ذکر العیش نصف العیش (بورڈ)

لفظاً: عیش کا ذکر آدھا عیش ہے۔ مراداً: عیش کا ذکر بھی لطف رکھتا ہے۔

بورڈ نے درج کیا ہے اور خطوطِ غالب کے علاوہ ۱۹۵۸ء کی ایک سند دی ہے۔ ایک اور سند حاضر ہے۔

بس کہ ذکر العیش نصف العیش ہے
یادِ ایامِ فراغت ہی سہی

(اسمٰعیل میرٹھی، حیات وکلیاتِ اسمٰعیل، ص ۳۲۰)

☆رہے نام اللہ کا (جامع)

خدا کے سوا سب فانی ہیں۔

بورڈ نے اسناد دی ہیں، ایک اور سند بھی پیش ہے۔

بتوں کی بھی یہ یاد دو روز ہے
ہمیشہ رہے نام اللہ کا

(میر محمد سجاد، بحوالہ تذکرۂ ریختہ گویاں، گردیزی، ص ۱۲۱)

☆زمین کی پوچھی آسمان کی کہی (جامع)

سوال کچھ اور جواب کچھ۔ جامع نے ''پوچھو زمین کی تو کہے آسمان کی'' درج کیا ہے۔ بورڈ نے ''زمین'' کے تحت میں متن ذرا سا بدل کر اسے بطور محاورہ درج کیا ہے لیکن چوتھی جلد میں ''پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی'' کو کہاوت کے طور پر دیا ہے (بورڈ کے اصول کے مطابق پہلے ''پوچھی'' لکھ کر اس کے تحت میں یہ کہاوت درج ہونی چاہیے تھی لیکن ''پوچھی'' کا اندراج ہی نہیں ہے)۔ ان دو جلدوں میں بورڈ نے ظفر، سالک اور داغ کی اسناد دی ہیں۔ یہ کہاوت بعد کے ... میں بھی مستعمل رہی ہے۔ اس کی سند چاہیے، جو پیش ہے:

آزاد بے خودی کے نشیب و فراز دیکھ
پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی

(ابوالکلام آزاد، کلیات، ص ۵۹)

☆ سانپ نکل گیا (اس کی) لکیر پیٹا کرو (جامع)

موقع ہاتھ سے جاتا رہا اب سوائے افسوس کے کچھ چارہ نہیں۔

بورڈ نے اولین سند شاہ نصیر کے کلام سے دی ہے لیکن مہذب اللغات کے حوالے سے۔ یہاں حوالے کے ساتھ پیش ہے (لیکن متن ذرا مختلف ہے)۔ اس سے قبل میر کے ہاں بھی یہ کہاوت ملتی ہے۔ وہ بھی حاضر ہے:

کہاں پہنچیں مجھ تک یہ کیڑے حقیر
گیا سانپ پیٹا کریں اب لکیر

(میر، کلیات، ج ۶، ص ۲۳۹)

خیالِ زلف میں ہر دم نصیر پیٹا کر
گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

(شاہ نصیر، چمنستانِ سخن، برحاشیہ، ص ۷۴)

☆ سر سہلائے بھیجا کھائے (جامع)

دوستی کے پردے میں دشمنی کرتا ہے۔

بورڈ نے بطور محاورہ بھی درج کیا ہے اور بطور کہاوت بھی۔ کہاوت کے ساتھ شوق قدوائی کی سند دی ہے۔ اس سے قدیم سند موجود ہے:

ناخن سے منقار کے میرے داغِ جنوں کو زاغ کھجائے
عشق یہ تیری فطرت ہے تو سر سہلائے بھیجا کھائے

(ذوق، کلیات، ج ۱، ص ۴۰۲)

☆ کاٹو تو بدن میں خون (لہو) نہیں تھا (جامع)

بہت خوف زدہ تھا، سخت صدمے سے دوچار تھا۔

بورڈ نے اولین سند معروف کے دیوان (۱۸۴۶ء) سے دی ہے۔ اس سے قبل کی سند گلزار نسیم (سالِ تصنیف ۳۹-۱۸۳۸ء) کی موجود ہے:

دونوں کے رہی نہ جان تن میں
کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں

(دیا شنکر نسیم، گلزار نسیم، ص ۱۹۱)

☆ کبھی کا دن بڑا کبھی کی رات / کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں (جامع)

زمانہ اور حالات بدلتے رہتے ہیں۔

بورڈ نے اولین سند ۱۸۷۸ء کی دی ہے جبکہ میر (متوفی ۱۸۱۰ء) کے ہاں موجود ہے:

حدیثِ زلفِ دراز ان کے منھ کی بات بڑی
کبھو کے دن ہیں بڑے یاں کبھو کی رات بڑی

(میر تقی میر، کلیات، ج ۳، ص ۲۲۰)

☆ کم خرچ بالانشیں (جامع)

ایسی چیز جو کم قیمت بھی ہو اور اچھی بھی ہو۔

بورڈ نے ذوق کی سند دی ہے مگر شعر کے متن میں ذرا سا فرق ہے:

کیے ضبط اشک آہ پہنچی فلک پر
مرا عشق کم خرچ بالا نشیں ہے

(ذوق، کلیات، ج ۱، ص ۲۷۲)

☆ کیا پاؤں میں مہندی لگی ہے (بورڈ)

آنے میں کوئی عذر مانع نہیں، آتے کیوں نہیں۔

جامع نے "مہندی تو پاؤں میں نہیں لگی" دیا ہے۔ دونوں کی سند موجود ہے۔ بورڈ نے سند نہیں دی۔

مہندی تو سراسر نہیں پاؤں میں لگی ہے
تو بہر عیادت جو صنم اٹھ نہیں سکتا

(شاہ نصیر، کلیات، ج ۱، ص ۲۰۰)

جاتے نہیں جنازۂ عاشق کے ساتھ ساتھ
کیا پاؤں میں ہے آپ کے مہندی لگی ہوئی

(داغ، یادگار داغ، ص ۵۳۹)

☆ گربہ کشتن روز اول (جامع)

رعب شروع ہی میں بٹھایا جا سکتا ہے۔

بورڈ نے اولین سند طلسم ہوش ربا (۱۸۹۱ء) کی دی ہے۔ جان صاحب (متوفی ۱۸۸۶ء) کی سند موجود ہے:

گریہ کشتن روز اول مردوں کی ہے مثل
قرق تم جو روپیہ کرتے ہو اے بیٹا عبث

(جان صاحب، دیوان، ص ۳۱)

☆ گڑ سے مرے تو زہر کیوں دے / گڑ سے مرے تو بس کا ہے کو / گڑ سے مرے تو اسے زہر کیوں دے (جامع)

جو کام نرمی سے ہو جائے اس کے لیے سختی نہیں کرنی چاہیے۔ بورڈ نے ''گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دے / دو'' درج کیا ہے لیکن باعتبار ترتیب ''دو'' پہلے اور ''دے'' بعد میں آنا چاہیے۔ بورڈ نے ابن الوقت (۱۸۸۸ء) کی سند دی ہے، لیکن یہ کہاوت اس سے پہلے بھی مستعمل رہی ہے، ملاحظہ ہو:

میٹھا اس دیو کو کھلاؤ
گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو

(دیا شنکر نسیم، گلزارِ نسیم، ص ۱۶۱)

☆ لاٹھی مارنے سے / مارے پانی جدا نہیں ہوتا (جامع)

عزیزوں کے درمیان کسی کے بہکانے سکھانے سے قرابت یا رشتہ نہیں ٹوٹ جاتا۔

بورڈ نے اولین سند طلسم ہوش ربا سے دی ہے۔ اس سے قدیم سند پیش ہے (گو ذو معنی ہے اور ابتذال ہے):

تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی
لاٹھی سے جدا نہ ہوگا پانی

(دیا شنکر نسیم، گلزارِ نسیم، ص ۱۹۹)

☆ لہو لگا کر شہیدوں میں مل گیا (جامع)

بورڈ نے بطور محاورہ دیا ہے اور اندر سبھا (۱۸۵۶ء) کی سند دی ہے۔ اس سے پہلے ذوق (متوفی ۱۸۵۴ء) نے برتا تھا:

گل اس نگہ کے زخم رسیدوں میں مل گیا

یہ بھی لہو لگا کے شہیدوں میں مل گیا

(ذوق، کلیات، ج ا، ص ۱۶۶)

☆مرتا کیا نہ کرتا (جامع)

بے بسی کی حالت میں سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔

بورڈ نے اسناد دی ہیں۔ مزید ایک سند حاضر ہے:

محبت میں نہ کیوں جی سے گزرتا

سمجھ لے یوں کہ مرتا کیا نہ کرتا

(شاد عظیم آبادی، کلیاتِ شاد، ج ا، ص ۲۵۲)

مرد چوں پیر شود حرص جواں می گردد (جامع)

بڑھاپے میں حرص و ہوس بڑھ جاتی ہے۔

بورڈ نے درج کیا ہے لیکن کوئی سند نہیں دی۔ سند پیش ہے، البتہ اس سند میں ''مرد'' کی بجائے ''شخص'' آیا ہے۔ حالانکہ مرد اور شخص دونوں کا وزن ایک ہے اور کہاوت میں بھی مرد کا لفظ ہے۔ ممکن ہے سہوِ کتابت ہو۔

شخص چوں پیر شود حرص جواں می گردد

فعل بد کو نہیں مخصوص زمانہ کوئی

(منیر شکوہ آبادی، کلیات، ۴۲۶)

☆مردہ بدست زندہ (جامع)

غریب اور کم زور ظالم کے ہاتھ میں بے بس ہے۔

بورڈ نے اسناد دی ہیں۔ مزید ایک سند حاضر ہے:

لاشے کو دفن کیجے میرے کہ پھینک دیجے

مردہ بدست زندہ جو چاہیے سو کیجے

(ذوق، کلیات، ج ا، ص ۳۹۵)

☆ منھ سے بولو سر سے کھیلو رمنھ سے بولے نہ سر سے کھیلے (جامع ر بورڈ)

خاموش کیوں ہو، کچھ بات کرو ر بالکل خاموش ہے، کچھ بات ہی نہیں کرتا۔

بورڈ نے بہادر شاہ ظفر کی سند دی ہے۔ یہ کہاوت ذوق نے بھی استعمال کی ہے:

ڈسا ہو کالے نے جس کو کا فرسودہ فسوں کے اثر سے کھیلے
دہان و گیسو کا تیرے مارا نہ منھ سے بولے نہ سر سے کھیلے

(ذوق، کلیات، ج ۱، ص ۳۹۸)

☆ منھ سے نکلی پرائی ہوئی (جامع)۔

بات منھ سے نکل جائے تو اپنے قابو سے باہر ہو جاتی ہے۔

بورڈ نے اولین سند کلیات قدر (۱۸۸۳ء) سے دی ہے جبکہ آتش (متوفی ۱۸۴۷ء) کی سند موجود ہے:

یہ صدا آتی ہے خموشی سے
منھ سے نکلی ہوئی پرائی بات

(آتش، کلیات، ج ۱، ص ۳۳۹)

میں کون تو کون (بورڈ)

تیرا میرا کوئی تعلق نہیں، مجھے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔

بورڈ نے محاورے کے طور پر درج کیا ہے، کوئی سند نہیں دی۔ سند حاضر ہے:

جھنجھلا کے آخر بولا یہ مجھ سے
تو کون میں کون اے واہ اے واہ

(میر سوز، کلیات، ص ۲۰۹)

☆ مینڈکی (بھی) چلی مداروں کو (جامع)

کمینے یا نکمے آدمی نے بھی بڑا حوصلہ کیا۔

بورڈ نے اولین سند ۱۹۳۰ء کی دی ہے، اس سے پہلے کی سند موجود ہے:

ساتھ لے دے کے اپنے یاروں کو
مینڈکی بھی چلی مداروں کو

(شوق لکھنوی، مثنویات شوق، ص ۱۷۹)

☆ نقار خانے میں طوطی کی آواز/صدا کون سنتا ہے (جامع)

بڑے آدمیوں میں چھوٹے کی آواز کوئی نہیں سنتا، بہت سے آدمیوں کے آگے ایک کی نہیں چلتی۔ بورڈ نے قدیم ترین سند ۱۸۸۸ء کی دی ہے کیونکہ اس سے قبل ذوق کی جو سند ہے اس میں ''آواز'' کی بجائے ''صدا'' کا لفظ آیا ہے اور بورڈ کے اصولوں کے مطابق بجا طور پر یہ سند نہیں لی جاسکتی۔ بہر حال، ''صدا'' کی سند حاضر ہے۔

مرے نالوں سے چپ ہیں مرغ خوش الحاں زمانے میں
صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں

(ذوق، کلیات، ج ا، ص ۲۷۴)

☆ نیل کا ماٹ بگڑا ہے (جامع)

سارا کام خراب ہو گیا۔

بورڈ نے بطور محاورہ درج کر کے اسناد زیادہ دی ہیں اور بطور کہاوت صرف ایک سند دی ہے جو شوق قدوائی کی ہے۔ نیز کہاوت کے صرف ایک معنی دیے ہیں، دوسرے معنی بھی ہیں: شامت آئی ہے، کم بختی آئی ہے۔ ان معنوں میں سند حاضر ہے جو قدیم تر بھی ہے:

فرعون اور تجھ سے ہو دعوئ ہمسری
شاید بگڑ گیا ہے کہیں ماٹ نیل کا

(قدر، کلیات، ص ۱۰۰)

☆ ولی کے گھر شیطان (جامع)

نیک کی اولاد بد۔

اس کا ایک متن ''ولی کے نطفے سے شیطان'' بھی ملتا ہے، بورڈ نے ولی کے گھر (میں) شیطان درج کیا ہے، کوئی سند نہیں دی۔

کہتا ہے یہ تب سودا لاحول ولاقوۃ
ولیوں کے بھی نطفے سے شیطان نکلتے ہیں

(سودا، کلیات، ج ا، ۳۴۷)

☆ وہ مر گئے ہمیں مرنا ہے (جامع)

انجام کار ہر ایک کو مرنا ہے، کوئی بات کسی ایسے شخص کے حوالے سے یا اس کے بارے میں کہنے پر جو مر چکا ہو بطور قسم یا سچائی کی یقین دہانی کے لیے کہتے ہیں۔

بورڈ نے صرف ایک سند دی ہے جو ۱۸۷۱ء کی دی ہے۔ یہ کہاوت بعد کے دور میں بھی مستعمل رہی ہے۔ سند بھی موجود ہے:

پس از معشوق مرنا عشق کو بدنام کرنا ہے
خدا مجنوں کو بخشے مر گیا اور مجھ کو مرنا ہے

(شاد عظیم آبادی، کلیات، ج ۲، ص ۴۲۱)

☆ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے (جامع)

جو بات ظاہر ہو اس کے دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

بورڈ نے اولین سند ۱۸۰۳ء کی دی ہے، جبکہ اس سے قبل مصحفی کے ہاں استعمال ملتا ہے:

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے
دیکھ لے یاروں کا ہے یہ نقشا

(مصحفی، کلیات، ج ۹، ص ۵۸)

☆ ہر چہ بادا باد (جامع)

جو ہونا ہے ہو، جب کام شروع کر دیا تو نتیجے کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔

بورڈ نے درج کیا ہے اسناد بھی دی ہیں، ایک اور سند بھی پیش ہے:

رہ میں طوفان ہو و یا گرداب
کشتی مت روک ہر چہ بادا باد

(مجروح، دیوان، ص ۷۲)

☆ یک انار صد بیمار (جامع)

چیز تھوڑی اور طلب گار بہت۔

بورڈ نے اسناد دی ہیں، ایک اور سند بھی حاضر ہے:

ایک دل اور خواست گار ہزار
کیا کروں یک انار صد بیمار

(مجروح، دیوان، ص ٧٦)

عرض یہ ہے کہ یہ ایک مختصر سا جائزہ ہے، اس موضوع پر تفصیلی کام ہونا چاہیے۔

حواشی

١۔ ملاحظہ کیجیے باب اول و دوم۔

٢۔ ملاحظہ ہو ''غزل، قصیدہ اور مثنوی'' کے ذیل میں استعارے، محاورے اور روزمرہ کی بحث۔

٣۔ مشمولہ صحیفہ، لاہور، شمارہ ٣١، ص ٢٥۔٩

٤۔ اس کی مختلف جلدوں کی محض ورق گردانی ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ کام کس قدر وسیع اور عمیق ہے اور اس میں اردو کے محاورات اور ضرب الامثال کی کتنی بڑی تعداد کا اندراج ہے۔

٥۔ ملاحظہ ہو: اردو ادب، دہلی، شمارہ جولائی ستمبر، ٢٠٠٧ء؛ نیز غالب، کراچی، شمارہ ٢٢۔

فہرستِ اسنادِ محولہ

١۔ ادیب، مسعود حسن رضوی (مرتب)، فرہنگِ امثال، کتاب نگر، لکھنؤ، اشاعتِ سوم، ١٩٥٨ء۔

٢۔ اردو لغت بورڈ (مرتب)، اردو لغت تاریخی اصول پر، جلد یکم تا بیست و دوم، اردو لغت بورڈ، کراچی، ١٩٧٧ء تا ٢٠١٠ء۔

٣۔ اگا سکر، یونس، اردو کہاوتیں اور ان کے سماجی و لسانی پہلو، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ١٩٨٨ء۔

٤۔ اسمٰعیل میرٹھی، حیات و کلیاتِ اسمٰعیل، مرتبہ محمد اسلم سیفی، مکتبۂ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، ١٩٣٩ء۔

٥۔ آتش لکھنوی، خواجہ حیدر علی، کلیاتِ آتش، ج ٢، مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ١٩٧٣ء۔

٦۔ آزاد، ابوالکلام، کلیاتِ آزاد، مرتبہ ابوسلمان شاہ جہاں پوری، ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، کراچی، ١٩٩٧ء۔

٧۔ آرزو لکھنوی، فغانِ آرزو، ادارۂ اشاعتِ اردو، حیدرآباد دکن، طبع دوم، ١٩٤٥ء۔

۸۔ جان صاحب، میر یار علی، کلیاتِ میر یار علی مشہور بہ جان صاحب، مطبع نیاز، دکن، ۱۳۰۹ ہجری۔

۹۔ جلیل مانک پوری، تاجِ سخن، نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۱۰ء۔

۱۰۔ حالی، الطاف حسین، مقدمۂ شعروشاعری، کشمیر کتاب گھر، لاہور، سن ندارد۔

۱۱۔ داغ دہلوی، نواب میرزا خاں، یادگارِ داغ، مرتبہ کلب علی کاں فائق مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۴ء۔

۱۲۔ درد دہلوی، خواجہ میر، دیوانِ درد، مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۲ء۔

۱۳۔ ذوق، شیخ محمد ابراہیم، کلیاتِ ذوق، ج ۱، مرتبہ تنویر احمد علوی مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء۔

۱۴۔ ذوق، شیخ محمد ابراہیم، کلیاتِ ذوق، ج ۲، مرتبہ تنویر احمد علوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء۔

۱۵۔ سبزواری، شوکت، اردو روزمرہ اور محاورہ، مشمولہ صحیفہ، لاہور، شمارہ ۳۱، اکتوبر ۱۹۶۴ء۔

۱۶۔ سرہندی، وارث (مرتب)، جامع الامثال، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء۔

۱۷۔ سودا، مرزا رفیع، کلیاتِ سودا، ج ۱، مرتبہ محمد شمس الدین صدیقی مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۳ء۔

۱۸۔ سوز، میر، کلیاتِ میر سوز، مرتبہ سید علی حیدر نیر، ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی، پٹنہ، ۱۹۷۷ء۔

۱۹۔ شاد عظیم آبادی، کلیاتِ شاد، ج ۱، مرتبہ کلیم الدین احمد، بہار اردو اکیڈمی، پٹنہ، ۱۹۷۵ء۔

۲۰۔ شاد عظیم آبادی، کلیاتِ شاد، ج ۲، مرتبہ کلیم الدین احمد، بہار اردو اکیڈمی، پٹنہ، ۱۹۷۵ء۔

۲۱۔ شاہ نصیر، کلیات، ج ۱، مرتبہ تنویر احمد علوی مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۱ء۔

۲۲۔ شاہ نصیر، کلیات، ج ۲، مرتبہ تنویر احمد علوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۷ء۔

۲۳۔ شاہ نصیر، چمنستانِ سخن، مطبع نامی، دہلی، ۱۳۱۴ ہجری۔

۲۴۔ شوق لکھنوی، نواب مرزا، مثنویاتِ شوق، مرتبہ رشید حسن خان، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۹۹ء۔

۲۴۔ شیفتہ، مصطفیٰ خاں، کلیاتِ شیفتہ، مرتبہ کلب علی خاں فائق مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء۔

۲۵۔ صدیقی، ابواللیث، لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، غضنفر اکیڈمی پاکستان، کراچی، طبع ثانی ۱۹۸۷ء۔

۲۶۔ صفیر بلگرامی، سید فرزند احمد، تذکرۂ جلوۂ خضر، ج ۱، صفیر بلگرامی اکیڈمی، کراچی، اشاعتِ دوم، ۲۰۰۹ء۔

۲۷۔ عالم، محبوب (مرتب)، محبوب الامثال، پیسہ اخبار، لاہور، اشاعت سوم ۱۹۳۶ء۔

۲۸۔ عبدالرشید، اردو لغت تاریخی اصول پر: چند معروضات، مشمولہ اردو ادب، دہلی، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۷ء۔

۲۹۔ عبدالرشید، کچھ اور محاورات، مشمولہ غالب، کراچی، شمارہ ۲۲، ۲۰۱۳ء۔

عبدالسلام ندوی، شعرالہند، ج ۲، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۹ء۔

۳۰۔ قائم چاند پوری، قیام الدین، کلیاتِ قائم، ج ۱، مرتبہ اقتدا حسن، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء۔

۳۱۔ قائم چاند پوری، قیام الدین، مخزنِ نکات، مرتبہ اقتدا حسن، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۶ء۔

۳۲۔ قدر بلگرامی، غلام حسین، کلیات قدر، مطبع مفیدِ عام، آگرہ، ۱۸۹۱ء۔

۳۳۔ گردیزی، علی الحسینی، تذکرۂ ریختہ گویاں، مرتبہ اکبر حیدری کاشمیری، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۹۵ء۔

۳۴۔ مجروح، میر مہدی حسین، مظہرِ معانی معروف بہ دیوانِ مجروح، سرافراز پریس، دہلی، ۱۸۹۹ء۔

۳۵۔ مصحفی، غلام ہمدانی، کلیات، ج ۱، مرتبہ نورالحسن نقوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۸ء۔

۳۶۔ مصحفی، غلام ہمدانی، کلیات، ج ۷، مرتبہ نورالحسن نقوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۵ء۔

۳۷۔ مصحفی، غلام ہمدانی، کلیات، ج ۹، مرتبہ نورالحسن نقوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع سوم، ۱۹۹۹ء۔

۳۸۔ منیر شکوہ آبادی، کلیاتِ منیر، مطبع ثمرِ ہند، لکھنؤ، ۱۸۷۹ء۔

۳۹۔ میر، میر تقی، کلیات میر، ج ۱، مرتبہ کلب علی خاں فائق، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۶ء۔

۴۰۔ میر، میر تقی، کلیاتِ میر، ج ۳، مرتبہ کلب علی خاں فائق، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع دوم، ۱۹۹۲ء۔

۴۱۔ میر، میر تقی، کلیاتِ میر، ج ۶، مرتبہ کلب علی خاں فائق، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۴ء۔

۴۲۔ ناسخ، شیخ امام بخش، کلیات، ج ۱، مرتبہ یونس جاوید، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۷ء۔

۴۳۔ ندوی، عبدالسلام، شعرالہند، ج ۲، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۹ء۔

۴۴۔ نسیم لکھنوی، پنڈت دیا شنکر، گلزارِ نسیم، مرتبہ رشید حسن خان، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۷ء۔

۴۵۔ نسیم لکھنوی، پنڈت دیا شنکر نسیم، دیوانِ نسیم، مطبع نیو کرسچن آرفن، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء۔

۴۶۔ نصیر: دیکھیے: شاہ نصیر۔

۴۷۔ نظم طباطبائی، علی حیدر، دیوانِ طباطبائی یعنی صوت تغزل، مکتبۂ ابراہیمیہ، حیدر آباد دکن، ۱۹۳۳ء۔

۴۸۔ یگانہ چنگیزی، گنجینہ، قومی دارالاشاعت، لاہور۔

فرہنگِ آصفیہ کی تدوین واشاعت:
چند غلط فہمیوں کا ازالہ

فرہنگ آصفیہ اردو کی چند معروف ترین اور مستند ترین لغات میں شمار ہوتی ہے۔ لیکن اس کی تدوین وترتیب اور اشاعت سے متعلق کچھ غلط فہمیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس مقالے کا مقصد اس اہم لغت کی تدوین اور اشاعت سے متعلق کچھ تاریخی حقائق منظر عام پر لانے کے علاوہ ان غلط فہمیوں کو دور کرنا ہے جو بعض محققین کی تحریروں سے پیدا ہوئی ہیں۔ گو ان غلط فہمیوں کی ایک وجہ اس لغت کے مولف مولوی سید احمد دہلوی کے بیانات بھی ہیں۔

☆ فرہنگِ آصفیہ کے مختلف نام

فرہنگِ آصفیہ کو مختلف طرح سے موسوم کیا گیا۔ مثلاً ''لغاتِ اردو'' اور ''ارمغانِ دہلی'' دراصل اسی کے نام ہیں۔ اس لغت کو ان کے علاوہ بھی کئی ناموں سے پکارا گیا مثلاً ''مصطلحاتِ اردو''، ''ہندوستانی اردو لغات''، ''مجموعۂ لغاتِ اردو''۔ حتیٰ کہ اس کے مولف سید احمد دہلوی کی رعایت سے اس پر لکھی گئی تقریظوں میں سے ایک میں اسے ''سید اللغات'' بھی کہا گیا۔

☆ مصطلحاتِ اردو

منشی سید احمد دہلوی نے ''فرہنگِ آصفیہ'' کی تالیف کی ابتدا ۱۸۶۸ء میں عرب سرائے میں کردی تھی [۱]۔ یہاں یہ وضاحت کردی جائے کہ عرب سرائے دراصل دہلی کا ایک علاقہ تھا جہاں کسی زمانے میں عرب سے آئے ہوئے علما آباد ہوئے تھے اور جہاں مدارس بھی قائم ہوئے [۲]۔ سید احمد دہلوی نے انجمن عرب سرائے کی سرپرستی کے نتیجے میں ''مصطلحاتِ اردو'' کے نام سے ۱۸ء میں جو مجموعہ مدوّن کیا تھا اسے ''فرہنگِ آصفیہ'' کی ابتدائی صورت سمجھنا چاہیے۔ فرہنگ

آصفیہ میں ''سببِ تالیف'' کے تحت مولف سید احمد دہلوی نے ''مصطلحاتِ اردو'' کا ذکر کیا ہے[۳]۔ قاضی عبدالودود نے مولف کے اس بیان سے استنباط کیا ہے کہ مصطلحاتِ اردو'' کے چھپنے کا انتظام نہ ہو سکا'' [۴]۔ خود سید احمد دہلوی کا انداز ''سببِ تالیف'' میں شاعرانہ زیادہ ہے اس لیے واضح نہیں ہوتا کہ آیا کتاب چھپنے کے بعد انجمن عرب سرائے (یعنی عرب سرائے سوسائٹی) کا ''چراغ گل'' ہو گیا جس کے بعد ''یہ مجموعہ اندھیری کوٹھڑی میں جا پڑا'' یا اس سے مراد یہ ہے کہ عرب سرائے سوسائٹی اس کی اشاعت سے قبل ہی ختم ہو گئی اور اس کے ختم ہو جانے کی وجہ سے لغت کے چھپنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ ڈاکٹر مسعود ہاشمی نے لکھا ہے کہ ''سید احمد دہلوی مصطلحاتِ اردو کے نام سے ۱۸۷۱ء میں ایک لغاتی مجموعہ مدوّن کر چکے تھے جسے بعد میں 'ارمغانِ دہلی' کے نام سے مختصر رسالوں کی صورت میں ۱۸۷۸ء سے شائع کرنا شروع کیا'' [۵]۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ ارمغان دہلی ''مختصر'' رسالوں کی صورت میں چھپی غالباً درست نہیں ہے، کیونکہ ارمغان دہلی کی صرف ایک جلد ۱۸۷۸ء میں شائع ہوئی تھی جس کے بڑی تقطیع کے ایک سو چھپن (۱۵۶) صفحات تھے۔ اس کی تفصیل اسی مقالے میں آگے آ رہی ہے۔ گویا ارمغان دہلی رسالوں کی صورت میں نہیں چھپی تھی۔ البتہ سید احمد دہلوی کی ایک لغت رسالوں کی صورت میں قسط وار ''ہندوستانی اردو لغات'' کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ اس کی بھی تفصیل اسی مقالے میں آگے آ رہی ہے۔ لیکن مسعود ہاشمی صاحب نے حوالہ دیا ہے کہ لغات اردو (خلاصہ ارمغانِ دہلی) کے نام سے شملہ سے مطبع گلزار کے زیرِ اہتمام ۱۸۸۸ء میں شائع ہوئی تھی [۶]۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ خلاصہ خود دیکھا ہے۔ راقم کی نظر سے یہ ''خلاصہ'' نہیں گزرا لہٰذا وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے، البتہ اسے ارمغان دہلی کہنا درست نہیں۔

بہرحال قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''مصطلحاتِ اردو'' کے نام سے مرتبہ کتاب صرف ''مدوّن'' ہی ہوئی تھی اور اس کی اشاعت بعد میں ہوئی بھی تو مختلف نام سے۔

☆لغاتِ اردو معروف بہ ارمغانِ دہلی

فرہنگ آصفیہ پہلے ''لغاتِ اردو معروف بہ ارمغانِ دہلی'' کے نام سے چھپی تھی۔ ''ارمغان دہلی'' کا پہلا حصہ اپریل ۱۸۷۸ء میں چھپا تھا۔ یہ بڑی تقطیع میں ہے اور اس کا ناپ یا سائز

ساڑھے دس انچ ضرب آٹھ انچ ہے۔ یہ کل ایک سو چھپن (۱۵۶) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی لوح پر انگریزی اور اردو دونوں میں اس کا نام اور طباعتی تفصیلات درج ہیں۔ چونکہ "ارمغانِ دہلی" کا پہلا حصہ بہت کم یاب ہے لہٰذا اس کی لوح کی عبارت یہاں من وعن، پرانے املا میں، نقل کی جاتی ہے، وھوہٰذا:

اردو زباندانی کا سلسلہ

حصۂ اول لغاتِ اردو الف ممدودہ

معروف بہ

ارمغانِ دہلی

جسمیں ہندوستانی خاص و عام بول چال کے عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ ہندی لغت اور انکے مادے طبیعات و فلسفے کے ضروری مسئلے۔ علمِ زبان یعنی فلولجی کے نکتے۔ اردو صرف ونحو کے قاعدے مروجہ رئیس معہ امثلۂ نظم ونثر مندرج ہیں

مولفہ

منشی سید احمد صاحب دہلوی

مصنف کنز الفوائد۔ وقائع دُرآئینہ۔ انشائی ہادی النساء وغیرہ

اپریل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۷۸ء

طبع اول ۵۵۰ جلدیں Ist edition 550 copies

[یہاں قیمت درج تھی لیکن پڑھی نہیں جا سکی، غالباً کسی کتب فروش نے مٹادی ہے]

ارمغانِ دہلی کے صفحہ دو (۲) پر Notices of the work کے زیرِ عنوان دو آراء انگریزی میں دی گئی ہیں۔ پہلے معروف انگریز لغت نویس ایس ڈبلیو فیلن (S. W. Fallon) کی توصیفی رائے درج ہے۔ اسی کے نیچے فقیر چند ولیش کی مختصر تعریفی رائے درج ہے اور ان کا عہدہ "سیکریٹری، عرب سرائے سوسائٹی" لکھا ہے۔

اس پہلے حصے میں الف ممدودہ سے شروع ہونے والے الفاظ ومرکبات ہیں اور چند صفحات میں الف مقصورہ کا تعارف ہے۔ابتدا میں لکھا گیا ہے ''الف ممدودہ تمام''،گویا الف ممدودہ سے شروع ہونے والے تمام اندراجات اس جلد میں آ گئے۔صفحہ چار (۴) پر ''اطلاع'' کے زیرِ عنوان لکھا ہے کہ اس لغت میں تقریباً دو ہزار لغت اور محاورے لکھے گئے ہیں اور ان کی سند سوا دو سو شعرا کے کلام سے دی گئی ہے۔جو اہم معلومات اس تحریر سے ملتی ہیں وہ یہ ہیں کہ پوری کتاب چار حصوں میں چھاپی جائے گی اور ہر حصہ '' بشرطِ فراہمی خریداراں'' چھٹے مہینے شائع ہوگا۔یہ اطلاع بھی دی گئی کہ جب یہ لغت پوری چھپ جائے گی تو باقی سلسلہ جس کا نمونہ ۱۸۷۶ عیسوی میں اخبار انجمن پنجاب کے مختلف پرچوں میں آغازِ جون سے ۲۲ دسمبر تک چھپ چکا ہے،معرضِ طبع میں آئے گا۔

لغت کی ابتدا میں دیباچہ ہے جس میں مآخذ کے نام دیے ہیں۔آخر میں بعض اخبارات کی رائے بھی درج ہے۔اس میں پہلا اندراج لفظ ''آ'' کا اور آخری اندراج ''اب سے'' کا ہے۔الف ممدودہ کے اندراجات ختم ہونے کے بعد الف مقصورہ کا تعارف اور اس کے استعمال دیے ہیں جو تین صفحات پر محیط ہیں۔

☆ہندوستانی اردو لغت

اس کے بعد رسالوں کی صورت میں فرہنگِ آصفیہ شائع ہونا شروع ہوئی اور رسالوں کی شکل میں چھپتے وقت اس کا نام ''ہندوستانی اردو لغات'' رکھا گیا تھا نا کہ ارمغانِ دہلی۔سید احمد دہلوی کی ۱۸۷۸ء میں بڑی تقطیع پر چھپنے والی لغت کا نام ''لغاتِ اردو معروف بہ ارمغانِ دہلی'' تھا۔یہ پہلا حصہ تھا۔باقی حصے چھپنے کی نوبت (کم از کم اس نام سے) نہیں آئی۔ماہانہ قسطوں کی صورت میں چھپتے وقت اس کا نام ''ہندوستانی اردو لغات'' تھا۔

خود سید احمد دہلوی کے بقول انھوں نے ارمغان کا ''خلاصہ'' ''ہندوستانی اردو لغات'' کے نام سے کیا ہے۔لیکن انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''ہندوستانی اردو لغات معروف بہ فرہنگِ آصفیہ کو بیس (۲۰) چھبیس (۲۶) کاغذ کے چھوٹے صفحوں پر ماہوار رسالوں میں چھاپنا شروع کیا''[۸]۔یہ ''خلاصہ'' کب اور کس نام سے چھپا؟ اس کی انھوں نے کوئی وضاحت نہیں کی،نہ کسی محقق نے اس پر کوئی روشنی ڈالی ہے۔مسعود ہاشمی صاحب نے بھی اس کا نام ''لغاتِ اردو (خلاصہ ارمغانِ دہلی)''

لکھا ہے اور حواشی میں صرف ''لغاتِ اردو'' لکھ کر اس کا حوالہ دے دیا ہے، ''مطبع گلزار اردو ۱۸۸۸ء'' کے سوا کوئی اور تفصیل نہیں دی، نہ متن میں نہ حواشی میں۔ ہندوستانی اردو لغات یقیناً اس سے الگ ایک لغت تھی جو شملہ سے شائع نہیں ہوئی تھی۔

''ہندوستانی اردو لغات'' جن ماہانہ رسالوں کی شکل میں قسط وار چھپتی تھی ان میں سے کچھ راقم کی نظر سے گزرے ہیں۔ اس سلسلے کی پانچویں قسط جو مارچ ۱۸۸۳ء میں چھپی تھی میں اسے ''نئی اور مکمل اردو ڈکشنری'' قرار دیا گیا ہے اور جو لوح کی عبارت کے مطابق ''ماہِ نومبر ۱۸۸۲ء سے ۲۴ صفحے پر (مگر جولائی سے ۳۲ صفحے پر) بطور رسالہ ماہوار ہر مہینے کی بیسویں تاریخ کو شائع ہوتی ہے''۔

فرہنگِ آصفیہ کی بالاقساط ''ہندوستانی اردو لغات'' کے نام سے پہلی طباعت کی ایک قسط کے سرورق کا عکس اردو سائنس بورڈ کے شائع کردہ فرہنگِ آصفیہ کے ایڈیشن (۱۹۷۷ء) میں بھی شامل ہے۔ یہ عکس دراصل لغت کی آٹھویں ماہانہ قسط کا ہے جس پر ''آٹھواں نمبر'' درج ہے اور اس پر جون ۱۸۸۳ء کی تاریخ پڑی ہے۔ گویا لغت کی ان قسطوں کو ''نمبر'' کا بھی نام دیا گیا تھا۔

فرہنگِ آصفیہ کی اس طرح کی ماہانہ اقساط (یا بقول خود مولف کے ''ماہوار رسالوں'') کے پہلے صفحے پر ان صفحات کی بھی وضاحت ہوتی تھی جو اس قسط میں شامل ہوتے تھے۔ آٹھویں قسط کے سرورق (جو اردو سائنس بورڈ کے شائع کردہ ایڈیشن میں شامل ہے) کی پیشانی پر پر صفحات کا نمبر ''۱۷۷۔۲۰۰'' درج ہے۔

اس طرح اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ ماہانہ اقساط ابتدا میں چوبیس (۲۴) صفحات پر مشتمل ہوتی تھیں۔ البتہ پانچویں قسط صفحہ نمبر ایک سو پانچ (۱۰۵) سے شروع ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ ابتدائی چار قسطیں مجموعی طور پر ایک سو چار (۱۰۴) صفحات پر مشتمل تھیں جب کہ چوبیس صفحات فی قسط کے حساب سے اس کے چھیانوے (۹۶) صفحات بنتے ہیں۔ گویا آٹھ صفحات کا حساب رہ جاتا ہے۔ ''ہندوستانی اردو لغات'' کے صفحات کے نمبر میں یہ بے قاعدگی ہمیں آگے کی قسطوں میں بھی ملتی ہے، مثلاً دیگر اقساط جو ہمیں دیکھنے کا موقع ملا (اور جن کے سرورق غائب تھے) ان میں بھی نمبر اسی تسلسل میں ہیں۔ گویا ابتدائی قسطوں کے آٹھ صفحات کے بارے میں یہ

تحقیق طلب ہے کہ ان میں کیا تھا اور وہ کس قسط کے ساتھ چھپے تھے۔

''ہندوستانی اردو لغات'' کی چھے مختلف قسطیں (یا ماہانہ رسالے، انھیں جو بھی نام دیا جائے) راقم کی نظر سے بھی گزری ہیں لیکن اول تو یہ تسلسل میں نہیں تھیں اور پھر ان میں سے صرف دو پرلوں کے صفحات موجود تھے۔ بقیہ کا پہلا صفحہ غائب ہونے کی وجہ سے تاریخ اشاعت اور قسط نمبر معلوم نہ ہو سکے، گو ان کے صفحات کے شمار کے اعداد جوڑ کر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ اقساط کب چھپی ہوں گی۔ دست یاب ہونے والی اقساط کی تفصیل، جو نسخوں کے ناقص ہونے کی وجہ سے نامکمل ہے، پیش ہے۔ جہاں قیاسی اضافے کیے گئے ہیں ان کی وضاحت بھی قوسین میں کر دی گئی ہے۔

''ہندوستانی اردو لغات'' کی قسط وار اشاعت:

شمارہ تاریخِ اشاعت	قسط	صفحات	پہلا اندراج	آخری اندراج
۱۔ مارچ ۱۸۸۳ء	پانچواں نمبر	۱۰۵ تا ۱۲۸	اناپ شناپ	آنکھوں میں سیک ہونا
۲۔ اپریل ۱۸۸۳ء	چھٹا نمبر	۱۲۹ تا ۱۵۲	آنکھوں میں سرسوں پھولنا	ایک رنگ کا
۳۔ ناقص الاول	سترھواں (قیاساً)	۳۹۳ تا ۴۲۴	پھڑانا	پیراک
۴۔ ناقص الاول	بیسواں (قیاساً)	۴۸۹ تا ۵۲۰	تمر ہندی (قیاساً)	تیل جل چکا

(پہلے صفحے پر لفظ ''تمغا'' کی تشریح پڑھی جا سکی۔ بالائی کاغذ دریدہ تھا۔ خیال ہے کہ پہلا اندراج تمر ہندی ہوگا)

شمارہ تاریخِ اشاعت	قسط	صفحات	پہلا اندراج	آخری اندراج
۵۔ ناقص الاول	چوبیسواں (قیاساً)	۹۳۷ تا ۹۶۰	ڈھڑا	رام دانا
۶۔ ناقص الاول	چالیسواں (قیاساً)	۱۰۹۷ تا ۱۱۲۰	سانولا رنگ	سچ کا زمانہ نہیں

ثانیاً، ایسا لگتا ہے کہ جولائی ۱۸۸۳ء سے ماہانہ بتیس صفحات پر مبنی قسط کی اشاعت کے اعلان پر عمل نہ ہو سکا اور یہ حسب سابق چوبیس صفحات ہی پر مشتمل رسالوں کی صورت میں چھپتی رہی جیسا کہ اگلی اقساط کے صفحات کے نمبروں سے اندازہ ہوتا ہے (اگر ہر قسط کے بتیس صفحے شمار کیے جائیں تو صفحہ نمبر ۳۹۳ اور ۴۸۹ سے اقساط شروع نہیں ہو سکتیں، جیسا کہ اوپر کے جدول میں درج ہے۔ البتہ چوبیس کے حساب سے یہ صفحہ نمبر بالکل ٹھیک بیٹھتے ہیں)۔ البتہ سترھویں قسط سے بتیس صفحات

کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ قیاس ہے کہ بتیس صفحات پر مشتمل یہ سلسلۂ اقساط لگ بھگ تینتیس قسطوں تک جاری رہا اور پھر چونتیسویں نمبر سے دوبارہ چوبیس صفحات پر مبنی قسطیں چھپنے لگیں۔ یہ سب قیاساً عرض کیا جا رہا ہے کیونکہ اگلی قسطوں کے صفحوں کا حساب (جو ہمیں دست یاب ہوئیں اور جن کی تفصیل اوپر درج ہے) اسی صورت میں ٹھیک بیٹھتا ہے۔

ثالثاً، یہ سلسلہ پابندی سے ہر ماہ جاری نہ رہ سکا ہوگا اور اس میں وقفے آتے گئے ہوں گے۔ اس کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ محمد حسین آزاد نے فرہنگِ آصفیہ پر تبصرہ کیا تھا، جس پر ۶ر جولائی ۱۸۸۷ء کی تاریخ پڑی ہے، اس سے کچھ قیاس کیا جا سکتا ہے۔ آزاد نے لکھا ہے کہ ''ان دنوں مولوی سید احمد صاحب کی اردو ڈکشنری کے ۳۲ حصے میری نظر سے گزرے۔۔۔[۹]''۔ گویا جولائی ۱۸۸۷ء تک اس کی بتیسویں قسط شائع ہو چکی تھی۔ اردو سائنس بورڈ کی شائع کردہ فرہنگِ آصفیہ میں ایک مفید اور معلوماتی دیباچہ بھی ہے۔ اس کے مطابق مولوی سید احمد دہلوی نے ہندوستانی اردو لغت بصورتِ رسائل ۳۹ حصوں میں چھپوائی جس کا نام بعد میں فرہنگ آصفیہ رکھا گیا[۱۰]۔ اس طرح ۳۹ حصص تک کی اشاعت کا سراغ ملتا ہے۔ اس کے کچھ عرصے بعد اس کا نام فرہنگِ آصفیہ ہو گیا اور یہ بڑی تقطیع میں باقاعدہ لغت کی صورت میں چھپنا شروع ہوئی۔

فرہنگِ آصفیہ

اس کا نام فرہنگ آصفیہ کس طرح ہوا اور یہ کیسے چھپی، اس کی کچھ تفصیل فرہنگِ آصفیہ کے دیباچے میں ملتی ہے۔ سید احمد دہلوی نے اس لغت کی تدوین اور اشاعت میں جن مصائب کا سامنا کیا ان کا ذکر انھوں نے اس کے دیباچے میں خاصی تفصیل سے کیا ہے۔ مختصراً یہ کہ شدید مشکلات کے بعد بالآخر ۱۸۸۸ء میں نظام دکن نے اس کی سرپرستی شروع کی اور ان کے تخلص اور خطاب کی مناسبت سے اس کا نام فرہنگِ آصفیہ رکھا گیا۔ قسط وار چھپے ہوئے رسالوں کو جلد اول اور جلد دوم پر تقسیم کر دیا گیا۔ ۱۸۹۲ء میں اس کی تدوین مکمل ہوئی۔ تیسری جلد بڑی تقطیع پر باقاعدہ لغت کی صورت میں جنوری ۱۸۹۸ء میں اور چوتھی جلد ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی[۱۱]۔

عابدہ سمیع الدین نے لکھا ہے کہ اس کی تدوین میں پچاس سال لگے لیکن اس کی پہلی جلد چھپ رہی تھی کہ اس کے مولف سید احمد دہلوی کا انتقال ہو گیا[۱۲]۔ خدا جانے یہ غلط فہمی انھیں کیسے

ہوگئی، کیونکہ خود سید احمد دہلوی نے چوتھی جلد کے اختتام پر لکھا ہے کہ یہ ۱۸۹۲ء/۱۳۱۰ھ میں مکمل ہوگئی۔ اسی مناسبت سے انھوں نے ''حضرتِ آفتاب'' (۱۸۹۲ء) اور ''تسخیرِ دل ہا'' (۱۳۱۰ھ) سے تاریخ بھی نکالی۔ البتہ سید احمد دہلوی نے یہ بھی لکھا کہ چوتھی یعنی آخری جلد ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی لہٰذا اس کی تاریخ ''الفاظِ دل پذیر'' ٹھہری[۱۳] (جس سے سال ۱۹۵۸ (بکرمی سمت) برآمد ہوتا ہے)۔ اس کے بعد یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اس کام میں انھوں نے تیس (۳۰) برس صرف کیے قطعۂ تاریخ میں یہ مصرع شامل کیا۔

ع: عمرِ سی سال را تلف کردم[۱۴]

یہ اور بات ہے کہ اگر ۱۸۶۸ء سے ۱۸۹۲ء تک شمار کیا جائے تو یہ مدت ''سی سال'' یعنی تیس سال نہیں بلکہ چوبیس پچیس سال بنتی ہے۔ اگر چوتھی جلد کی تاریخِ اشاعت یعنی ۱۹۰۱ء کو لیا جائے تب تیس سال بن سکتے ہیں۔ خود مولف نے چوتھی جلد کے اختتام پر ''پیکرِ خیال بطورِ عرضِ حال'' کے عنوان سے داستانی انداز کا جو تخیلی و تمثیلی قصہ اس لغت کی تدوین کے آغاز کا بیان کیا ہے اگر اسے درست مانا جائے جو بقول ان کے ''غدر کے بعد جب دلّی لٹی'' سے شروع ہوتا ہے تو تدوین کا عرصہ تیس سال قرار دیا جاسکتا ہے۔ چوتھی جلد میں شامل مرزا عبدالغنی تیموری دہلوی (المتخلص بہ ارشد والمعروف بہ ارشد گورگانی) کی تقریظ سے بھی مترشح ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد سید احمد دہلوی مشاعروں میں ''غزلوں میں سے محاورات چھانٹتے تھے'' اور یہ سرمایہ بعد میں بقول ان کے فیلن صاحب کی لغت میں کام آیا (کیونکہ سید احمد دہلوی نے کچھ عرصے فیلن کی لغت میں ان کا ہاتھ بٹایا تھا)۔ گویا اس عرصے کو ملا کر اسے تیس سال کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اس مدت کو عابدہ سمیع الدین نے جو پچاس سال قرار دیا ہے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

دوسرے یہ کہ دیباچے میں خود مولف فرہنگ آصفیہ سید احمد دہلوی کا بیان ہے کہ چوتھی جلد ۱۹۰۱ء میں چھپ چکی تھی لیکن یہ بڑی تقطیع میں چھپی تھی اور پہلی دو جلدیں اس سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں لہٰذا دوبارہ چھپائی شروع ہوئی[۱۵]۔ ان کے الفاظ ہیں کہ ''ہنوز جلد چہارم زیرِ طبع تھی کہ یکا یک ۸ر فروری ۱۹۱۲ء کو ہمارے گھر میں آگ لگ گئی جس سے سارا کتب خانہ، فرہنگِ آصفیہ کی تمام طبع شدہ جلدیں و دیگر تصنیف شدہ کتابوں کے مسودے، گھر کا اثاثہ جل کر خاکستر ہوگیا''[۱۶]۔

ایک عام خیال یہ ہے کہ فرہنگِ آصفیہ کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۰۸ء اور ۱۹۱۸ء کے درمیان طبع ہوا۔ مثلاً اردو سائنس بورڈ کے ایڈیشن کے دیباچے میں کہا گیا ہے کہ نظام دکن نے اس کی نئی طباعت میں تعاون کیا اور اس طرح یہ دوبارہ ۱۹۱۲ء اور ۱۹۱۸ء کے درمیان لاہور میں طبع ہوئی ۱۷؎۔ اس دوران میں مولوی صاحب شدید علیل رہے اور پہلی طباعت میں تو وہ لاہور میں مقیم رہے تھے لیکن دوسری طباعت میں شدید علالت کے باوجود دہلی میں رہ کر لاہور سے موصول ہونے والے پروفوں کی تصحیح کرتے رہے ۱۸؎۔ یوسف بخاری دہلوی نے بھی یہی لکھا ہے کہ سید احمد دہلوی کا انتقال اس دوسری چھپائی کے دوران میں ہوا۔ ان کے بقول ۱۹۱۲ء اور ۱۹۱۸ء کے درمیان دوسری، تیسری اور چوتھی جلد طبع ہو چکی تھی اور پہلی جلد کے آخری صفحات لاہور میں چھپ رہے تھے کہ دہلی سے تار آیا جس میں مولف کی وفات کی اطلاع تھی۔ لیکن نگرانِ طباعت ''منظور احمد'' نے پریس کے عملے سے یہ خبر پوشیدہ رکھی مبادا وہ چھپائی کا کام چھوڑ دیں اور اس وقت آخری فرموں کی طباعت جاری تھی ۱۹؎۔

لیکن اس رائے سے اختلاف بھی کیا گیا ہے۔ ''فرہنگِ آصفیہ'' کا ایک ایڈیشن مرتبہ خورشید احمد خان مکتبۂ حسن سہیل (لاہور) سے شائع ہوا (سالِ اشاعت ندارد)۔ یہ ایڈیشن خورشید احمد خان صاحب نے، بقول خود ان کے، اس کی تصحیح اور اصلاح اور مزید مواد کے اضافے کے بعد شائع کیا تھا ۲۰؎۔ اس کے دیباچے میں انھوں نے یوسف بخاری دہلوی کی بعض اطلاعات کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اول تو نگرانِ طباعت کا درست نام منظور احسن عباسی تھا۔ دوسرے یہ کہ اس لغت کی چار جلدوں میں سے صرف پہلی جلد کی طباعت ہوئی تھی کہ مولف کا انتقال ہو گیا۔ بقول ان کے:

> ''صحیح صورت حال یہ ہے کہ فرہنگ کی جلد سوم صرف ایک مرتبہ ۱۸۹۸ء میں اسلامیہ پریس لاہور میں چھپی تھی۔ جلد چہارم بھی صرف ایک بار ۱۹۰۱ء میں رفاہِ عام پریس لاہور میں طبع ہوئی۔ جلد اول و دوم بھی ۱۹۰۸ء میں اسی پریس میں طبع ہوئیں۔ جلد دوم تو دوبارہ نہ چھپ سکی البتہ جلد اول نظر ثانی اور اضافے کے بعد دوسری مرتبہ ۱۹۱۸ء میں گلزار محمدی پریس

لاہور میں طبع ہوئی۔اس کے علاوہ لغت کی مزید طباعت ہمارے علم میں نہیں۔نہ معلوم 'جلد دوم، سوم اور چہارم چھپ چکی تھی' سے یوسف بخاری صاحب کی کیا مراد ہے؟''[۲۱]

اس کے بعد خورشید صاحب نے عباسی صاحب کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب وہ حکومت دکن کے نام پہلی جلد کے دس نسخوں کا پارسل ریلوے بکنگ ایجنسی کو دے کر واپس آرہے تھے تو انھوں نے اخبار میں مولف کے انتقال کی خبر پڑھی (گویا انتقال کی اطلاع بذریعہ تار ملنے اور اس اطلاع کو عملے سے چھپانے کی بات بھی درست نہیں)۔خورشید صاحب نے اس دیباچے میں پیسہ اخبار لاہور کے حوالے سے یہ بھی بتایا ہے کہ مولف کی بیماری کا عرصہ ڈیڑھ ماہ سے زیادہ نہیں تھ۔خورشید صاحب کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ فرہنگ آصفیہ کی جلد سوم اور چہارم اس زمانے میں ایک ہی بار چھپی۔شاید اسی لیے اس کی تیسری اور چوتھی جلدیں عرصے تک کم یاب رہیں، جیسا کہ حامد حسن قادری صاحب نے بھی لکھا ہے کہ ''افسوس کہ یہ کتاب اب نایاب ہے، صرف پہلی اور دوسری جلد ملتی ہے''[۲۲]

بہرحال، یہ تو طے ہے کہ بڑی تقطیع پر فرہنگِ آصفیہ کی پہلی طباعت ۱۹۰۸ء میں ہوئی تھی۔بڑی تقطیع کی اس پہلی جلد کا ایک نسخہ ہماری نظر سے گزرا ہے۔اس کی لوح پر واضح طور پر نہ صرف مئی ۱۹۰۸ء چھپا ہوا ہے بلکہ اس پر اس کے مطبع رفاہِ عام پریس، لاہور میں زیرِ نگرانی مولوی ممتاز علی چھپنے کا بھی اعلان ہے اور اس طباعت کا سالِ ہجری (۱۳۲۶ھ) بھی لکھا ہے۔لوح کے زیریں حصے میں سیدھے ہاتھ پر آخری سطر میں باریک قلم سے ''طبع اول ۱۱۰۰ جلد بر تقطیعِ کلاں'' بھی درج ہے۔مولوی سید احمد دہلوی کا انتقال ۱۱رمئی ۱۹۱۸ء کو ہوا لہٰذا یہ کہنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا کہ پہلی جلد کی طباعت کے دوران ان کا انتقال ہوا اور مولف اسے چھپتا ہوا نہ دیکھ سکے۔ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلی جلد کے دوسرے ایڈیشن کی طباعت جاری تھی کہ مولف کا انتقال ہوگیا اور وہ اس دوسرے ایڈیشن کو چھپا ہوا نہیں دیکھ سکے۔اس دوسرے ایڈیشن کا عکس اردو سائنس بورڈ لاہور نے شائع کیا تھا اور اس کی لوح کی انگریزی اور اردو دونوں الواح کے عکس میں واضح طور پر مارچ ۱۹۱۸ء چھپا ہوا ہے۔

فرہنگِ آصفیہ کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۰۸ء (باہتمام رفاہِ عام پریس، لاہور) کی پہلی جلد

میں ۵۲۸ صفحات تھے۔ دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۱۸ء (باہتمام گلزار محمدی اسٹیم پریس، لاہور) ترمیم و اضافہ شدہ تھا اور اس کے ۶۶۴ صفحات ہیں۔ اردو سائنس بورڈ نے اسی کا عکس شائع کیا۔

اس طرح اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ:

۱۔ فرہنگِ آصفیہ جب رسالوں کی شکل میں شائع ہوئی تو اس کا نام ارمغانِ دہلی نہیں تھا بلکہ اس نام سے اس کی ایک جلد ۱۸۷۸ء میں چھپی تھی۔

۲۔ رسالوں کی شکل میں فرہنگِ آصفیہ کی اشاعت بعد میں ہوئی۔ یہ اشاعت نومبر ۱۸۸۲ء میں شروع ہوئی اور اس وقت اس کا نام ہندوستانی اردو لغات تھا نا کہ ارمغانِ دہلی۔

۳۔ فرہنگ آصفیہ کی تدوین میں پچاس سال نہیں لگے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اسے تیس سال کہا جاسکتا ہے۔

۴۔ فرہنگِ آصفیہ کی پہلی جلد مولف کی حیات میں چھپ چکی تھی اور اس کے دس سال بعد مولف کے انتقال کے وقت اس کا دوسرا ایڈیشن زیرِ طبع تھا لہٰذا مولف پہلی جلد کی طباعت کی حسرت لے کر دنیا سے نہیں گئے تھے۔ عابدہ صاحبہ سے تسامح ہوا ہے۔

۵۔ اس زمانے میں فرہنگ آصفیہ کی پہلی جلد ہی دوبارہ چھپ سکی اور تیسری اور چوتھی جلد اس وقت شائع نہ ہو سکی۔

۶۔ پہلی جلد کی دوسری طباعت کے دوران میں تار کا آنا اور اس اطلاع کا پریس کے عملے سے چھپایا جانا مشکوک معاملہ لگتا ہے۔ عباسی صاحب نے خود خورشید صاحب کو بتایا تھا کہ انھوں نے اخبار میں سید احمد دہلوی کے انتقال کی خبر پڑھی تھی۔ پیسہ اخبار (لاہور) کا حوالہ بھی موجود ہے کہ مولوی صاحب کی بیماری کا عرصہ اتنا طویل نہیں تھا جتنا یوسف بخاری صاحب نے لکھا ہے۔

البتہ علم و ادب اور اردو زبان کی ترقی اور فروغ میں دکن کے حاکموں کی ابتدا ہی سے جو خدمات ہیں ان کا اعتراف نہ کرنا ستم ہوگا۔ اگر نظام دکن اعانت نہ کرتے تو شاید فرہنگ آصفیہ مکمل طور پر اتنی جلد نہ چھپ پاتی اور مولوی صاحب واقعی اس کی پہلی جلد کی طباعت کی حسرت لے کر دنیا سے رخصت ہو جاتے۔ الحمد للہ ایسا نہیں ہوا۔

اردو سائنس بورڈ لاہور نے فرہنگِ آصفیہ کا ایک ایڈیشن چار جلدوں میں ۱۹۷۷ء میں شائع

کیا۔ البتہ بورڈ نے بعض قابلِ اعتراض الفاظ اور عبارات (مثلاً کشمیری، رافضی، گجر اور میواتی وغیرہ کی تشریح میں سے) حذف کر دیں۔ ترقی اردو بیورو (ہندوستان) نے اس کا ایک ایڈیشن ۱۹۷۴ء میں شائع کیا۔ اسی ایڈیشن کو بورڈ نے دوبارہ ۱۹۸۷ء میں چھاپا۔ ایک ایڈیشن قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (دہلی) نے بھی شائع کیا ہے۔ حال ہی میں نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، نے اسے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ دسی اللہ کھوکھر نے بھی فرہنگ آصفیہ کو مرتب کر کے ۲۰۱۵ء میں شائع کیا۔ کھوکھر صاحب نے ''فرہنگِ آصفیہ'' کو اس طرح مرتب کیا کہ اس کی کتابت کی اغلاط بھی درست کر دیں اور اس کے متن سے غائب کیے گیے بعض اندراجات بھی اصل شکل میں درج کر دیے۔ لاہور سے پروگریسیو پبلشرز نے اسے شائع کیا۔

حواشی

۱۔ حامد حسن قادری، ص ۹۰۳۔

۲۔ تفصیلات: یوسف دہلوی بخاری، دیباچہ، رسوم دہلی، تیز بخاری، سید یوسف دہلوی، سید احمد دہلوی، مشمولہ اردو نامہ، شمارہ ا، ص ۳۲۔۳۷؛ خود مولف فرہنگ آصفیہ نے بھی اپنی لغت کی تیسری جلد میں لفظ ''عرب'' کے تحت مرکبات میں عرب سرائے کا ذکر تفصیل سے کیا ہے (گو لغت میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی)۔

۳۔ فرہنگِ آصفیہ، ج ا، ص ۳۶۔

۴۔ زبان شناسی، ص ۵۶۔

۵۔ اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ، ص ۶۹۔

۶۔ ایضاً، حاشیہ ص ۶۹۔

۷۔ فرہنگِ آصفیہ، ج اول، ص ۳۶۔

۸۔ ایضاً، ص ۴۷۔

۹۔ مقالات آزاد، ص ۴۹۲۔

۱۰۔ عملہ ادارت، دیباچہ، فرہنگ آصفیہ (مطبوعہ اردو سائنس بورڈ) ص ۲۔

۱۱۔ فرہنگِ آصفیہ، ج اول، ص ۴۷۔

۱۲۔ Encyclopaedic dictionary of Urdu literature، ص ۱۷۸۔۱۷۷

۱۳۔ فرہنگِ آصفیہ، ج ۴، ص ۷۹۳۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ ایضاً، ج ۱، ص ۴۷۔

۱۶۔ ایضاً۔

۱۷۔ عملۂ ادارت دیباچہ، فرہنگ آصفیہ (مطبوعہ اردو سائنس بورڈ)، ص ۵۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ اردو نامہ، شمارہ ۱، ص ۳۶۔

۲۰۔ ملاحظہ ہو: دیباچہ، مشمولہ فرہنگِ آصفیہ، مطبوعہ حسن سہیل لمیٹڈ، لاہور۔

۲۱۔ ایضاً، ص ''ح''۔

۲۲۔ محولہ بالا، ص ۹۰۴۔

فہرستِ اسنادِ محولہ

۱۔ آزاد، محمد حسین، مقالاتِ آزاد، ج ۱، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۶ء۔

۲۔ احمد دہلوی، سید، فرہنگِ آصفیہ، (چہار جلد) اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۷۷ء۔

۳۔ عابدہ سمیع الدین، Encyclopaedic dictionary of Urdu literature، گلوبل وژن پبلشنگ، دہلی، ۲۰۰۷ء۔

۴۔ قادری، حامد حسن، داستانِ تاریخ اردو، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، اشاعتِ چہارم، ۱۹۸۸ء۔

۵۔ قاضی عبدالودود، زبان شناسی، خدابخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۵ء۔

۶۔ مسعود ہاشمی، اردو لغت نویسی کا تنقیدی جائزہ، ترقی اردو بیورو، دہلی، ۱۹۹۲ء۔

۷۔ یوسف بخاری دہلوی، سید، مرتب، رسومِ دہلی، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۶۲ء۔

۸۔ یوسف بخاری دہلوی، سید، سید احمد دہلوی، مشمولہ سہ ماہی اردو نامہ، شمارہ ۱، ترقی اردو بورڈ، کراچی، اگست ۱۹۶۰ء۔

اٹھارہ سوستاون سے قبل کی اردو شاعری میں یورپی زبانوں کے دخیل الفاظ

ایک عام تصور یہ ہے کہ اردو زبان میں انگریزی کے الفاظ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد آنا شروع ہوئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء سے قبل ہی یعنی انگریزوں کے مکمل غلبے سے پہلے ہی انگریزی اور بعض دیگر یورپی زبانوں کے الفاظ نے اردو زبان وادب پر اپنے نقوش ثبت کرنے شروع کر دیے تھے اور اس کا ایک بڑا ثبوت انشا اللہ خاں انشا (م ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء) اور مصحفی (م ۱۲۴۰ھ۔۲۵/۱۸۲۴ء) جیسے مسلم الثبوت استادوں کے ہاں انگریزی الفاظ کا استعمال ہے۔ ان دونوں شعرا کا انتقال ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ انشا اور مصحفی کے ہاں انگریزی اور یورپی زبانوں کے الفاظ کا استعمال ان کے معاصرین میں سب سے زیادہ ہے۔ انگریزی کے علاوہ پرتگالی زبان کے بعض الفاظ بھی اردو میں ۱۸۵۷ء سے قبل مستعمل تھے جو اردو میں پرتگالی سے براہِ راست آئے تھے۔ البتہ بعض دیگر یورپی زبانوں مثلاً فرانسیسی کے الفاظ اردو میں انگریزی کے توسط سے پہنچے۔ ان میں سے کچھ الفاظ اٹھارھویں صدی ہی میں اردو شاعری میں نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے۔ انیسویں صدی کی بعض نثری تصانیف، مثلاً میر امن کی گنجِ خوبی (سالِ تصنیف: ۱۸۰۳ء) میں چند اشعار میں اور رجب علی بیگ سرور کی فسانۂ عجائب (سالِ تصنیف: ۱۸۲۴ء)، میں ایک شعر میں انگریزی کے الفاظ میں آئے ہیں، ہم نے اس مقالے میں ان اشعار کو بھی شامل کر لیا ہے۔

اس مقالے میں ہم کوشش کریں گے کہ اٹھارہ سوستاون سے قبل کی اردو شاعری میں استعمال کیے گئے انگریزی اور بعض دیگر یورپی زبانوں کے الفاظ کا استعمال ان کے مفہوم اور استعمال کی اسناد کے ساتھ بترتیب حروفِ تہجی پیش کر سکیں۔

۷۔ اردو شاعری میں یورپی زبان کے لفظ کا اولین استعمال

قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی کے مطابق اردو میں یورپی زبانوں کے الفاظ نثر میں سب سے پہلے لالہ ہری ہر پرشاد سنبھلی نے اپنی کتاب ''بدائع الفنون'' میں استعمال کیے [۱]۔ یہاں انھوں نے ۱۷۴۵ء کا سال درج کیا ہے جو غالباً کتاب کا سالِ تصنیف ہوگا۔ ناظم صاحب کے مطابق اردو شاعری میں سب سے پہلے انگریزی الفاظ راجا رام نرائن موزوںؔ نے استعمال کیے۔ اس کے بعد انھوں نے موزوں کا یہ شعر دیا ہے جس میں لفظ بوتل (bottle) کی جمع ''بوتلاں'' آئی ہے:

اپنا دماغ عرشِ معلّیٰ پہ آج ہے

دارو کی بوتلاں ہیں جو آگو دھری ہوئی [۲]

موزوں کے بارے میر حسن نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ فارسی کے صاحبِ دیوان شاعر تھے لیکن اردو میں شعر کم کہے ہیں بلکہ کہے ہی نہیں ہیں۔ میر حسن کے الفاظ ہیں: ''صاحبِ دیوانِ فارسی ۔۔۔ شعرِ ریختہ کم گفتہ، بلکہ نہ گفتہ'' [۳]۔ لیکن موزوں کا کم از کم ایک اردو شعر بہت مشہور ہے جو میر حسن کے بقول موزوں نے سراج الدولہ (م: ۱۷۵۷ء) کی شہادت کی خبر آنے پر فی البدیہہ کہا تھا۔ وہ خبر لانے والوں سے [تفصیل] پوچھتے تھے، شعر پڑھتے تھے اور روتے تھے:

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی

دوانا مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری [۴]

قاضی ناظم سیوہاروی کے نقل کردہ موزوںؔ کے شعر کی تصدیق کہیں اور سے نہ ہو سکی کیونکہ راجا رام نرائن موزوں کا ذکر تاریخِ ادب کی کتابوں میں قطعی ناکافی اور نہایت تشنہ ہے۔ بلکہ تذکروں میں بھی ان کا ذکر کم ہی ملتا ہے۔ میر حسن نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ موزوںؔ عظیم آباد کے صوبے دار تھے اور شیخ علی حزیں کے شاگرد تھے [۵]۔ اسپرنگر نے علی ابراہیم خان خلیل کے حوالے سے لکھا ہے کہ موزوں پٹنہ کے گورنر تھے، زیادہ تر فارسی میں شعر کہتے تھے، ایک الزام میں مجرم قرار پائے تو نواب میر محمد قاسم خاں کے حکم سے گنگا میں غرق کر دیے گئے [۶]۔ مالک رام کے مطابق یہ ۱۷۶۳ء کا واقعہ ہے [۷]۔ بہر حال، اگر یہ شعر موزوں ہی کا ہے تو وہ اردو میں کسی یورپی زبان کے کسی لفظ کو اردو شاعری میں استعمال کرنے والے اولین سخن ور ٹھہرتے ہیں۔

راجا رام نرائن موزوں کے بعد انشا اور مصحفی ان اولین شعرا میں سے ہیں جن کے اردو کلام میں انگریزی الفاظ ملتے ہیں۔ اسی طرح ناسخ (م ۱۸۳۸ء)، شاہ نصیر (م ۱۸۳۸/۳۹ء)، آتش (م ۱۸۴۷ء)، ذوق (م ۱۸۵۴ء)، بہادر شاہ ظفر (م ۱۸۶۲ء) اور بعض دیگر شعرا کے ہاں انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ گو ان میں بعض کے ہاں انگریزی الفاظ اکا دکا ہی ہیں لیکن یہ بدلتے ہوئے سیاسی حالات، انگریزی اقتدار کے عروج اور انگریزی زبان کے بڑھتے ہوئے اثرات کے غماز ہیں۔

بعض دیگر شعرا مثلاً علی اوسط رشک کے ہاں بھی یورپی زبانوں کے الفاظ ملتے ہیں، مثلاً رشک نے اسپتال، اسکول، ڈاکتر (ڈاکٹر)، رفل (رائفل) جیسے لفظ استعمال کیے ہیں ۸۔ لیکن چونکہ یہ مقالہ ۱۸۵۷ء سے قبل کی شاعری میں اردو الفاظ کے استعمال پر ہے اور رشک کا انتقال ۱۸۶۷ء میں ہوا تھا اور یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کا کون سا کلام ۱۸۵۷ء سے پہلے کہا ہوا ہے لہٰذا ان کی شاعری سے اس مقالے میں مثالیں نہیں دی گئی ہیں۔ اسی طرح امداد علی بحر (م ۱۸۷۸ء) کے ہاں کاگ (cork) اور لیلام (نیلام، جو پرتگالی کے لیلاؤں کی تخریب ہے) جیسے الفاظ ملتے ہیں ۹۔ منیر شکوہ آبادی (م ۱۸۸۰ء) کے ہاں لالٹین (lantern)، رفل، ریل، پستول اور گورنر وغیرہ ملتے ہیں لیکن ان کی تفصیل بھی یہاں نہیں دی جارہی ۱۰۔ امیر مینائی (م ۱۹۰۰ء) کے ہاں بھی کچھ انگریزی الفاظ ملتے ہیں، ان کا ذکر بھی اسی لیے نہیں کیا جارہا کہ ان کا دور ۱۸۵۷ء کے بعد کا ہے۔ اردو کے جس شاعر کے ہاں انگریزی کے الفاظ سب سے زیادہ ملتے ہیں وہ اکبر الٰہ آبادی (م ۱۹۲۱ء) ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ ۱۸۵۷ء کے بہت بعد کا دور ہے۔

☆ اردو میں یورپی زبانوں کے دخیل الفاظ: ما قبل تحقیق کا ایک مختصر جائزہ

اردو میں مستعمل انگریزی الفاظ کے تاریخی پس منظر اور خصوصیات پر کچھ کام ہوا ہے، مثلاً اردو میں انگریزی الفاظ کے دخیل ہونے کی تاریخ اور وجوہات کا قاضی ناظم سیوہاروی نے ذکر کیا ہے ۱۱۔ اردو میں دخیل انگریزی الفاظ کے تلفظ میں جو تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، ان کی وجوہات پر گیان چند جین نے خوب روشنی ڈالی ہے ۱۲۔ ابواللیث صدیقی نے اردو میں مستعمل انگریزی الفاظ کی اقسام بھی بتائی ہیں ۱۳۔ سہیل بخاری نے اردو میں دخیل انگریزی اور دیگر

زبانوں کے الفاظ کا ذکر کیا ہے۱۴۔ مولوی عبدالحق نے بھی اردو میں دخیل الفاظ پر روشنی ڈالی ہے۱۵۔ محمد بن عمر کی کتابوں میں اردو میں دخیل انگریزی، پرتگالی، فرانسیسی، ولندیزی اور دیگر مغربی زبانوں کے الفاظ کی تفصیل موجود ہے۱۶۔ ان سب کو یہاں دہرانا مقصود نہیں ہے۔ لیکن مذکورہ بالا کام، ماسوائے محمد بن عمر کی کتابوں کے، بالعموم تاریخی اور لسانی پس منظر کی وضاحت کرتے ہیں اور کہیں کہیں چند الفاظ کی مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ محمد بن عمر کی کتابوں میں یورپی زبانوں کے دخیل الفاظ کی خاصی طویل فہرست ملتی ہے۔ لیکن ان میں بھی ۱۸۵۷ء سے قبل کی مثالیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ طارق رحمٰن (کذا: طارق عبدالرحمٰن چاہیے کیونکہ لفظ ''رحمٰن'' لفظ ''اللہ'' کی طرح ہے یعنی کسی مخلوق کا نام نہیں ہوسکتا۔ بلکہ مخلوق کو اللہ پکارنا گناہِ عظیم ہے) اور فتح محمد ملک کی مشترکہ طور پر مرتبہ کتاب ۱۷ میں دورِ جدید میں اردو میں شامل ہونے والے انگریزی الفاظ کا ذکر ہے، لیکن اس روایت کی ابتدا اور اولین نمونے ظاہر ہے کہ ان کا موضوع نہیں تھے۔

انگریزوں اور دیگر مغربی اقوام نے ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے برِعظیم پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں اپنی نوآبادیات قائم کرنا شروع کردی تھیں۔ ۱۸۵۷ء تو ہمارے زوال کی انتہا تھی۔ انگریزوں سے قبل پرتگالیوں، ولندیزیوں اور فرانسیسیوں نے بھی برِعظیم پاک و ہند پر قبضے کے لیے کوششیں شروع کردی تھیں ۱۸۔ جنوب اور جنوب مغربی ہندوستان کے ساحلوں پر مغربی اقوام بالخصوص پرتگالیوں کے آنے کے ساتھ ہی ان کی زبان اور تہذیب کے اثرات اس خطے پر پڑنا شروع ہوچکے۔ جنوب مغربی ہندوستان میں اس کے اثرات نمایاں تھے۔ گجرات اور گوا کے سواحل پر پرتگالی تمدن کے اثرات کی ایک صورت پرتگالی زبان کے الفاظ کا مقامی زبانوں میں شامل ہونا بھی تھا ۱۹۔ حتیٰ کہ گجرات میں تو سترھویں صدی ہی میں مقامی اور مغربی زبانوں کی کثیر زبانی لغات بھی بننا شروع ہوچکی تھیں اور ۱۶۳۰ء میں سورت (گجرات) میں ایک ایسی لغت مرتب کی گئی جس میں فارسی، اردو، انگریزی اور پرتگالی کے الفاظ درج تھے ۲۰۔

☆ اردو شاعری میں یورپی زبانوں کے الفاظ کا استعمال مع اسناد (بترتیبِ حروفِ تہجی)

اس ضمن میں تاریخی پس منظر بہت تفصیل اور تطویل چاہتا ہے اور کئی کتابوں میں ان نوآبادیاتی کوششوں اور تاریخی واقعات کا بیان موجود ہے جن کے نتیجے میں اردو میں انگریزی اور دیگر مغربی

زبانوں کے الفاظ داخل ہونا شروع ہوئے۔ لیکن سرِ دست تکرار سے بچتے ہوئے صرف چند شعرا، بطور خاص مصحفی اور انشا، کی اردو شاعری میں پائے جانے انگریزی یا دیگر یورپی زبانوں کے الفاظ مع امثال پیش ہیں تاکہ واضح ہو سکے کہ ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے اردو زبان اور ادب پر انگریزی زبان اور بعض دیگر یورپی زبانوں کے اثرات کا آغاز ہو چکا تھا۔ جو اشعار بطور سند پیش کیے گئے ہیں ان کے حوالے اشعار کے ساتھ ہی دے دیے گئے ہیں تاکہ قاری کو ہر شعر کے بعد مقالے کے اختتام پر درج حواشی نہ دیکھنے پڑیں۔ البتہ ان کتابوں کی طباعتی تفصیل آخر میں دی گئی کتابیات میں موجود ہے۔ شعری اسناد کو چھوڑ کر بقیہ حوالوں کا اندراج حسبِ دستور مقالے کے آخر ہی میں ہے۔

اپیل (appeal)

اپیل کا لفظ آج اردو میں عام ہے۔ عدالت سے انصاف کی درخواست کرنے، عدالت سے چارہ جوئی کے لیے رجوع کرنے اور کرکٹ میں امپائر سے کسی کھلاڑی کے آؤٹ ہونے کی درخواست کو بھی کہتے ہیں۔ مڈل انگلش میں یہ لفظ وجود رکھتا تھا، انگریزی میں قدیم فرانسیسی سے آیا ہے اور پہلے پہل قانونی تناظر میں استعمال ہوا تھا[۲۱]۔ اوکسفرڈ کی مختصر لغت کے مطابق فرانسیسی میں لاطینی سے آیا اور لاطینی میں یہ جس مادے سے مشتق ہے اس کے معنی ہیں خطاب کرنا[۲۲]۔

اس شعر میں مصحفی نے بھی قانونی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے:

سارے عالم میں ترا حکم ہے دائر سائر
کیوں نہ حاضر رہیں در پہ ہی اپیل اور کورٹ

(مصحفی، کلیات، ج۹، ص ۲۳۳)

اردلی (orderly)

پلیٹس کے مطابق ''اردلی'' انگریزی لفظ کی تخریب ہے۔ فیلن نے اسے انگریزی لفظ orderly کا بگاڑ لکھا ہے۔ انگریزی تلفظ ''اورڈرلی'' کا یہ بگاڑ اردو میں آج بھی رائج ہے اور چپراسی کے معنوں میں مستعمل ہے۔ محمد بن عمر کے مطابق یہ فرانسیسی لفظ ہے جو انگریزی کے توسط سے اردو میں پہنچا ہے[۲۳]۔ انگریزی میں عسکری اصطلاح کے طور پر orderly اور orderly officer بھی مستعمل ہیں۔ اردلی سے مراد سپاہی ہے جو احکام بجا لائے، نیز کسی فوجی افسر کے

چھوٹے موٹے کام کرنے والا سپاہی بھی اردلی کہلاتا ہے۔

رواں ہیں آگے آگے لختِ دل کے یوں مرے آنسو
چلیں ہیں اردلی کے لوگ جوں کپتان کے آگے

(رنگین، دیوانِ ریختہ، ص۱۲۲)

اردلی کے جو گراں ڈیل ہیں ہوں گے سب جمع
کرنا [کذا: قرنا] پھونکے گا جس وقت کہ آ سکھدرشن

(انشا، کلامِ انشا، ص۳۲۳)

ارگن (organ)

اصلاً یونانی زبان کا لفظ ہے جو لاطینی سے ہوتا ہوا انگریزی میں پہنچا اور اس کی اصل جو یونانی لفظ ہے اس کے معنی ہیں اوزار یا آلہ ۲۴۔ انگریزی میں اس کے معنی ابتداً آلۂ موسیقی کے تھے ۲۵۔ انگریزی سے اردو میں داخل ہوا۔ ساز یا آلۂ موسیقی کے معنی میں مستعمل اس انگریزی لفظ کا ایک اردو املا آرگن بھی ہے۔

یا انگوٹھی کی گھڑی ہے وہ نزاکت سے بھری
جس پہ قربان کیے سینکڑوں بجتے ارگن

(انشا، کلامِ انشا، ص۳۲۵)

کھینچ کر تارِ رگِ ابرِ بہاری سے کئی
خود نسیم سحر آوے گی بجانے ارگن

(انشا، کلامِ انشا، ص۳۲۴)

الیکٹرسٹی (electricity)

اس کا مادہ یونانی کا لفظ elektron ہے، جس کے معنی ہیں ہاتھ رگڑنا۔ یہ لاطینی میں پہنچ کر بجھ ریل ہوا اور وہاں اس کے معنی ہو گئے انگارا یا چنگاری۔ شاید اس لیے کہ ہاتھ رگڑنے سے تپش پیدا ہوتی ہے ۲۶۔ وہاں سے یہ انگریزی میں داخل ہوا اور پھر اردو میں پہنچا۔ بجلی کے لیے یہ لفظ انشا کے زمانے سے رائج ہے، گو اس کو اب اردو میں اس کا ایک املا "الیکٹرسٹی" بھی ہے۔

ایک الگ ٹرٹی ایسی ہے بنائی جس کو
کبھی دیکھے تو فلاطوں رہے سرکن برکن

(انشا، کلامِ انشا ص ۳۲۹)

برجس (breeches)

بقول شنٹرل اس کی اصل ایک جرمینک (Germanic) لفظ ہے۔ ولندیزی میں بھی اس سے ملتا جلتا ایک لفظ تھا۔ لیکن قدیم انگریزی میں تلفظ اور املا کی کچھ تبدیلی کے ساتھ اس مخصوص لباس کے لیے رائج ہوا جو ناف سے گھٹنوں تک کے حصہ جسم کو ڈھانپنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ قدیم انگریزی میں یہ جمع کے طور پر ہی رائج تھا لیکن پھر واحد ہوگیا۔ کسی زمانے میں ''عقبی حصہ'' کے معنوں میں بھی رائج تھا لیکن پھر مختصر پاجامہ کے معنوں میں مستعمل ہوگیا ۲۷۔ ''برجز'' گھٹنوں سے نیچے تک آنے والا ایک لباس ہوتا تھا جس کو دربار میں یا گھڑ سواری کے وقت پہنتے تھے۔ اردو میں اس کا تلفظ بگڑ کر برجس ہوگیا۔

جب تلک کلغی کے سر پر ہے فرنگی ٹوپی
جب تلک پا میں ہے غنچے کے گلابی برجس

(مصحفی، کلیات، ج ۹ ص ۷۶)

بسکٹ (biscuit)

اس کے لاطینی اشتقاق کے معنی ہیں: دو دفعہ پکانا۔ دراصل کسی زمانے میں بسکٹ کو پہلے پکاتے تھے پھر اسے خشک کرتے تھے۔ لاطینی سے قدیم فرانسیسی اور پھر انگریزی میں پہنچا ۲۸۔ ہمیں یہ انگریزی سے تحفے میں ملا۔ انگریزی تلفظ تو ''بسکِٹ'' (کاف مکسور) ہے لیکن اردو میں ''بسکُٹ'' (کاف مضموم) بھی بولتے ہیں۔ مصحفی نے بھی اس کا تلفظ بسکُٹ (کاف مضموم) سے کیا ہے، کیونکہ اس غزل میں قافیے بکُٹ، چھُٹ، اُٹ وغیرہ ہیں۔

ہے یہ فلک سفلہ وہ پھیکا سا فرنگی
رکھتا ہے مہ و خور سے جو پاس اپنے دو بسکٹ

(مصحفی، کلیات، ج ۷، ص ۱۰۲)

بگی ر بگھی (buggy)

یہ اگرچہ بحث طلب ہے کہ بگی یا بگھی کی اصل کیا ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کا اردو ہونا بھی یقینی نہیں ہے اور یہ لفظ انگریزی میں خاصے عرصے سے رائج ہے۔ گو اردو لغت بورڈ کی لغت کے مطابق ''بگھی'' کی اصل ''ہندی'' ہے (کسی ''اردو'' لفظ کی اصل کو ''ہندی'' قرار دینا بذاتِ خود ایک بحث طلب مسئلہ ہے کیونکہ اس طرح ہندی اردو سے قدیم تر ٹھہرتی ہے، حالانکہ دونوں بہنیں ہیں اور دونوں کی اصل پراکرت ہے۔ ادبی زبان کے لحاظ سے تو ہندی کے مقابلے میں اردو کہیں زیادہ قدیم ہے)۔ لیکن ''بگھی'' کو بورڈ کی لغت نے ''بگی'' سے رجوع کرادیا ہے اور وہاں اس کا اشتقاق انگریزی کے لفظ buggy سے ظاہر کیا ہے۔ گویا خود بورڈ بھی تذبذب کا شکار ہے۔ پلیٹس نے بھی اسے ''ہندی'' قرار دیا ہے (بورڈ نے غالباً پلیٹس ہی کا اتباع کیا ہے لیکن پلیٹس کی تمام تر خوبیوں کے ساتھ اس کا ایک عیب یہ ہے کہ وہ غیر ضروری طور پر لفظ کا اشتقاق سنسکرت سے اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بعض عربی اور فارسی الفاظ کی اصل بھی اس نے سنسکرت بتائی ہے۔ ممکن ہے اس کی کوئی مجبوری ہو لیکن بورڈ کی کیا مجبوری تھی؟)۔

بہر حال، یہ لفظ ''بگھی'' یا ''بگی'' انگریزی میں مستعمل رہا ہے اور اب بھی ہے (گو بعض دیگر مفاہیم میں بھی آ گیا ہے) مگر انگریزی لغات میں اس کی اصل کو ''نامعلوم'' کہا گیا ہے، مثلاً اوکسفرڈ نے اس لفظ کے ساتھ of unknown origin اور ویبسٹر نے origin uncertain لکھا ہے۔ وائٹ ورتھ نے انگریزی میں مستعمل دیسی الفاظ کی اپنی مشہور لغت میں گجراتی کے bagi کو buggy کی اصل قرار دیا ہے[29]۔ لیکن ہابسن جابسن (جو اس ضمن میں زیادہ معتبر اور مبنی بر تحقیق سمجھی جاتی ہے اور جس میں الفاظ کے استعمال کی قدیم اسناد بھی دی گئی ہیں) کے مولفین کے مطابق یہ لفظ انگریزی میں خاصے عرصے سے مستعمل رہا ہے لیکن اس کی اصل کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ان کے مطابق یہ انگلستان میں مستعمل ضرور رہا ہے لیکن یہ وہاں عام نہیں تھا البتہ امریکا اور آئرلینڈ میں زیادہ معروف رہا[30]۔ کوئی لفظ انیسویں صدی عیسوی میں انگلستان میں کم اور امریکا میں زیادہ رائج ہو تو اس کا مقامی یعنی پراکرت ہونا ہماری رائے میں قرین قیاس نہیں۔ ''اینگلو انڈین'' الفاظ کی جو لغات ہمارے دور میں مرتب کی گئی ہیں ان میں آئیور لیوس کی لغت زیادہ

معروف ہے اور مقامی یا دیسی الفاظ کے انگریزی میں استعمال کے ضمن میں تحقیق کا شاہکار ہے۔ اس کے مطابق گو buggy کا تعلق bogie اور bug سے غیر یقینی ہے لیکن پھر بھی ایسی کوئی وجہ نہیں جس کی بنیاد پر اس کی اصل کو ''اینگلو انڈین'' قرار دیا جائے۔ تاہم یہ لفظ ہندوستان میں رائج تھا اور اس کے معنی تھے: ایک ہلکی اور ایک گھوڑے یا دو گھوڑوں کی گاڑی جس میں ایک یا دو مسافر بیٹھ سکتے تھے اور ہندوستان میں اس گاڑی کے اوپر ایک چھتری یا چھجا بھی ہوتا تھا[۳۱]۔ مغربی زبانوں میں لفظ بگھی کی اصل معلوم نہ ہونے کے باوجود چونکہ یہ طے ہے کہ یہ بہرحال اردو، ہندی یا پراکرت، سنسکرت کا لفظ نہیں ہے لہٰذا اسے کسی مغربی زبان کا حصہ سمجھنا غلط نہ ہوگا۔ چنانچہ یہاں اس کے اردو میں ستعمال کی سند حاضر ہے۔

بہرحال بورڈ نے اپنی لغت میں لفظ ''بگھی'' کی سند انشا کی کلیات سے ضرور دی ہے۔ یہ کلام انشا میں بھی موجود ہے۔ البتہ بورڈ نے بگھی کی سند کو ''بگی'' کے تحت درج کیا ہے حالانکہ کلیاتِ انشا مرتبہ مرزا محمد عسکری و محمد رفیع میں اس کا املا ''بگھی'' ہی درج ہے۔ ملاحظہ ہو:

بگھیاں نور کی تیار کر اے بوے سمن
کہ ہوا کھانے کو نکلیں گے جوانانِ چمن

(انشا، کلیات، ص ۲۶۳)

بوتل (bottle)

اوکسفرڈ کی مختصر لغت کے مطابق یہ اصلاً لاطینی لفظ ہے۔ لاطینی سے فرانسیسی اور وہاں سے انگریزی میں پہنچا۔ اردو کو انگریزی کا عطیہ ہے۔

اپنا دماغ عرشِ معلی پہ آج ہے
دارو کی بوتلاں ہیں جو آگو دھری ہوئی

(رام نرائن موزوں، بحوالہ ناظم سیوہاروی، ص ۳۱)

اپنے گیلاس شگوفے بھی کریں گے حاضر
غنچہ و گل بھی دہاں کھولیں گے بوتل کے دہن

(انشا، کلام انشا، ص ۳۲۳)

مصرعِ ثانی میں ''وہاں'' کو ''واں'' یا ''وھاں'' بہ ہائے مخلوط پڑھنا ہوگا ورنہ ساقط الوزن ہو جائے گا۔

وقت آیا ہے کہ فیروزہ بنے بادۂ لعل
وقت آیا ہے کہ ہو سبز زمیں پر بوتل

(مصحفی، کلیات، ج ۹، ص ۲۵۸)

کیا کہیے تیغِ ابروے قاتل کی آب کی
عکسِ مژہ سے کٹتی ہے بوتل شراب کی
وہ رندِ بادہ کش ہوں کہ تو کیا ہے زاہدا!
قاضی نے نذر دی مجھے بوتل شراب کی

(ناسخ، کلیات، ج ۲، حصہ ۲، ص ۱۵۶)

اللہ رے نشہ دیکھ کے طوطی کو بام پر
بولا وہ بادہ نوش یہ بوتل ہے سرخ و سبز

(شاہ نصیر، کلیات، ج ۲، ص ۸۲)

پرتگالی / پرتگیز / پرتگیزن / پرتگیزی (Portuguese)

پرتگال (Portugal) کو اردو میں پرتگیز بھی کہا گیا۔ یہ لاطینی سے انگریزی میں اور انگریزی سے اردو میں آیا۔ اسی سے صفت پرتگیزی بنائی گئی یعنی پرتگال سے متعلق یا پرتگال کا، نیز پرتگال کا باشندہ یا وہاں کی زبان۔ اس کی مونث پرتگیزن ٹھہری، یعنی پرتگیزی خاتون۔

ولا اس پرتگیزن کی صفِ مژگاں سے بچتا رہ
کہ یہ پلٹن بہت سنگیں ہے شدت کی کٹیلی ہے

(افسوس، کلیات، ص ۲۰۹، بحوالہ قاضی عبدالودود، ص ۹۳)

ہر نگہ ظالم کی نہیں فتنے سے خالی الحفیظ
کیا قیامت ہے یہ تیغ پرتگالی الحفیظ

(شاکر ناجی، بحوالہ تذکرۂ ریختہ گویاں، ص ۱۶۰)

پرمٹ (permit)

اردو میں اس کا تلفظ بالعموم پرمِٹ (میم مکسور) ہی کیا جاتا ہے۔ البتہ اس کا تلفظ مصحفی نے ''پرمَٹ'' (یعنی میم مفتوح) کیا ہے۔ ممکن ہے اس وقت رائج تلفظ آج کے تلفظ سے مختلف ہو۔ لیکن قافیے کی مجبوری بھی ہوسکتی ہے کیونکہ یہ شعر جس قصیدے کا حصہ ہے اس میں قافیے الٹ، گھونگھٹ، کڑواہٹ وغیرہ ہیں۔ بعد کے دور میں یہ لفظ امیر مینائی کے ہاں ہے اور انھوں نے بھی ''م'' کو مفتوح ہی لکھا ہے۔ اجازت یا اجازت نامہ کے مفہوم میں آتا ہے۔ صاحب نور اللغات کے مطابق یہ معنی بھی ہیں: محصول یا مقام جہاں سرکاری محصول لیا جائے۔ اردو میں انگریزی سے آیا لیکن اس کی اصل لاطینی ہے۔

خالی از فیض نہ دیکھی تری خدمت بخشی
ہو وہ سلطانِ جہاں جس کو تو دیوے پرمٹ

(مصحفی، کلیات، ج ۹، ص ۲۳۳)

یہ دل ہدف ہے طفلِ فرنگی لگا تفنگ
چپکا تا کیوں یہ کاغذِ پرمٹ ہے بانس پر

(شاہ نصیر، کلیات، ج ۲، ص ۲۵)

پستول (pistol)

''پسٹل'' کا یہ تلفظ بھی اردو میں خاصا پرانا ہے۔ اردو میں انگریزی سے آیا۔ انگریزی میں سولھویں صدی عیسوی سے رائج ہے لیکن یہ آیا فرانسیسی سے تھا۔ فرانسیسی میں بھی جرمن سے آیا۔ جرمنوں نے چیک زبان سے لیا تھا۔ ان زبانوں میں ظاہر ہے اس کا املا اور تلفظ تھوڑا سا مختلف تھا[۳۲]۔ لیکن چیک زبان میں اس کا مطلب تھا ''سیٹی'' (whistle)، غالباً اس کی ظاہری ساخت اور ہیئت میں مماثلت کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا[۳۳]۔ بہرحال اردو میں پستول بن کر آیا۔

اور اس پہ یہ کہ وہ شب ٹھہرے روزِ موجودات
جو پانچوں باندھے ہتھیار اور چھٹی پستول

(سودا، کلیات، ج ۲، ص ۸۷)

اور جو ہیں صاحبِ عزت ہے انھوں کی یہ معاش
تھے سلح خانہ جہاں واں نہیں اب اک پستول

(مصحفی، کلیات، ج ۹، ص ۱۰۵)

پلٹن (platoon)

''پلاٹون'' کا تلفظ ''پلٹن'' (پ اور ٹ مفتوح) اردو میں خاصا عام ہے۔ اسے اردو میں پلاٹون بھی لکھا گیا ہے۔ اب اپنے اصطلاحی معنوں کے علاوہ ہجوم یا بھیڑ وغیرہ کے معنی میں بھی آتا ہے۔ پلٹن اس دور میں اس کا کئی شعرا کے ہاں استعمال نہ صرف انگریزوں کے تہذیبی اثرات بلکہ سیاسی اور عسکری اثرات کا بھی پتا دیتا ہے۔ انگریزی سے اردو میں آیا لیکن اس کی اصل فرانسیسی ہے ۳۴

پلٹنیں اور توپیں جب سنمکھ ہوئیں
مرہٹے ہیبت کے مارے مُڑ گئے

(میر امن، گنجِ خوبی، ص ۳)

پیتے ہل ہل کے بجاویں گے فرنگی طنبور
لالہ لاوے گا سلامی کو بنا کر پلٹن

(انشا، کلامِ انشا، ص ۳۲۳)

دلا اس پر تگیزن کی صفِ مژگاں سے بچتا رہ
کہ یہ پلٹن بہت سنگیں ہے شدت کی کٹیلی ہے

(افسوس، کلیات، ص ۲۰۹، بحوالہ قاضی عبدالودود، ص ۱۹۳)

نظر آتا ہے خلش گر وہیں اک پل میں نصیر
چڑھ کے شب خوں صفِ مژگاں پہ وہ پلٹن مارے

(شاہ نصیر، کلیات، ج ۳، ص ۸)

تیار رہتی ہیں صفِ مژگاں کی پلٹنیں
رخسارِ یار ہے کہ جزیرہ فرنگ کا

(آتش، کلیات، ج ۱، ص ۲۲۰)

پنسل (pencil)

اس کی اصل بڑی دل چسپ ہے۔ قدیم انگریزی میں اس کا مطلب تھا رنگنے کا باریک ''برش'' (brush) کیونکہ انگریزی میں یہ قدیم فرانسیسی سے آیا تھا جس میں اصل لفظ تھا pincel۔ فرانسیسی میں یہ دراصل لاطینی کے ایک لفظ کی شکل تھی جس کے معنی تھے ''دُم''۔ سولھویں صدی میں انگریزی میں pencil کا مفہوم ''باریک برش سے رنگ کرنا'' بھی تھا۔ لیکن پھر اس کا استعمال موجودہ رائج معنوں میں ہونے لگا ۳۵۔

مصحفی نے اس کے تلفظ میں ''س'' کو مکسور کی بجائے مفتوح باندھا ہے۔ یہ قافیے کی مجبوری بھی ہوسکتی ہے اور اس وقت کا رائج تلفظ بھی۔ صاحب نور اللغات کے مطابق بھی اردو میں بفتحہ ''س'' رائج ہے۔

رعبِ سایہ سے ترے اس کا عجب بھی تو نہ جان
دستِ نقاش میں گر بید سی کانپے پنسل ۳۶

(مصحفی، کلیات، ج ۹، ص ۲۵۹)

پوڈر (powder)

پاؤڈر کا ایک تلفظ پوڈر بھی ہے اور اردو میں اب بھی مستعمل ہے۔ اردو میں سب سے پہلے انشا نے استعمال کیا۔ اردو میں انگریزی سے، انگریزی میں قدیم فرانسیسی سے اور فرانسیسی میں لاطینی سے آیا ۳۷۔

کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر
بیٹھ کر جلوے کی کرسی پہ دکھادے گا پھبن

(انشا، کلامِ انشا، ص ۳۲۳)

توس (toast)

انگریزی کو فرانسیسی کا تحفہ ہے اور اسے لاطینی نے عطا کیا تھا۔ مفہوم تھا (سورج کی طرح گرمی سے) جلانا یا جھلسانا یا گرمی سے خشک کرنا ۳۸۔ انگریزی نے اردو کی جھولی میں ڈالا تو اسے ''ٹوسٹ'' سے توس بنالیا گیا۔ ''فسانۂ عجائب'' (۱۸۲۴ء) میں ایک شعر میں یہ لفظ آیا ہے۔ غالباً رجب علی بیگ سرور (م: ۱۸۶۹ء) ہی کی تخلیق ہے:

اس لعبتِ فرنگ کو دکھلا کے قاشِ دل
کہتا ہوں چکھو یہ دلِ بریاں کا توس ہے
(سرور، فسانۂ عجائب، مرتبہ رشید حسن خاں، ص ۱۵۷)

جرنل (general)

لاطینی سے فرانسیسی اور وہاں سے انگریزی میں پہنچا۔ لاطینی میں معنی تھے: نوع یا قسم۔ لیکن یورپ کی کئی زبانوں میں ''عام'' (یعنی ''خاص'' کی ضد) کے طور پر رائج ہو گیا۔ رفتہ رفتہ اس شخص کو بھی کہنے لگے جس کے پاس عام یا تمام اختیارات ہوتے۔ پھر فوج میں کمانڈر کے معنی میں استعمال ہونے لگا ۹۳؎۔ اسی ''جنرل'' کا بگاڑ اردو میں جرنیل اور جرنل ہوا۔

جب تلک چرخِ کہن شکلِ گورنر میں رہے
صاحبِ شرق میں جب تک کہ ہوں جرنل کے چلن
(انشا، کلامِ انشا، ص ۳۳۱)

ڈاکٹر (doctor)

انگریزی میں ڈاکٹر ابتداً عالم فاضل شخص کے معنی میں مروج تھا۔ قدیم گرجا کے اکابر میں سے بھی کوئی شخص ڈاکٹر کہلاتا تھا۔ انگریزی میں فرانسیسی سے آیا اور اصلاً لاطینی ہے۔ لاطینی میں استاد یا معلم کے معنی میں رائج تھا کیونکہ اس کے لاطینی مادے سے جو مصدر بنتا تھا اس کے معنی تھے پڑھانا، تعلیم دینا۔ یونی ورسٹی جسے اعلیٰ ترین سند دیتی تھی اسے بھی ڈاکٹر کہتے تھے۔ یہ سند طب کی بھی ہو سکتی تھی ۹۴؎۔ چنانچہ طبیب کے معنی میں بھی آ گیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح اردو میں حکیم کے معنی علم و حکمت جاننے والا بھی ہے اور طبیب بھی۔ ڈاکٹر صاحب بھی اردو میں انگریزی کے راستے سے آئے اور اس وقت کی یادگار ہیں جب ہمارے ہاں حکیم یا طبیب ہوتے تھے لیکن ڈاکٹر تو صرف انگریز یا فرنگی ہی ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو:

زخمِ شمشیرِ نگہ حیف کہ اچھا نہ ہوا
کرنے کو اس کی دوا ڈاکٹر انگریز آیا
(مصحفی، کلیات، ج ۷، ۷۵)

قسم ہے حضرتِ عیسیٰ کی آنکھیں اس کی آفت ہیں
سلف میں بھی فرنگی ڈاکٹر ایسے نہ ہوتے تھے

(شاہ نصیر، کلیات، ج ۳، ص ۱۰۶)

ریٹ (report)

اردو میں اب عام طور پر "رپورٹ" بولا اور لکھا جاتا ہے۔ رَپَٹ ("ر" اور "پ" مفتوح) انگریزی تلفظ کا بگاڑ ہے۔ مصحفی سے لے کر اکبر الہ آبادی تک اس کا استعمال ملتا ہے۔ لیکن مصحفی نے (اور بعد کے دور میں امیر مینائی نے بھی) "رپٹ بولنا" استعمال کیا ہے جو اب رائج نہیں۔ اکبر نے "رپٹ لکھوانا" استعمال کیا ہے۔ انگریزی سے اردو میں آیا۔ انگریزی میں قدیم فرانسیسی سے اور وہاں لاطینی سے[۱۴۱]۔

صاحبِ حکم و جلادت ہے تو ہر شام و سحر
آکے مریخ ترے سامنے بولے ہے رپٹ

(مصحفی، کلیات، ج ۹، ص ۲۴۳)

رجمن (regiment)

یہ انگریزی کے رجمنٹ کا بگاڑ ہے۔ لاطینی سے فرانسیسی اور وہاں سے انگریزی میں پہنچا[۱۴۲]۔ اردو میں اب رجمنٹ ہی مستعمل ہے، گو انشا کے اس شعر میں، جو ایک قصیدے بعنوان "بادشاہِ انگلستان جارج سوم کی تعریف میں" کا حصہ ہے، ٹیپو سلطان جیسے بطلِ قوم کے مقابلے میں انگریز رجمنٹ کی تعریف کچھ بھلی نہیں لگتی۔ انشا نے مذکر باندھا ہے مگر اب رجمنٹ اردو میں بالعموم تانیث کے طور پر مستعمل ہے۔

ٹیپو سلطان کا قصہ وہ سنا ہووے گا
کرکے کیا کام پھرا وھاں جو گیا تھا رجمن

(انشا، کلامِ انشا، ص ۳۲۹)

متن میں "وہاں" کا املا ہائے مخلوط سے (یعنی "وھاں") کیا گیا ہے۔ "وہاں" کا تلفظ "وھاں" (یا "واں") ہی کرنا پڑے گا تاکہ خارج از بحر نہ ہو جائے۔

رَفل (rifle)

رائفل کا یہ تلفظ ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد کے بعض اردو شعرا کے ہاں بھی ملتا ہے جو شاید جنگِ آزادی کا تحفہ ہے۔ شنٹرل کے مطابق rifle کی اصل ''جرمینک'' ہے اور فرانسیسی سے انگریزی میں پہنچا[۴۳]۔ ویبسٹر کے مطابق قدیم فرانسیسی کا ایک لفظ اس کی اصل ہے[۴۴]۔

نسرِ طائر کو تمنا ہے کہ تیرا ہوں شکار
تا کے گر سوئے فلک ہاتھ میں لے کر تو رَفل

(مصحفی، کلیات، ج ۹، ص ۲۵۹)

اتنی شکار گاہِ جہاں میں ہے آرزو
ہم سامنے ہوں اور تمھاری رَفل چلے

(آتش، کلیات، ج ۲، ص ۲۸۹)

سائن رساٹھن satin

سائن ایک قسم کا چمک دار اور چکنا سا کپڑا ہوتا ہے جو بالعموم ریشم سے بُنا جاتا ہے۔ یہ لفظ، اوکسفرڈ انگریزی لغت کے مطابق، عربی کے ''زیتونی'' کا بگاڑ ہے اور انگریزی میں عربی سے قدیم فرانسیسی کے توسط آیا تھا (غالباً کپڑے کے رنگ کی مناسبت سے)۔ شنٹرل کی رائے یہ ہے کہ یہ ''تسنکیانگ'' (Tsinkiang) (چین کا ایک شہر) کا بگاڑ ہے لیکن اس کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ عربی کے ''زیتونی'' سے بنا ہے جو ''تسنکیانگ'' کا ''مترادف'' ہے۔ اس مترادف والی بات کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ انگریزی لغات اور ذخیرۂ الفاظ سے متعلق کتابوں میں عربی الفاظ کے بارے میں اسی طرح کی حیران کن لاعلمی ملتی ہے۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ انیسویں صدی کے اواخر میں اس کے ایک ہجے sateen بھی تھے جو velveteen (ایک قسم کا مخملیں سوتی کپڑا) کے انداز پر بنائے گئے تھے[۴۵]۔ بہرحال اردو میں انگریزی کے توسط ہی سے پہنچا ہے۔ اردو میں اب سائن (ٹ مفتوح نیز مکسور) کہلاتا ہے، انشا نے اس کا تلفظ ساٹھن (ٹھ مفتوح) کیا ہے اور کپڑے ہی کے معنی میں استعمال کیا ہے جیسا کہ ''آبِ رواں'' (ایک قسم کا کپڑا) کے لفظ اور فحوائے کلام سے بھی ظاہر ہے (سبزے اور نیفے کی مناسبت بھی قابلِ غور ہے)۔ ایک قابلِ غور بات اس مثال سے یہ

بھی سامنے آتی ہے کہ اساتذہ عربی رفارسی الفاظ کے ساتھ دوسری زبانوں کے الفاظ جوڑ کر تراکیب سازی اور انگریزی الفاظ کے ساتھ کسرۂ اضافت لگانے کو معیوب نہ جانتے تھے، جیسا کہ اس شعر میں ''ازارِ ساٹھن'' سے ظاہر ہے۔ لیکن آج ہم عربی رفارسی کے ساتھ اردو رہندی یا انگریزی کی ترکیب کو گوارہ نہیں کرتے۔

ٹانک لے بادلے کا آبِ رواں سے نیفہ
ڈال کر سبزے سے ٹانگوں میں ازارِ ساٹھن

(انشا، کلامِ انشا، ص ۳۲۳)

فریم (frame)

یہ لفظ قدیم انگریزی میں تھا لیکن اس کی اصل جرمینک ہے۔ ابتدائی استعمال مختلف معنوں میں تھا اور تصویر یا دروازے کے چوکھٹے کے معنوں میں بعد میں مستعمل ہوا[۴۶]۔ لیکن اردو میں بہر حال انہی معنوں میں ملتا ہے۔

ترے رخسارِ تاباں کا کبھی جو عکس پڑتا ہے
فریم آئینے کے بنتے ہیں، ہالہ ماہِ کامل کا

(ناسخ، کلیات، ج ۱، ص ۸۱)

فیر (fire)

لفظ فائر کا یہ پرانا املا ہے لیکن کسی زمانے میں عام تھا اور بہت عرصے تک رائج رہا۔ بلکہ کم پڑھے لکھے لوگ اب بھی فیر ہی کہتے ہیں۔ قدیم انگریزی (Old English) میں تھا مگر اس کی اصل مغربی جرمینک ہے[۴۷]۔ قدیم انگریزی میں مختلف ہجوں کے ساتھ ''آگ کے لیے سامان مہیا کرنا'' کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا[۴۸]۔ اسی آتش سے آتشیں اسلحہ کے مفہوم میں بھی آ گیا۔ اردو میں ''بندوق چلنے کا عمل'' ہی کے مفہوم میں مستعمل ہے اور خاصے عرصے سے مستعمل ہے۔

فیر سنتے ہی فقرو ہو چلے
چھوٹی جب بندوق کوّے اُڑ گئے

(میر امن، گنجِ خوبی، ص ۳)

پکارے سب کہ قواعد ہے فوج میں شاید
کہ فیر اڑ رہے ہر صف میں ہیں قطار قطار

(ذوق، کلیات، ج ۲، ص ۱۹۶)

غضب ہے توپ پر عاشق کو رکھ کر
فرنگی زاد تیرا فیر کرنا

(ظفر، کلیاتِ ظفر، دیوانِ سوم، ص ۱۴)

کاگ (cork)

پرانا اردو تلفظ انگریزی سے تھوڑا مختلف ہے۔ اب اردو میں اسے کارک بھی لکھتے ہیں۔ انگریزی میں ہسپانوی سے آیا، ہسپانوی میں عربی سے اور خیال ہے کہ عربی میں لاطینی سے آیا ہے ۴۹ ۔ جس درخت سے کورک یا کارک حاصل ہوتا ہے وہ ایک قسم کا شاہ بلوط ہے اور cork oak کہلاتا ہے۔ اس سے مختلف چیزیں بنتی ہیں جن میں بوتلوں کے کاگ بھی شامل ہیں۔

کاٹ ڈالوں گا گلا اپنا گلابی توڑ ڈال
بندھ گیا ہے دل ہمارا ساقیا اس کاگ میں ۵۰

(اختر، واجد علی شاہ، کلیات، ص ۵۱۴)

کپتان (captain)

کیپٹن یا کپتان کی اصل لاطینی ہے۔ وہاں سے کپتان صاحب قدیم فرانسیسی میں پہنچے اور پھر انگریزی ۵۱ کے راستے اردو میں وارد ہوئے۔

رواں ہیں آگے آگے لختِ دل کے یوں مرے آنسو
چلیں ہیں اردلی کے لوگ جوں کپتان کے آگے

(رنگین، دیوانِ ریختہ، ص ۱۲۲)

کلکٹر (collector)

اس کی اصل لاطینی ہے۔ یہ فرانسیسی سے ہوتا ہوا انگریزی میں پہنچا ۵۲ ۔

ملک گیری میں گورنر تجھے سمجھے جو فلک
ہوویں پھر کیوں نہ کلکٹر ترے لیٹ اور البٹ

(مصحفی، کلیات، ج ۹ ص ۲۳۳)

کمپنی (company)

اصلاً فرانسیسی ہے۔ قدیم فرانسیسی سے انگریزی میں آیا۔ کئی معنی ہیں لیکن یہاں مراد ایسٹ انڈیا کمپنی ہے اور انشا کی یہ دعا آج ہمارے لیے تکلیف دہ ہے۔

کمپنی نور کی جب تک کہ رہے یہ قائم
بادشاہی رہے اس کی بھی بہ وجہِ احسن

(انشا، کلامِ انشا، ص ۳۲۱)

کورٹ (court)

یہ بھی قدیم فرانسیسی سے انگریزی میں آیا۔ دراصل جب گیارھویں صدی عیسوی میں فرانسیسیوں اور نارمنوں نے (جو نارمنڈی، فرانس سے تعلق رکھتے تھے) انگلستان پر قبضہ کرلیا تو فرانسیسی الفاظ اور اصطلاحات انگریزی میں بہت بڑی تعداد میں داخل ہوگئے[۵۳]۔ آج بھی انگریزی کے ذخیرۂ الفاظ کا خاصا بڑا حصہ فرانسیسی الفاظ پر مشتمل ہے[۵۴]۔ کورٹ انگریزی میں عدالت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور دربار کے معنی میں بھی۔ صحیح تلفظ "ر" ساکن کے ساتھ ہے۔ البتہ مصحفی اور امیر مینائی دونوں نے "رے" کو ساکن کی بجائے مفتوح باندھا ہے یعنی کورَٹ۔ اس وقت رائج تلفظ کیا تھا اس بحث سے قطع نظر، وزن اور قافیے کی مجبوری بھی نظر آتی ہے۔

سارے عالم میں ترا حکم ہے دائر سائر
کیوں نہ حاضر رہیں در پہ ہی اپیل اور کورَٹ

(مصحفی، کلیات، ج ۹ ص ۲۳۳)

کونسل (council)

لاطینی کے ایک لفظ کو بھی اس کی اصل بتایا جاتا ہے اور اینگلو نارمن فرنچ سے بھی اس کا اشتقاق ظاہر کیا گیا ہے[۵۵]۔ انگریزی میں مختلف معنوں میں آتا ہے۔ یہاں مشاورت یا مشاورت

اجلاس کے معنی میں ہے۔

ہاتھ سے گوروں کے جاں بر ہوویں کیونکر اہلِ ہند
کام کرتے ہی نہیں ہرگز یہ ون کونسل کیے

(مصحفی، کلیات، ج ۴، ص ۴۱۶)

گلاس رگیلاس (glass)

گلاس کے انگریزی تلفظ میں ابتدا میں دو مصمتے (consonants) ایک ساتھ آتے ہیں جن کو ایک سے ادا کرنا اردو والوں کے لیے آسان نہیں ہوتا۔ اسی لسانی مجبوری کے تحت ہم آج بھی اردو میں گلاس (گاف ساکن) کو گِلاس (گاف مکسور) یا گَلاس (گاف مفتوح) بولتے ہیں۔ ممکن ہے انشا کے دور میں کسرے کی بجاے یاے معروف بولا جاتا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شعر کا وزن پورا کرنے کی غرض سے یہ تلفظ لکھا ہو کیونکہ انشا کے معاصر مصحفی کے ہاں اس کا املا ''گلاس'' ملتا ہے۔ انگریزی سے اردو میں آیا۔ اس کی اصل جرمینک ہے اور مشابہ الفاظ جرمن اور ولندیزی زبانوں میں بھی موجود ہیں ۵۶۔

اپنے گیلاس شگوفے بھی کریں گے حاضر
غنچہ و گل سبھی وھاں کھولیں گے بوتل کے دہن

(انشا، کلام انشا، ص ۳۲۳)

کہ کبھی لگ نہ سکے اس کو بلوریں گیلاس
ہووے بالفرض بہا اس کی اگر ملکِ ختن

(انشا، کلام انشا، ص ۳۲۵)

آوے گلاس مے کا تو یاں پشتِ دست کھائے
چینِ جبیں سے کاسۂ چینی شکست کھائے

(مصحفی، کلیات، ج ۸، ص ۱۰۰)

تا نہ باقی رہے مے اور نہ مے میں مستی
توڑتا سنگِ نمک سے ہے وہ شیشے کا گلاس

(ذوق، کلیات، ج ۲، ص ۵۵)

گورنر (governor)

اس کی اصل تو یونانی ہے مگر یونانی سے قدیم فرانسیسی اور وہاں سے انگریزی میں پہنچا۵۷ ۔ اردو کو انگریزی کی عطا ہے، لفظ بھی اور عہدہ بھی۔

جب تلک چرخِ کہن شکلِ گورنر میں رہے
صاحبِ شرق میں جب تک کہ ہوں جرنل کے چلن

(انشا، کلامِ انشا ص ۲۳۱)

ملک گیری میں گورنر تجھے سمجھے جو فلک
ہوویں پھر کیوں نہ کلکٹر ترے لیٹ اور البٹ

(مصحفی، کلیات، ج ۹، ص ۲۳۳)

لاڈ/لارڈ (lord)

اصل جرمینک ہے، قدیم انگریزی میں دہیں سے آیا۵۸ ۔ انگریزی سے اردو میں آیا اور اس کا املا اردو میں "لاٹ" بھی کیا جاتا ہے۔ بلکہ کچھ لوگ اب تک اس طرح بولتے ہیں "لاٹ صاحب" طنزاً بھی استعمال ہوتا ہے۔

لارڈ حکام نے ایسے ہی کیے اک دو وار
دفعتہً کانپ گیا جس کے سبب سب دکھن

(انشا، کلامِ انشا ص ۳۲۹)

سلامت رہیں ولزلی لاڈ صاحب
رہے قائم ان کی یہ فرماں روائی

(میر امن، گنجِ خوبی، ص ۳)

لمبر (number)

ہم اپنے بچپن میں اسکول میں بعض لڑکوں کے منھ سے "نمبر" کا تلفظ "لمبر" سنتے تھے (مثلاً "تمھارے کتنے لمبر آئے؟") اور حیران ہوتے تھے (انھوں نے غالباً اپنے بڑوں سے سنا ہوگا)۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس تلفظ کے لیے غالب کی سند موجود ہے۔ غالب نے اپنے ایک سہرے میں "لمبر" استعمال کیا ہے اور کالی داس گپتا رضا کی تحقیق کے مطابق یہ شعر ۱۸۵۲ء میں کہا

گیا تھا ۵۹ ۔ نسخۂ عرشی میں بھی موجود ہے۔

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ
مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

(غالب، دیوان، نسخۂ عرشی، ص۳۹۴)

نیلام

بابائے اردو مولوی عبدالحق کے بقول اس کی اصل پرتگالی کا لیلاؤں (leilao) ہے ۶۰۔

دل کا زلفوں میں مرے سہل ہوا یوں سودا
جیسے سستی کوئی بک جائے ہے نیلام کی چیز

(ظفر، کلیاتِ ظفر، ج۲، برحاشیہ، ص۴۲)

ول / وائل (voile)

یہ ایک قسم کا باریک اور نیم شفاف کپڑا ہوتا ہے۔ یہ سوتی، اونی یا ریشمی بھی ہو سکتا ہے۔ فرانسیسی لفظ ہے ۶۱ اور اردو کو انگریزی کی دین ہے۔

میں نے جو ایک طفلِ فرنگی سے کل کہا
کُرتی تری نبات کی کیا ول ہے سرخ و سبز

(شاہ نصیر، کلیات، ج۲، ص۸۷)

ان امثال کی کیفیت مشتے نمونہ از خروارے کی سی ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

حواشی

۱۔ اردو ادب کی انسائیکلو پیڈیا، ص۳۱۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ تذکرہ شعرائے اردو (مرتبہ حبیب الرحمٰن خان شیروانی)، ص۱۵۰۔

۴۔ ایضاً۔ اصل فارسی عبارت یہ ہے: ''گر وقتے کہ خصم شہید شدن سراج الدولہ در شہر اتفاق داد، ن وقت فی

البدیہہ۔ ایں شعر می خواند و از خبر داراں خبر می پرسید، و می گریست۔ ہمیں شعر از و بہ یادگار ماند'' (ص ۱۵۰)۔ اس کے بعد اردو کا شعر درج ہے جو اوپر اس مقالے کے متن میں نقل ہوا ہے۔

۵۔ محولہ بالا۔ نیز مختلف تذکروں سے موزوںؔ سے متعلق حاصل کردہ معلومات کا نچوڑ پروفیسر محمد انصار اللہ نے جامع التذکرہ میں دیا ہے (ج ۱، ص ۴۵۳)۔ اس سے بھی موزوں کے سالِ پیدائش اور وفات کا علم نہیں ہوتا۔

۶۔ یادگارِ شعرا (اردو ترجمہ از طفیل احمد)، ص ۱۷۰۔ علی ابراہیم خان خلیل کے جس تذکرے کا حوالہ اسپرنگر نے دیا ہے وہ ''گلزارِ ابراہیم'' کے نام سے ہے۔ اس کا سالِ تکمیل ۱۷۸۴ء بتایا جاتا ہے لیکن اس کے بعد بھی مولف اس میں اضافے کرتے رہے (عرشی، امتیاز علی خاں، دستور الفصاحت، دیباچہ مصحح، ص ۷۴)۔ اس تذکرے میں قدیم تذکروں کے بیانات کو چھان پھٹک کر قبول کیا گیا ہے چنانچہ یہ اس زمانے کے اہم تذکروں میں شمار ہوتا ہے (تفصیلات کے لیے: انصار اللہ، جامع التذکرہ، ج ۱، ص ۱۷)۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ اس تذکرے میں موزوںؔ کے بارے میں دی گئی معلومات بڑی حد تک معتبر ہیں۔

۷۔ تذکرۂ ماہ و سال، ص ۳۶۸۔

۸۔ جمیل جالبی، تاریخِ ادبِ اردو، ج ۳، ص ۶۰۷۔

۹۔ بحر کے دیوان ''ریاض البحر'' میں مثلاً یہ اشعار شامل ہیں جن میں ''کاگ'' (cork) اور ''لیلام'' (نیلام) (پرتگالی: Leilao) جیسے الفاظ موجود ہیں:

گلابیوں میں رہے کاگ کے عوض غنچے
گھڑے کے منھ پہ کٹورے کی جا گلاب رہا

(ص ۴۸، بر حاشیہ)

قدر میرے گوہرِ دل کی کچھ اوس بت نے نہ کی
بت کدہ لیلام ہوتا میں جو قیمت مانگتا

(ص ۴۳، بر حاشیہ)

۱۰۔ مثلاً کلیاتِ منیر میں شامل اس شعر میں لفظ ''لالٹین'' جو انگریزی کے لینٹرن (lantern) کا بگاڑ ہے، استعمال ملتا ہے:

لالٹینیں جنگلے پر کرتی ہیں نور افشانیاں
رات کو چھپتا نہیں ہے نقش پائے مور کا

(ج ۲، ص ۳۱۷، برحاشیہ)

۱۱۔ اردو ادب کی انسائیکلو پیڈیا، ص ۳۲۔ ۳۰

۱۲۔ ملاحظہ ہو: کلامِ اکبر میں انگریزی الفاظ، مشمولہ سہ ماہی اردو، کراچی، 1995ء، ص ۸۰۔ ۵۱

۱۳۔ ادب اور لسانیات، ص ۷۳۔ ۸۲

۱۴۔ ملاحظہ کیجیے: جریدہ، کراچی، شمارہ ۳۶، ص ۵۹۹ و بعدہٗ۔

۱۵۔ اردو میں دخیل الفاظ، مشمولہ سہ ماہی اردو، کراچی، جولائی ۱۹۴۹ء، ص ۵ و بعدہٗ۔ نیز اہل یورپ نے اردو کی کیا خدمت کی، مشمولہ سہ ماہی اردو، اورنگ آباد، جنوری ۱۹۲۴ء۔

۱۶۔ محمد بن عمر کی ان کتابوں میں پرتگالی زبان کا اثر اردو زبان پر، اردو زبان پر انگریزی زبان کے اثرات، اردو میں دخیل یورپی الفاظ اور اردو میں فرانسیسی الفاظ شامل ہیں۔

۱۷۔ ملاحظہ ہو: اردو انگریزی مشترک ذخیرۂ الفاظ۔

۱۸۔ اس کی تفصیل کئی کتابوں میں ملتی ہے، مثلاً A short history of Paksitan (مدیرِ عمومی، اشتیاق حسین قریشی) کی تیسری اور چوتھی جلد میں۔ معین الدین عقیل نے ''آزادی کی قومی تحریک'' کے پہلے باب میں اس کا مختصر لیکن اچھا جائزہ لیا ہے اور اس کے مزید مآخذ بھی بتائے ہیں۔ نیز محمد بن عمر نے اپنی کتابوں (ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۶) میں اس کا تاریخی اور سیاسی پس منظر بتایا ہے۔

۱۹۔ تفصیلات کے لیے: محمد بن عمر، پرتگالی زبان کا اثر اردو زبان پر، ص ۴۰۔ ۵

۲۰۔ عبدالحق، مقدمہ، لغتِ کبیر، ص ۱۹۔ ۱۸

۲۱۔ گلنس شنٹرل، The oxford essential dictionary of word histories، ص ۲۶۔

۲۲۔ Concise Oxford English dictionary

۲۳۔ اردو میں فرنسیسی الفاظ، ص ۱۴۔

۲۴۔ شنٹرل، محولہ بالا، ص ۳۵۵۔

۲۵۔ ایضاً۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۷۱۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۶۸۔

۲۸۔ لنڈا فلیول اور راجر فلیول، Dictionary of word origins، ص ۳۴۔۳۳

۲۹۔ An Anglo-Indian dictionary، ص ۵۳۔

۳۰۔ Hobson-Jobson، ص ۱۲۴۔۱۲۳

۳۱۔ Sahibs, Nabobs and Boxwallas، ص ۷۲۔

۳۲۔ شنٹزل، محولہ بالا، ۳۷۹۔

۳۳۔ ایضاً۔

۳۴۔ ایضاً، ص ۳۸۲۔

۳۵۔ ایضاً، ص ۳۷۰۔

۳۶۔ کلیاتِ مصحفی مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور (ج ۹، ص ۲۵۹) میں یہ لفظ پنسل کی بجائے پنسل چھپا ہے جو کتابت کی غلطی ہے۔

۳۷۔ شنٹزل، ص ۳۹۰۔

۳۸۔ فلیول، محولہ بالا، ص ۲۴۷؛ نیز شنٹزل، ص ۵۱۴۔

۳۹۔ شنٹزل، ص ۲۲۹۔

۴۰۔ Webster's unabridged dictionary، ج ۱، ص ۵۴۰؛ نیز شنٹزل، ص ۱۵۸۔

۴۱۔ شنٹزل، ص ۴۲۹۔

۴۲۔ ایضاً، ص ۴۲۵۔

۴۳۔ ایضاً، ص ۴۳۶۔

۴۴۔ ج ۲، ص ۱۵۶۰۔

۴۵۔ شنٹزل، ص ۴۴۷۔

۴۶۔ ایضاً، ص ۲۱۸۔

۴۷۔ ایضاً، ص ۲۰۶۔

۴۸۔ Concise Oxford English dictionary

۴۹۔ Webster's unabridged dictionary

۵۰۔ کاتب نے ''کاگ'' کو ''کاک'' لکھا ہے لیکن یہ کاگ ہی ہونا چاہیے کیونکہ اس غزل میں قوافی آگ، بھاگ، ناگ، راگ، لاگ، پھاگ وغیرہ ہیں۔

۵۱۔ Concise Oxford English dictionary

۵۲۔ شنٹزل، ص ۱۰۵۔۱۰۴

۵۳۔ تفصیلات کے لیے: البرٹ سی بو (Albert C. Baugh) اور طامس کیبل (Thomas Cable)، A short history of the English language، باب پنجم۔

۵۴۔ انگریزی میں دخیل فرانسیسی الفاظ کی تفصیلات کے لیے: رابرٹ کلبرن (Robert Claiborne)، The life and times of the Englsih language، باب پنجم؛ نیز ڈیوڈ کرسٹل، (DavidCrystal)، The Cambridge encyclopedia of the English language، ص ۴۷۔۴۶، ۳۴۳۔۳۴۲

۵۵۔ شنٹزل، ص ۱۲۳۔

۵۶۔ ایضاً، ص ۲۳۳۔

۵۷۔ ایضاً، ص ۲۳۶۔

۵۸۔ ایضاً، ص ۳۰۷۔

۵۹۔ کالی داس گپتا رضا، دیوانِ غالب، ص ۳۴۶۔

۶۰۔ اردو میں دخیل الفاظ، مشمولہ سہ ماہی اردو، کراچی، جولائی ۱۹۴۹ء، ص ۳۵۸۔

۶۱۔ Concise Oxford English dictionary

فہرستِ اسنادِ محولہ

۱۔ اختر، واجد علی شاہ، کلیات، ۱۲۷۸ھ (محولہ مطبوعہ نسخے کے ابتدائی صفحات غائب تھے لہٰذا دیگر طباعتی تفصیلات کا علم نہ ہو سکا۔ یہ نسخہ اردو لغت بورڈ کے کتب خانے میں دیکھنے کا موقع ملا جس کے لیے راقم بورڈ کے سربراہ اور عملے کا شکر گزار ہے)۔

۲۔ اسپرنگر، الوئس، (Sprenger, Aloys) یادگارِ شعرا، مترجمہ طفیل احمد، لکھنؤ، اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۵ء۔

۳۔ امن، میر، گنجِ خوبی، بمبئی، مطبعِ محبوب، طبع دوم، ۱۲۹۲ھ۔

۴۔ انشاء، انشاء اللہ خان، کلامِ انشا، مرتبہ مرزا محمد عسکری و محمد رفیع، الہ آباد، ہندوستانی اکیڈمی، ۱۹۵۲ء۔

۵۔ انصار اللہ، محمد، جامع التذکرہ، ج اول، دہلی، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ۲۰۰۶ء۔

۶۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیاتِ آتش، جلد اول، مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۵ء۔

۷۔ آتش، خواجہ حیدر علی، کلیاتِ آتش، جلد دوم، مرتبہ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۵ء۔

۸۔ بحر، امداد علی، ریاض البحر، لکھنؤ، مطبع مصطفائی، ۱۲۸۵ھ۔

۹۔ بخاری، سہیل، اردو میں دخیل اور دخیل نما الفاظ، مشمولہ جریدہ، شمارہ ۳۶، کراچی یونیورسٹی، ۲۰۰۶ء۔

۱۰۔ بو، البرٹ سی (Baugh, Albert C.) اور کیبل، طامس (Cable, Thomas)، A short history of the English language، لندن، روٹلج اینڈ کیگن پال، اشاعتِ سوم، ۱۹۸۶ء۔

۱۱۔ جالبی، جمیل، تاریخِ ادبِ اردو، جلد ۳، لاہور، مجلسِ ترقیِ ادب، ۲۰۰۶ء۔

۱۲۔ جین، گیان چند، کلامِ اکبر میں انگریزی الفاظ، مشمولہ سہ ماہی اردو، کراچی، ج ۷۱، شمارہ ۴، ۱۹۹۵ء۔

۱۳۔ حسن، میر، تذکرۂ شعرائے اردو، مرتبہ محمد حبیب الرحمٰن خان شیروانی، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، طبع جدید، ۱۹۴۰ء۔

۱۴۔ ذوق دہلوی، محمد ابراہیم، کلیاتِ ذوق، جلد دوم، مرتبہ تنویر احمد علوی، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۷ء۔

۱۵۔ رضا، کالی داس گپتا، مرتب، دیوانِ غالب، کراچی، انجمن ترقی اردو، اشاعتِ چہارم ۲۰۱۱ء۔

۱۶۔ رنگین، سعادت یار خان، دیوان بیختہ (قلمی نسخے کا عکس)، سالِ کتابت ۱۲۴۹ ہجری (اس قلمی نسخے کی عکسی نقل اردو لغت بورڈ میں موجود ہے اور اسے دیکھنے کا راقم کو موقع ملا۔ اس پر The govt. of

India, Delhi, MSS کی مہر ثبت ہے۔ عکسی نقل کے ایک صفحے پر کسی عبداللطیف کشتہ نامی صاحب نے نسخے کے بارے میں معلومات لکھ رکھی ہیں جن کے مطابق یہ رنگین کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا نسخہ ہے اور سالِ کتابت ۱۲۴۹ھ ہے۔ دیوان کا سالِ آغاز ۱۲۱۵ھ اور سالِ تکمیل ۱۲۲۰ھ ہے)۔

۱۷۔ سرور، رجب علی بیگ، فسانۂ عجائب، مرتبہ رشید حسن خاں، دہلی، انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۰ء۔

۱۸۔ سودا، مرزا رفیع، کلیات، مرتبہ شمس الدین صدیقی، ج ۲، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۷ء۔

۱۹۔ شاہ نصیر: دیکھیے نصیر، شاہ

۲۰۔ شنٹرل، گلینس، (Chantrell, Glynis)، The Oxford dictionary of essential word histories، نیویارک، برکلے بکس، ۲۰۰۲ء۔

۲۱۔ صدیقی، ابواللیث، ادب اور لسانیات، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۰ء۔

۲۲۔ ظفر، بہادر شاہ، کلیاتِ ظفر، منجملہ چار جلد، لکھنؤ، نول کشور، بارِ پنجم، ۱۹۱۸ء۔

۲۳۔ عبدالحق، اہلِ یورپ نے اردو کی کیا خدمت کی؟، مشمولہ سہ ماہی اردو، دہلی، جنوری ۱۹۲۴ء۔

۲۴۔ عبدالحق، مولوی، اردو میں دخیل الفاظ، مشمولہ سہ ماہی اردو، کراچی، جولائی ۱۹۴۹ء۔

۲۵۔ عبدالحق، دیباچہ، لغتِ کبیر، کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۳ء۔

۲۶۔ عبدالودود، قاضی، تحقیقاتِ ودود، پٹنہ، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۵ء۔

۲۷۔ عرشی، امتیاز علی خان (مرتب)، دستور الفصاحت (مولفہ سید احمد علی خاں یکتا)، رام پور، ہندوستان پریس، ۱۹۴۳ء۔

۲۸۔ عقیل، معین الدین، آزادی کی قومی تحریک: تحقیق اور تجزیہ، لاہور، مکتبۂ تعمیرِ انسانیت، سن ندارد۔

۲۹۔ عمر، محمد بن، اردو زبان پر انگریزی زبان کے اثرات، حیدرآباد دکن، کتاب خانہ، ۱۹۵۵ء۔

۳۰۔ عمر، محمد بن، اردو میں دخیل یورپی الفاظ، حیدرآباد دکن، کتاب خانہ، ۱۹۵۵ء۔

۳۱۔ عمر، محمد بن، اردو میں فرانسیسی الفاظ، کتاب خانہ، حیدرآباد دکن، ۱۹۵۴ء۔

۳۲۔ عمر، محمد بن، پرتگالی زبان کا اثر اردو زبان پر، حیدرآباد دکن، کتاب خانہ، ۱۹۵۴ء۔

۳۳۔ غالب، مرزا اسد اللہ خاں، دیوان، مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی، لاہور، مجلسِ ترقیٔ ادب، طباعتِ دوم، ۲۰۱۱ء۔

۳۴۔ غالب، مرزا اسداللہ خاں، دیوان غالب کامل، تاریخی ترتیب کے ساتھ، مرتبہ کالی داس گپتا رضا، کراچی انجمن ترقی اردو، اشاعتِ چہارم، ۲۰۱۲ء۔

۳۵۔ فلیول، راجر فلیول، لِنڈا، (Flavell, Linda and Roger)، Dictionary of word origins، لندن، کائل کیتھی، ۱۹۹۵ء۔

۳۶۔ قریشی، اشتیاق حسین (مدیرِ عمومی)، A short history of Paksitan، کراچی، کراچی یونی ورسٹی، طبعِ نو، ۲۰۰۶ء۔

۳۷۔ کرسٹل، ڈیوڈ (Crystal, David)، The Cambridge encyclopedia of the English languge، کیمرج یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۵ء۔

۳۷ الف۔ گردیزی، علی الحسینی، تذکرہ ریختہ گویاں، مرتبہ اکبر حیدری کاشمیری، لکھنؤ، اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۵ء۔

۳۸۔ لیوس، آئیور، (Lewis, Ivor)، Sahibs, Nabobs and Boxwallas، اوکسفرڈ، ۱۹۹۱ء۔

۳۹۔ مالک رام، تذکرہ ماہ و سال، دہلی، مکتبۂ جامعہ، ۱۹۹۱ء

۴۰۔ مصحفی، غلام ہمدانی، کلیات، ج ۴، مرتبہ نورالحسن نقوی، لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۷۴ء۔

۴۱۔ مصحفی، غلام ہمدانی، کلیات، ج ۷، مرتبہ نورالحسن نقوی، لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۹۵ء۔

۴۲۔ مصحفی، غلام ہمدانی، کلیات، ج ۸، مرتبہ نورالحسن نقوی، لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۹۴ء۔

۴۳۔ مصحفی، غلام ہمدانی، کلیات، ج ۹، مرتبہ نورالحسن نقوی، لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۹۹ء۔

۴۴۔ ملک، فتح محمد، طارق، عبدالرحمٰن، اردو انگریزی مشترک ذخیرۂ الفاظ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۴ء۔

۴۵۔ منیر شکوہ آبادی، اسمٰعیل، نظمِ منیر (مطبوعہ بر حاشیۂ کلیاتِ منیر)، لکھنؤ، مطبع ثمر ہند، ۱۲۹۶ھ۔

۴۶۔ ناسخ، شیخ امام بخش، کلیات، ج ۱، مرتبہ یونس جاوید، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۹ء۔

۴۷۔ ناسخ، شیخ امام بخش، کلیات، ج ۲، مرتبہ یونس جاوید، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۹ء۔

۴۸۔ ناظم سیوہاروی، قاضی ظہور الحسن، اردو ادب کی انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ عاصمہ فرحت، (شائع کردہ:

لاہور، مرتب)، ۲۰۰۳ء۔

۴۹۔ نصیر، شاہ، کلیات، ج ۲، مرتبہ تنویر احمد علوی، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء۔

۵۰۔ نصیر، شاہ، کلیات، ج ۳، مرتبہ تنویر احمد علوی، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۶ء۔

۵۱۔ وائٹ ورتھ، جارج کلفرڈ، (Whiteworth, George Cliford)، An Anglo-India Dictionary، لاہور، سنگِ میل، طباعتِ نو، ۱۹۸۱ء۔

۵۲۔ یول، ہنری، (Yule, Henry) اور برنل، اے سی (Burnell, A.C.)، Hobson-Jobson، دہلی، منشی رام منوہر لال، طباعتِ نو، ۱۹۸۴ء۔

حوالہ جاتی کتب

۱۔ اردو لغت، تاریخی اصول پر، ج ۱ تا ۲۲، کراچی، اردو لغت بورڈ، ۱۹۷۷ء تا ۲۰۱۰ء۔

2. Concise Oxford English dictionary, 11th edition, 2006.

3. Webster's unabridged dictionary, vol I, II, 2nd edition, 1975.

4. A dictionary of Urdu, classical Hindi and English, compiled by John T Plats, Delhi, Munshiram Manoharlal Publishers, 1993.
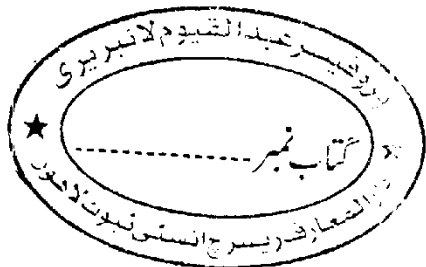
☆ لغات وفرہنگ اور ان کے مباحث وغوامض ایک عرصے سے ڈاکٹر رؤف پاریکھ کی تحریری کدوکاوش اور دل چسپی کا خصوصی میدان رہے ہیں، اور ہیں۔ وہ کئی برس تک اردو ڈکشنری بورڈ کراچی سے بطور مدیر اعلیٰ وابستہ رہے۔ وہ ان امور سے کہ لغت کو کن اصولوں پر مرتب و مدون ہونا چاہیے خوب آگاہ ہیں۔ خود لغات کے مرتب اور بہت سوں کے مبصر ہیں اور لغات سے متعلق متعدد اہم مقالات ومضامین کی تدوین کر چکے ہیں۔ ۔۔۔ انھوں نے بغیر کسی مرعوبیت کے بے باکی کے ساتھ مختلف لغوی کاوشوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کی روشنی میں لغت نویسی کی شرائط واضح کی ہیں۔

(پروفیسر ڈاکٹر تحسین فراقی، ناظمِ اعلیٰ مجلس ترقیِ ادب، لاہور،
وسابق صدرِ شعبۂ اردو، پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج، لاہور)

☆ اردو تحقیق وتنقید میں علمِ لغت اور لغت نویسی کو بالعموم نظر انداز کیا گیا ہے۔ لغت نویسی پر تو خیر اب کچھ مقالے اور کتابیں شائع ہونے لگی ہیں لیکن افسوس کہ اردو میں علمِ لغت اور اصولِ لغت پر بہت کم کام ہوا ہے۔ اس موضوع پر تحقیقی وتنقیدی انداز سے جم کر اور مستقلاً لکھنے والے چند اہلِ قلم میں ڈاکٹر رؤف پاریکھ بھی شامل ہیں۔

رؤف پاریکھ کی اس کتاب میں جہاں علمِ لغت اور اصولِ لغت پر تحقیقی وتنقیدی مقالات ہیں وہاں اردو کی بعض اہم لغات کے محاسن وعیوب پر بھی تحقیقی وتنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ گویا اس کتاب میں لغت نویسی کے دونوں پہلوؤں (یعنی علمی ونظری پہلو اور عملی پہلو) کا احاطہ کیا گیا ہے۔ پاکستان کی یونی ورسٹیوں میں ایم اے اردو کے نصاب نیز ایم فل اور پی ایچ ڈی کے تربیتی نصاب میں لغت نویسی کو شامل کیے جانے کی وجہ سے یہ کتاب ماہرین، اساتذہ اور طلبہ کے لیے یکساں ضروری اور مفید ہے۔

(پروفیسر ڈاکٹر تنظیم الفردوس، صدر شعبۂ اردو، کراچی یونی ورسٹی)

Urdu Bazar, Karachi, Pakistan
e-mail: fazleepublisher@gmail.com